فتح الجواد

فی معارف

آیاتِ الجہاد

● سُوْرَةُ التَّوْبَة (بقیہ) ● سُوْرَةُ الْحَجّ ● سُوْرَةُ النُّوْر

● سُوْرَةُ الْاَحْزَاب ● سُوْرَةُ مُحَمَّد (صلی اللہ علیہ وسلم)

٣

مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ

ناشر: مکتبۂ عرفان

کتاب .... فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد (جلد سوم)

مؤلف .... مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

اشاعت اوّل تا دوم ...... تعداد ۴۴۰۰

دوسری اشاعت .... صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

تعداد ۲۲۰۰

صفحات ۴۵۰

قیمت .... ۳۳۰ روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر فہرست

فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد

جلد سوم

سُوْرَةُ

التَّوْبَة

مَدَنِيَّةٌ
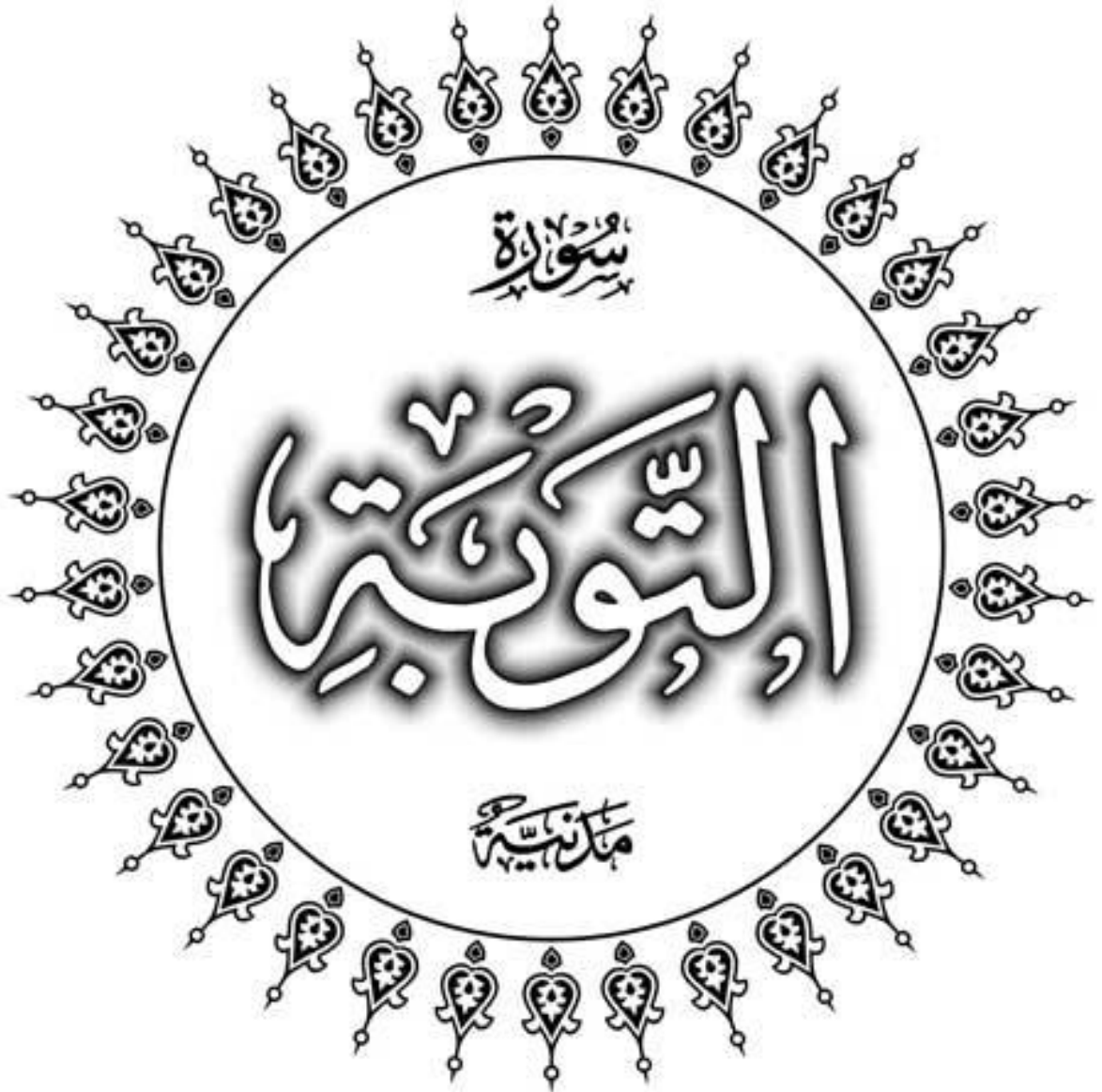
آیت ۶۱ سے آخر تک

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ　آیت ٦١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ

اور بعضے ان میں سے پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے کہہ دے وہ کان

خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ

تمہاری بھلائی کیلئے ہے اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے

اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

ایمان والوں کے حق میں رحمت ہے اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے

خلاصہ

یہ خود کو جہاد سے مستثنیٰ کرنے والوں (یعنی جہاد میں شامل نہ ہونے والوں) کی چوتھی قسم کے لوگوں کا بیان ہے، خدمتِ اسلام میں صحیح معنی میں یہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم خیال نہیں ہیں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کان کے کچے ہیں جو بات کوئی کہہ دے اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں (یعنی اپنی کوئی رائے نہیں رکھتے لوگوں کی باتوں میں آجاتے ہیں) اسی بدگمانی کے باعث یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اشتراکِ عمل کو پسند نہیں کرتے۔ (حضرت لاہوریؒ)

منافق کو اپنی عقل مندی کا وہم ہوتا ہے

نفاق کا مرض بہت خطرناک ہے، منافق جہاد میں نہ جانے کو اپنی بہت بڑی عقل مندی سمجھتا ہے اور اس کی نظر میں مخلص مسلمان کم عقل اور بیوقوف ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے بارے میں بھی منافقین کا یہی خیال تھا کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کوئی رائے نہیں رکھتے۔

وقال الحسن: كان المنافقون يقولون ما هذا الرجل الا اذن من شاء صرفه حيث شاء لا عزيمة له

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: منافق کہا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو کان کے کچے ہیں جو چاہے آپ کو جس طرف پھیر دے اور آپ پختہ رائے نہیں رکھتے۔ (نعوذ باللہ) (تفسیر کبیر)

وغرضهم منه انه ليس له ذكاء ولا بعد غور

یعنی مقصد ان منافقین کا یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضبوط رائے اور سمجھ نہیں رکھتے۔ (نعوذ باللہ)

دراصل بزدل انسان کے نزدیک صرف جان بچانا ہی عقل مندی ہے، یہ منافق لوگ جہاد سے محروم ہو کر گھر بیٹھے ہوئے تھے اور نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بدگمانیاں پھیلا رہے تھے۔

منافق گستاخِ رسول ہوتا ہے

آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نفاق کے مرض میں مبتلا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں بکتے ہیں۔ ان لوگوں کو جہاد میں موت نظر آتی ہے چنانچہ جہاد سے بچنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی تعلیمات کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے یہ دو عبارتیں:

❶ اُذُنٌ...... کہتے ہیں ایسے شخص کو جو کان ہی کان ہو اور اپنی سادگی سے جو بات بھی سنے اس کا یقین کرلے، اردو میں اسی کو کہتے ہیں ''کانوں کا کچا'' ایسا گستاخانہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بجز سیاہ قلب منافقین کے اور کہہ ہی کون سکتا تھا۔

الاذن الرجل الذی یصدق قول کل احد (کشاف) ای یقبل کل ما قیل لہ (ابن قتیبۃ)

یؤذون النبی ...... یعنی ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جو نبی ﷺ کے لیے باعث اذیت ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

❷ ''منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات پر نکتہ چینی کرنا اپنا فرض قرار دے رکھا تھا اور اپنی کج فہمی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سود مند (یعنی مفید) تعلیم کے ایسے پہلو تلاش کرتے رہتے جو محلِ اعتراض بن سکیں، اگر کوئی شخص ہٹ دھرمی سے کام لے تو عمدہ سے عمدہ قانون میں بھی شک پیدا کیا جاسکتا ہے، یہ منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کان کے کچے ہیں جو کچھ آپ سے کہا جاتا ہے اس کو فوراً مان لیتے ہیں اور ذاتی رائے نہیں رکھتے، اس پر فرمایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر اچھی بات قبول کرلینا تمہارے لئے باعث رحمت ہے ورنہ اگر آپ اپنی طبیعت پر رہتے اور اپنے معیار پر لوگوں کو پرکھتے تو ایک آدمی بھی اس قابل نہ نکلتا جو آپ سے (مکمل) فیضیاب ہوسکتا''۔

آپ تو اپنے اوپر جبر کر کے اپنے بلند ترین مرتبہ سے نیچے اترتے ہیں (کہ جھوٹ اور سچ سمجھنے کے باوجود فوری طور پر ہر وقت اس کا اظہار نہیں فرماتے اور بات سن کر چشم پوشی کر لیتے ہیں) اور یہ لوگ اپنی بدطینتی کی وجہ سے اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ (تفسیر الفرقان)

مؤمن اور منافق کا ایک فرق

منافق ہر بات کو چالاکی سے سنتا ہے اور اس کے طرح طرح کے مطلب نکالتا ہے اور آخرت سے بےفکری کی وجہ سے باتوں کی اونچ نیچ ہی میں الجھا رہتا ہے جبکہ مؤمن بھولا بھالا اور شریف ہوتا ہے وہ ہر بات سے دین اور آخرت کا نفع اور خیر ڈھونڈتا ہے اور فضول باتوں پر زیادہ غور نہیں کرتا۔ بس اس کی اس عادت پر منافق لوگ اس کو سادہ اور کم عقل سمجھتے ہیں، آج کل بھی جو مسلمان قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے

جہاد کا پیغام سن کر جہاد میں نکل کھڑے ہوتے ہیں تو دنیا پرست منافق ان کو کم عقل، بیوقوف، جذباتی اور گمراہ قرار دے دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع

منافقین نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "ہر بات سننے والا" کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی صفت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی قرار دے کر منافقین کو چپ کرا دیا۔ یہاں اشارۃً یہ بات بھی سمجھا دی گئی کہ کانوں کی بیماری تو منافقین کو لگی ہوئی ہے کہ وہ ہر بری اور نقصان دہ بات کو سنتے اور قبول کرتے ہیں اور خیر کی باتوں کو نہیں سنتے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سننا تو سراسر خیر ہی خیر ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی باتیں سنتے ہیں اور ان پر یقین رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سننا پوری انسانیت کے لیے خیر کا باعث ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کی بات سنتے ہیں اس کی وجہ سے ان کو خیر پہنچتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سچی باتوں کو سن کر فیصلے فرماتے ہیں تو پوری امت کو خیر پہنچتی ہے اور تم منافقوں میں سے جو خود کو مسلمان قرار دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بھی سن لیتے ہیں اور چشم پوشی فرماتے ہیں۔ اس میں بھی تمہارے لئے خیر ہے کہ تمہیں مہلت ملتی ہے اور ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق اور قوت برداشت دیکھ کر تم میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

منافق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طعن کرتے کہ یہ شخص کان ہی رکھتا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقار سے جھوٹے کا جھوٹ پہچانتے تو بھی نہ پکڑتے تغافل کرتے وہ بیوقوف جانتے کہ انہوں نے سمجھا نہیں سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ خو (عادت) نبی کی تمہارے حق میں بہتر ہے نہیں تو اوّل تم پکڑے جاؤ گے۔ (موضح القرآن)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

وھو تعریض بان المنافقین اذن شر یسمعون آیات اللہ تعالیٰ ولا ینتفعون بھا ویسمعون قول المومنین ولا یقبلونہ وانہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یسمع قولھم الا شفقة علیھم لا انہ یقبلہ لعدم تمییزہ علیہ الصلوٰة والسلام کما زعموا. (روح المعانی)

اس عبارت سے مذکورہ بالا پورے مضمون کی تائید ہوگئی خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے میں خیر ہی خیر ہے اور منافقین کے سننے میں شر ہی شر ہے۔

گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دردناک سزا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء

پہنچائے گا اسے انتہائی دردناک عذاب دیا جائے گا۔

"پھر فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے) اس میں عذاب دنیوی یا عذاب اخروی کی قید نہیں ہے دونوں جہان میں عذاب ہونے کی وعید ہے۔ دنیا میں یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہوئے، دربار نبوی ﷺ سے ذلت کے ساتھ نکالے گئے اور آخرت کا جو عذاب ہے وہ تو ہر کافر کے لیے مقرر ہی ہے"۔ (انوار البیان)

صاحب تفسیر ماجدی یہاں یہ دلنشین جملہ تحریر فرماتے ہیں:

ایذائے رسول ﷺ کی سزا عذاب الیم جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں تھی آج بھی ہے۔ (تفسیر ماجدی)

طلبہ علم کے لئے

اس آیت مبارکہ کی جامع اور مختصر لفظی تشریح "تفسیر المدارک" میں ملاحظہ فرمالیں...... اور تفسیر قرطبی، روح المعانی، مظہری میں اس آیت کے شان نزول پر کئی واقعات بیان کیے ہیں شائقین طلبہ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

جامع تفسیر

"منافقین آپس میں بیٹھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بدگوئی کرتے، جب کوئی ان سے کہتا کہ یہ باتیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں گی تو کہتے کیا پروا ہے۔ ان کے سامنے ہم جھوٹی تاویلیں کر کے اپنی برات اور صفائی کا یقین دلا دیں گے کیونکہ وہ تو کان ہی کان ہیں جو سنتے ہیں فوراً تسلیم کر لیتے ہیں ان کو باتوں میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔ بات یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (بعض اوقات) جھوٹے کا جھوٹ پہچان لیتے تب بھی اس کی پکڑ نہ فرماتے بلکہ اپنے عظیم اخلاق کی وجہ سے چشم پوشی اور مسامحت فرماتے اس پر وہ بے وقوف لوگ سمجھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ کا پتا ہی نہیں لگا، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اگر وہ کان ہی ہیں تو تمہارے بھلے کے واسطے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ سب سے پہلے تم ہی پکڑے جاؤ گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عظیم اخلاق کو دیکھ کر تمہیں ہدایت نصیب ہو جائے کہ وہ کس طرح سے چشم پوشی اور درگزر کا معاملہ فرماتے ہیں۔ باقی تمہاری جھوٹی باتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی اس لئے نہیں ہے کہ انہیں واقعی تمہارا یقین آجاتا ہے، یقین تو ان کو اللہ تعالیٰ پر ہے اور ایمان والوں کی بات پر، ہاں تم میں سے جو ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی اور چشم پوشی ایک طرح کی رحمت ہے کہ فوراً ان کے جھوٹ کو ظاہر کر کے ان کو رسوا نہیں کیا جاتا، باقی منافقین کی یہ بری حرکتیں اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بدگوئی کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "کان" کہہ کر جو ایذاء پہنچاتے ہیں اس پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت سزا کے منتظر رہیں۔ (تسہیل عثمانی)

★★★

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ٦٢،٦٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ

تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو

يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ

راضی کرنا بہت ضروری ہے اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ

رسول کا مقابلہ کرتا ہے تو اس کے واسطے جہنم کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہے گا یہ

الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾

بڑی ذلت ہے۔

خلاصہ

منافقین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں......اور جب جہاد سے پیچھے رہ جاتے ہیں تو پھر اسلامی معاشرے میں اپنی عزت بحال کرنے اور مسلمانوں سے اپنی جان و مال کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کے سامنے اپنی صفائی میں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں......اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان ان سے خوش اور مطمئن رہیں۔ منافق کی نظر میں چونکہ صرف دنیا کا مفاد ہوتا ہے چنانچہ وہ اسی مفاد کو حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو اپنے بارے میں مطمئن رکھنا چاہتے ہیں......اور ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر بتاتے ہیں کہ ہم سچے مؤمن ہیں...... حالانکہ اگر ان میں ایمان ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی رکھنے کی فکر کرتے مگر یہ کم عقل لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار سمجھانے کے باوجود ابھی تک یہ بات بھی نہیں سمجھ سکے کہ آخرت کی ذلت اور رسوائی بہت ہی زیادہ سخت ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا وہ اس رسوائی میں ضرور گرفتار ہوگا...... اگر منافقین اس یقینی بات کو سمجھتے تو وہ سب سے پہلے ایمان، اخلاص اور اطاعت کے ذریعے اس بڑی رسوائی سے بچنے کی کوشش کرتے۔

آیت کا موضوع

اعلم ان المقصود من هذه الآية ايضا شرح احوال المنافقين الذين تخلفوا عن غزوة تبوك

یعنی اس آیت میں بھی ان منافقین کے احوال کا بیان ہے جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ (تفسیر کبیر)

جہاد چھوڑ کر گھر بیٹھ رہنے والے منافق کیسے ہوتے ہیں؟ یہ لوگ جہاد میں کیوں نہیں نکلتے؟ ان کے دلوں میں کون کون سی بیماریاں ہوتی ہیں؟ ان آیات میں یہی تمام باتیں سمجھائی جارہی ہیں۔ یہاں بتایا گیا کہ ان ظالموں پر بس دنیا کی عزت وذلت کا بھوت سوار ہوتا ہے، آخرت کے بڑے عذاب کی یہ ذرہ برابر فکر نہیں رکھتے، اس لئے مسلمانوں کو تو کسی حد تک راضی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کو راضی رکھنے کا ان کو خیال نہیں آتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شانِ نزول

ان آیات کے شان نزول میں دونوں طرح کے اقوال ہیں کہ...... ان منافقین کا جھوٹی قسمیں کھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کے بعد ہوتا تھا یا جہاد میں پیچھے رہ جانے کے بعد۔

قیل: ھذا بناء علی ما تقدم یعنی یؤذون النبی ویسیئون القول فیه ثم یحلفون لکم وقیل نزلت فی رھط من المنافقین تخلفوا عن غزوة تبوك۔ (تفسیرکبیر)

احمق لوگ

"یہ لوگ اس درجہ احمق بن گئے ہیں کہ مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے اپنی ہر کوشش صرف کردیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا مندی کی پروا تک نہیں کرتے۔ حالانکہ اصل چیز وہی تھی۔" (تفسیر الفرقان)

اپنا بچاؤ، اپنی لیڈری

ہر زمانے میں منافقین کا یہی طرز عمل رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی کھلم کھلا مخالفت کرتے ہیں مگر مسلمانوں کے درمیان قسمیں کھا کھا کر خود کو مسلمان بتاتے ہیں تاکہ اسلامی معاشرے میں ان کی عزت ہو، وہ محفوظ رہیں اور ہوسکے تو مسلمانوں کے لیڈر بھی کہلائیں۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی یا ہم فلاں غزوہ میں فلاں عذر سے نہ جاسکے تاکہ تم کو راضی کرلیں جس میں جان و مال محفوظ رہے۔ (بیان القرآن)

علامہ آلوسیؒ نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ جن روایات میں آیا ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے قسمیں کھاتے تھے تو وہاں بھی مقصد یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا سے خود کو بچانے کے لیے ایسا کرتے تھے اور ان کی نیت اپنے ایمان اور اخلاص کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو راضی کرنے کی نہیں ہوتی تھی۔

بار بار کی تعلیم کے باوجود یہ لوگ نہ سمجھ سکے

قرآن پاک کے الفاظ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا سے حضرات مفسرین نے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ یہ منافق ایسے بدنصیب اور ایسے ڈھیٹ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار تعلیم کے باوجود یہ بات نہ سمجھ سکے کہ اللہ، رسول کی مخالفت کا نتیجہ آخرت کا رسوا کن عذاب ہے۔

قال اهل المعاني: قوله الم تعلم خطاب لمن حاول الانسان تعليمه مدة وبالغ في ذلك التعليم ثم انه لم يعلم فيقال له: الم تعلم بعد هذه الساعات الطويلة والمدة المديدة وانما حسن ذلك لانه طال مكث رسول الله صلى الله عليه وسلم وكثرت نهاياته للتحذير عن معصية الله والترغيب في طاعته (تفسیر کبیر)

رسوائی ملی وہ بھی بڑی

ذٰلِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ: یعنی جس رسوائی سے بچنے کے لیے نفاق اختیار کیا ہے اس سے بڑی رسوائی یہ (آخرت کی رسوائی) ہے۔ (عثمانی)

کلام برکت

”کسی وقت حضرت ان کی دغابازی پکڑتے تو مسلمانوں کے روبرو قسمیں کھاتے کہ ہمارے دل میں بری نیت نہ تھی تا (کہ) ان کو راضی کر کر اپنی طرف کریں (انہوں نے یہ) نہ جانا کہ یہ فریب بازی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (یعنی سامنے) کام نہیں آتی۔“ (موضح القرآن)

عجیب نکتہ

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے یہ عجیب نکتہ بھی معلوم ہوا کہ منافقین اپنی ان جھوٹی قسموں کے ذریعے مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ انہیں اپنے ساتھ ملالیں اور انہیں اسلام کے مرکز سے کاٹ دیں...... اور منافقین ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے آئے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر اللہ تعالیٰ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی جماعت سے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۶۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ

منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورۃ نازل ہو جو انہیں وہ بتادے جو منافقوں کے

قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

دل میں ہے کہہ دو ہنسی کیے جاؤ جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے ضرور ظاہر کر دے گا

خلاصہ

منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو اپنے بارے میں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر انہیں اس بات سے ڈر لگا رہتا تھا کہ قرآن پاک کی کوئی سورۃ ان کے بارے میں نازل ہو کر ان کے نفاق اور خفیہ ارادوں کو ظاہر نہ کر دے تو فرمایا گیا کہ ان سے کہہ دیا جائے ٹھیک ہے تم ٹھٹھے کر لو اللہ تعالیٰ کھولنے والا ہے وہ چیز جس کا تم کو ڈر ہے۔

الغرض منافقوں کو کسی حالت میں سکون نصیب نہیں ہوتا وہ اپنی بزدلی اور حبّ دنیا کی وجہ سے ہر وقت ہر کسی سے ڈرتے رہتے ہیں۔

منافقوں کو رسوا کرنے والی سورۃ

”منافقوں کی شرارتیں جاری رہتی تھیں، ان میں سے جو لوگ غزوۂ تبوک کے لیے جانے والے مسلمانوں کے ساتھ سفر میں چلے گئے تھے (جن میں اہل نفاق کے لیے جاسوسی کرنے والے بھی تھے) انہوں نے طرح طرح سے تکلیفیں دیں اور برے منصوبے بنائے، منافقین کی عادت تھی کہ آپس میں مل کر اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی انہیں یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ قرآن میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ہمارے دلوں کی باتوں کو کھول دے، ان کی نیتوں، باتوں اور ارادوں کو سورۂ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ اس سورۃ کا ایک نام ”سورۃ الفاضحہ“ بھی ہے کیونکہ اس میں منافقوں کے بھیدوں اور حالوں کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ منافقین آپس میں چپکے چپکے اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور رسوائی سے ڈرتے بھی رہتے تھے لیکن بے ہودگیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قُلِ اسْتَهْزِءُوْا تم مذاق بنالو“۔ (انوار البیان)

رازوں کو کھود کر نکالنے والی

وقال الحسن: كان المسلمون يسمّون هذه السورة الحفّارة لانها حفرت مافي قلوب المنافقين فأظهرته

یعنی حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان اس سورۃ توبہ کو الحفّارۃ یعنی خوب کھودنے والی کہا کرتے تھے کیونکہ اس نے منافقین کے دلوں کی باتوں کو کھود کھود کر ظاہر کر دیا۔ (القرطبی)

منافقین سہمے رہتے تھے

”منافقین اس بات کا خیال کر کے کہ ان کے مکر و فریب کا تار و پود بکھیرا جا رہا ہے، سہمے جاتے تھے۔ قرآن حکیم میں اعلیٰ ترین اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور اس لئے ارباب نفاق کے نام معین کر کے نہیں بتائے گئے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی تو کسی طرح مناسب نہ تھا کہ ان مخالفین کی خطرناک کارروائیوں پر بالکل پردہ ڈال دیا جاتا، لہٰذا قرآن حکیم نے حسب موقع مؤمنین کو اس خبیث جماعت کی طرف سے ہوشیار کرنے میں ذرہ برابر کمی نہیں کی، ایک جگہ آتا ہے:

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ الآیۃ

ترجمہ: اور وہ لوگ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تم کو ایسے کلمہ سے دعاء دیتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے تم کو دعاء نہیں دی اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اس کلمہ پر جو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم کو عذاب کیوں نہیں دیتا، ان کو جہنم کافی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے پس وہ بری جگہ ہے“۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ الآیۃ

ترجمہ: وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے کیا وہ خیال رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے کینوں کو ہرگز ظاہر نہیں کرے گا اور اگر ہم چاہیں تو تم کو وہ لوگ دکھا دیں پس تم ان کے چہرے سے پہچان لو اور طرز کلام میں تم ضرور ان کو پہچان لو گے۔ (تفسیر الفرقان)

یہ تقریر تفسیر ابن کثیر کے مطابق ہے۔

فائدہ

تفسیر مظہری میں بغوی کے حوالے سے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں ان بارہ منافقین کا واقعہ لکھا ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ پر حملہ کرنے کی سازش کی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نام بتا دیئے۔ ملاحظہ فرمائیے تفسیر مظہری۔ اور امام قرطبیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستر منافقین کے نام بتا دیئے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے تفسیر قرطبی۔

☆☆☆

سُورَةُ التَّوبَة مَدَنِيَّة آیت ۶۵،۶۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ

اور اگر تم ان سے دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے کہہ دو کیا اللہ تعالیٰ سے

وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ

اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم ہنسی کرتے تھے۔ بہانے مت بناؤ ایمان لانے کے

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ۢ

بعد تم کافر ہوگئے اگر ہم تم میں سے بعض کو معاف کردیں گے تو بعض کو عذاب بھی دیں گے

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

کیونکہ وہ گناہ کرتے رہے ہیں

خلاصہ

اگر ان منافقوں کو ان کے استہزاء (یعنی مذاق اڑانے) پر ٹوکا جائے تو کہتے ہیں کہ ہم تو محض مذاق اور دل لگی کر رہے تھے، اور ہم نے سچے دل سے کوئی اعتراض نہیں کیا تو ان سے کہہ دو کہ کیا مذاق کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتیں اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمہیں نظر آیا؟ اب زیادہ بہانے نہ بناؤ تم خود کو مسلمان ظاہر کرنے کے بعد پھر دین کی توہین کر کے اپنے کفر کا ثبوت دے چکے ہو، اب تمہیں اپنے جرائم کی سزا ضرور ملے گی ہاں جو سچے دل سے توبہ کر کے اپنے جرائم سے باز آجائیں گے انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

شانِ نزول و مختصر تفسیر

یہ آیت بھی غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی، منافقین ہمیشہ سے جہاد کا مذاق اڑاتے چلے آئے ہیں اور وہ ہمیشہ سے کافروں کو بہت طاقتور اور ناقابل شکست سمجھتے ہیں، غزوۂ تبوک کے سفر میں بعض منافق بھی مسلمانوں کے ساتھ نکل پڑے تھے، انہوں نے راستے میں دین کا، جہاد کا اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔ اس بارے میں کئی واقعات حضرات مفسرین نے لکھے ہیں ان سب کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔

”تبوک میں جاتے ہوئے بعض منافقین نے ازراہ تمسخر یعنی (مذاق اڑانے کے طور پر) کہا اس شخص (حضرت محمد ﷺ) کو دیکھو کہ شام کے محلات اور روم کے شہروں کو فتح کرنے کا خواب دیکھتا ہے۔ انہوں نے رومیوں کی جنگ کو عربوں کی باہمی جنگ پر قیاس کر رکھا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ کل ہم سب رومیوں کے سامنے رسیوں میں بندھے

ہوئے کھڑے ہوں گے۔ یہ ہمارے قرآن پڑھنے والے (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) پیٹو (یعنی زیادہ کھانے والے) جھوٹے اور بزدل لوگ روم کی باقاعدہ فوجوں سے کیا لڑیں گے۔ وغیر ذلک من الھفوات

ان کی یہ باتیں جو وہ مسلمانوں کو رومیوں سے مرعوب اور خوفزدہ کرنے کے لیے اور ان کے دلوں کو کمزور کرنے کے لیے کہہ رہے تھے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئیں۔ آپ ﷺ نے بلا کر ان سے پوچھا تو کہنے لگے حضرت! ہم نے سچے دل سے یہ باتیں نہیں کیں، ہم تو محض گپ شپ اور دل لگی کے طور پر کچھ کہہ رہے تھے تاکہ ان باتوں میں سفر آسانی کٹ جائے۔ (ان سے کہہ دیجئے) کیا دل لگی اور گپ شپ کا موقع اور محل یہ ہے کہ اللہ، رسول اور ان کے احکام کا مذاق اڑایا جائے؟ اللہ، رسول کا استہزاء اور احکام الٰہیہ کی توہین تو وہ چیز ہے کہ اگر صرف زبان سے دل لگی کے طور پر کی جائے تو وہ بھی کفرِ عظیم ہے، چہ جائیکہ منافقین کی طرح ازراہِ شرارت وبدباطنی ایسی حرکت سرزد ہو۔ اب جھوٹے بہانے تراشنے اور حیلے حوالوں سے کچھ فائدہ نہیں، جن کو نفاق واستہزاء کی سزا ملنی ہے مل کر رہے گی، ہاں اب بھی جو سچے دل سے توبہ کر کے اپنے جرائم سے باز آجائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا۔ (تسہیل عثمانی)

وقال قتادة: فبينما النبی صلی اللہ عليه وسلم فی غزوة تبوك وركب من المنافقين يسيرون بين يديه فقالوا يظن هذا ان يفتح قصور الروم وحصونها هيهات هيهات فاطلع الله نبيه صلى الله عليه وسلم على ما قالوا فقال على بهؤلآء النفر فدعاهم فقال قلتم كذا و كذا فحلفوا ماكنا الآ نخوض ونلعب۔ (ابن كثير)

دین کا مذاق اڑانا کفر ہے

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

انّ الاستهزاء بالدين كيف كان كفر بالله (تفسیر کبیر)

علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ جو دین محمدی کے ساتھ تمسخر کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر حقانی)

آج کل کے شعراء اور ادیب توجہ کریں

تفسیر ماجدی میں ہے:

(منافق کہا کرتے تھے ہم تو یوں ہی بات چیت اور ہنسی مذاق کر رہے تھے) یہ عذر آج بھی کتنا چلا ہوا ہے، شعر وادب کے پردے میں کیسی گستاخی اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت اور اس کے فرشتوں اور حوروں کے ساتھ اٹھ رہی ہے اور جواب ہر مرتبہ یہی ملتا ہے کہ یہ تو محض شعری اور ادبی دلچسپیوں کے لیے تھا، کہیں واقعی مذہب پر تعریض تھوڑے ہی منظور تھی (ان منافقین کو جواب دیا گیا کہ) یعنی بالفرض تمہاری غرض محض تھوڑی دیر کے لیے خوش طبعی ہی تھی، جب بھی یہ تو سوچا ہوتا کہ استہزاء کن چیزوں سے کر رہے ہو، اللہ سے؟ اس کے احکام سے؟ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سے؟ یہ چیزیں محل استہزاء کسی صورت میں بھی ہو سکتی ہیں؟ آج کے ادیب اور شاعر ایک دو نہیں صدہا کی تعداد میں ذرا ان پہلوؤں کو بھی سوچ رکھیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حکم شرعی کے اعتبار سے استہزاء (یعنی مذاق اڑانے) کی یہ تینوں قسمیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ استہزاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء) برابر ہیں۔

دلّ علی ان الاستھزاء بایات اللّٰہ وبشیء من شرائع دینه کفر فاعله (جصاص)

فقہاء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کلمۂ کفر خواہ قصد اور سنجیدگی سے ادا کیا جائے، خواہ محض ایک لطیفہ و خوش طبعی کے طور پر حکم شرعی کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، اس لئے کہ قرآن نے ان کے لہو و لعب کو بالکل مسترد کر دیا اور حکمِ کفر ان پر باقی رکھا...... ہاں حالتِ جبر و اکراہ کا حکم اس سے الگ ہے۔

فیه الدلالة علی ان اللاعب والجاد سواء فی اظهار کلمة الکفر علیٰ غیر وجه الاکراه. (جصاص) (تفسیر ماجدی)

کافروں کی طاقت سے مرعوب رہنا منافقین کا مستقل شیوہ ہے

منافق اسلام کی حقانیت کو نہیں مانتا اور جہاد میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے نازل ہونے کو بھی وہ نہیں مانتا اس لئے ہر زمانے میں وہ جہاد کو ناممکن سمجھتا ہے کیونکہ اسے کافروں کی طاقت ہمیشہ بہت بڑی اور ناقابل شکست نظر آتی ہے۔ اُس زمانے کا منافق روم اور فارس کی طاقت کو اُسی نظر سے دیکھتا تھا جس نظر سے آج کے لوگ امریکہ، یورپ اور روس کو دیکھتے ہیں۔ منافق کے نزدیک کل بھی جہاد ناممکن تھا اور آج بھی جہاد ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ نفاق اور اہلِ نفاق سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے آمین۔

تذکرہ ایک خوش نصیب کا

ان آیات کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے ایک خوش نصیب انسان کا تذکرہ کیا ہے ان کا نام تھا "مَخشِيّ بن حُمَيِّرٍ الأشجعيّ"

غزوۂ تبوک میں جاتے وقت جن تین افراد نے غلط باتیں کی تھیں یہ بھی ان میں سے ایک تھے مگر روایات میں آیا ہے کہ انہوں نے خود تو کوئی بات نہیں کی تھی مگر باقی دو منافقوں کی باتیں سنی تھیں اور ان باتوں پر ہنسے تھے، پھر ان کو بہت ندامت ہوئی اور انہوں نے سچے دل سے توبہ کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا اور میرے والد کا نام تبدیل فرما دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام "عبداللہ بن عبدالرحمٰن" رکھ دیا۔ یہ مخلص صحابی جب اس آیت کو پڑھتے تو بہت نادم ہوتے اور یہ دعاء کرتے کہ یا اللہ مجھے اپنے راستے کی ایسی شہادت نصیب فرما کہ کسی کو میرا پتہ ہی نہ چلے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں نے غسل دیا، میں نے کفن دیا، میں نے دفن کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کی توبہ قبول فرمائی اسی طرح ان کی دعاء بھی قبول فرمائی اور وہ "جنگ یمامہ" میں شہید ہوئے اور کسی کو ان کا

کچھ پتا نہ چلا۔ (روح المعانی، مظہری، قرۃ العینین)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

كانوا ثلاثة نفر هزىء اثنان وضحك واحد فالمعفوّ عنه هو الذى ضحك ولم يتكلم

یعنی مذاق اڑانے والے کل تین افراد تھے، دو نے مذاق اڑایا تھا اور تیسرا ہنسا تھا آیت کریمہ میں جس کے لیے معافی کا تذکرہ ہے یہ وہ ہے جو صرف ہنسا تھا اور اس نے خود کوئی بات نہیں کی تھی۔ (القرطبی)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

انه استشهد باليمامه، وكان تاب وسمّى عبدالرحمٰن فدعا الله ان يقتل شهيدا ولا يعلم بقبره واختلف هل كان منافقا او مسلمًا فقيل كان منافقا ثم تاب توبة نصوحا وقيل: كان مسلما الّا انه سمع المنافقين فضحك لهم ولم ينكر عليهم.

یعنی وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے انہوں نے توبہ کرلی تھی اور ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ انہیں شہادت نصیب ہو اور ان کی قبر کا پتا نہ چلے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس واقعہ کے وقت وہ مسلمان تھے یا منافق ایک قول یہ ہے کہ وہ منافق تھے پھر انہوں نے سچی توبہ کرلی جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مسلمان تھے مگر انہوں نے منافقوں کی بات سن لی اور انہیں روکا نہیں بلکہ ان کی بات پر ہنسے تھے۔ (القرطبی)" اور "اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ" کے مصداق میں مخشی بن حمیر کا ذکر روایات میں آیا ہے اور طائفہ کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اس لئے کوئی اشکال نہیں" کذا فی الروح۔ (بیان القرآن)

شہادت کا اعلیٰ مقام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے حضرات صحابہ کرام شہادت کے بلند مقام کو خوب سمجھتے تھے اور وہ جان گئے تھے کہ شہادت بڑے سے بڑے گناہ کا کفارہ اور توبہ کی تکمیل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

ان آیات میں جن منافقین کا ذکر ہے انہوں نے جہاد کا اور جہاد کو بنیاد بنا کر دین کا مذاق اڑایا تھا آج کل خود کو روشن خیال اور سیکولر کہلانے والے افراد بھی جہاد کا اور جہاد کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کا اور دین کا مذاق اڑاتے ہیں نیز ان آیات کے شان نزول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد کا مذاق اڑانا دین کا مذاق اڑانا ہے اور دین کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

سُورَةُ التَّوبَة مَدَنِيَّة آیت ۶۷،۶۸

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں برے کاموں کا حکم کرتے ہیں

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا

اور نیک کاموں سے منع کرتے ہیں اور ہاتھ بند کیے رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے

اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ

سو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا بے شک منافق وہی نافرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ

منافق عورتوں اور کافروں کو جہنم کی آگ کا وعدہ دیا ہے پڑے رہیں گے اس میں وہی انہیں کافی ہے

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۶۸ۙ

اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

خلاصہ

❶ منافق مرد اور عورتیں خود کو مسلمان کہتے ہیں اور قسمیں کھا کر مسلمانوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے منافق مرد اور عورتیں آپس میں ایک ہیں اور ان کا اسلامی برادری سے کوئی تعلق اور رشتہ نہیں ہے۔

❷ منافق مرد اور عورتیں اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے وہ کفر کے حامی اور اسلام و جہاد کے مخالف ہیں اور وہ مال کے لالچی ہیں، مسلمان ان سے ہوشیار رہیں۔

❸ سب سے بڑے نافرمان یہی منافق ہیں جن کے مرد اور عورتیں اسلام کا زبانی اقرار کرنے کے باوجود دن رات اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ہر قسم کے حیلے اور فریب کر کے لوگوں کو اچھی باتوں سے بیزار اور برے کاموں پر آمادہ کریں (یعنی مسلمانوں میں ہر برائی پھیلا دیں اور ہر نیکی کو کمزور کر دیں) اور (دین کے لیے اور جہاد کے لئے) خرچ کرنے کے اصلی موقعوں پر مٹھی بند رکھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کلمہ تو اسلام کا پڑھتے رہیں لیکن نہ ان کی زبان سے کسی کو بھلائی پہنچے نہ مال سے، جب یہ اللہ تعالیٰ کو ایسا چھوڑ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو چھوڑ دیا...... اور اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان کے لیے اور کافروں کے لیے جہنم کے دائمی عذاب کا وعدہ کیا اور دنیا آخرت میں ان کو لعنت کا مستحق بنا دیا۔

ایک فکر انگیز عبارت

”اتحادِ مقصد (یعنی مقصد کے ایک ہونے) کے اعتبار سے منافق مرد و عورت یکساں ہیں کہ دونوں کی غرض مسلمانوں کو مرکزی قوت کی حفاظت اور فریضۂ جہاد سے روکنا ہے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے انہیں بڑی ہی سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے، انہوں نے ان فرائض کو فراموش کر دیا ہے جو ان کے لیے زندگی بخش تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اب ان چیزوں کو مفید سمجھ رہے ہیں جو ان کے لیے مضرت کا باعث ہیں، انہوں نے عین ضرورت کے وقت اسلام کی مدد نہ کی پس اللہ تعالیٰ بھی عین ضرورت کے وقت ان کی حاجت روائی نہ کرے گا...... جو لوگ حفاظت اسلام کا خیال ترک کر دیں، جہاد فی سبیل اللہ سے نفرت کریں اور محض زبانی دعویٰ اسلام کرتے پھریں، ان میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں رہتا جو اسلام کی جانب رخ تک نہ کریں۔“ (تفسیر الفرقان)

جہاد سے نفرت منافق کی نشانی

منافق مرد اور عورتیں مسلمانوں کے لیے بے حد خطرناک ہیں قرآن پاک مسلمانوں کو متنبہ اور ہوشیار کرتا ہے کہ ان اصل نافرمان لوگوں سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے کیونکہ یہ ہر نیکی کے دشمن اور ہر برائی کے حامی ہوتے ہیں اور یہ اپنا پورا زور لگا کر مسلمانوں میں برائیوں کو پھیلاتے ہیں اور ان کی خاص نشانی جہاد سے نفرت ہے کہ ان میں سے ہر کوئی جہاد سے بے حد نفرت کرتا ہے حالانکہ جہاد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ایک معروف یعنی نیکی ہے۔ مغرب کی سرپرستی میں چلنے والی این جی اوز کے طرزِ عمل کو ایک نظر ملاحظہ فرما لیجئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

منافق جہاد سے روکتے ہیں

”وینھون عن المعروف اور اچھے کاموں سے روکتے ہیں یعنی ایمان اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں گرمی میں جہاد کو نہ نکلو“۔ (تفسیر مظہری)

یعنی کوئی بھی بات بنا کر جہاد سے روکتے ہیں جیسے غزوۂ تبوک کے موقع پر گرمی کا بہانہ بنا کر روک رہے تھے۔

ہاتھ روکنے کا مطلب جہاد چھوڑنا بھی ہے

فرمایا گیا کہ منافق اپنے ہاتھوں کو روکتے ہیں وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ جہاد میں نہیں نکلتے۔

وقبض ایدیھم عبارۃ عن ترک الجھاد. (القرطبی)

اور ہاتھ روکنے کا مطلب ہے کہ جہاد چھوڑنا کہ وہ جہاد نہیں کرتے۔

وقال ابن زید وعن الجھاد وحمل السلاح فی قتال الاعداء (البحر المحیط)

یعنی ابن زید فرماتے ہیں کہ وہ جہاد کرنے سے اور دشمنوں سے قتال کرنے میں اسلحہ اٹھانے سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھتے ہیں۔

ویدخل فیه ترک الانفاق فی الجهاد ونبّه بذلک علیٰ تخلفهم عن الجهاد. (تفسیر کبیر)
یعنی ہاتھ روکنے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ جہاد میں مال خرچ نہیں کرتے اور اس جملہ سے ان کے ترک جہاد کو بیان کیا گیا ہے۔

منافق دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں

"ھِیَ حَسْبُھُمْ یہ آگ ان کے لیے کافی ہوگی۔ یہ کلمہ بطور توبیخ ہے۔ وہ چونکہ دنیا ہی کو اپنے لئے سب کچھ سمجھتے ہیں اسلئے فرمایا کہ دنیا تو ختم ہو جائے گی اب جہنم کی آگ ہی ان کے لیے سب کچھ ہوگی۔" (انوار البیان)

آج کل کے روشن خیال

آج کل جو لوگ خود کو روشن خیال کہتے ہیں ان کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ دنیا کی ہر برائی مسلمانوں میں عام ہو جائے، یہ لوگ این جی اوز اور طرح طرح کے ادارے بنا کر مسلمانوں میں بے حیائی، بے پردگی اور بے راہ روی کو فروغ دیتے ہیں۔ یہ لوگ جہاد کے سخت مخالف اور دشمن ہیں اور مال کے بے حد حریص اور لالچی۔ ان کے نزدیک بھی دنیا اور یہاں کا عیش و آرام سب کچھ ہے۔ مگر ان تمام خصلتوں کے باوجود ان کا اصرار ہے کہ وہ اچھے مسلمان ہیں۔

واللہ المستعان وھو اعلم بالصواب

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۶۹ تا ۷۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ

جس طرح تم سے پہلے لوگ تم سے طاقت میں زیادہ تھے اورر مال اور اولاد میں بھی

اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا

زیادہ تھے پھر وہ اپنے حصہ سے فائدہ اٹھا گئے اور تم نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسے

اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا

تم سے پہلے لوگ اپنے حصہ سے فائدہ اٹھا گئے اور تم بھی انہیں کی سی چال چلتے ہو

اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے اور وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَ

کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور

قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

ابراہیم کی قوم اور مدین والوں کی اور ان بستیوں کی خبر جو الٹ دی گئی تھیں ان کے پاس ان کے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

صاف احکام لے کر پہنچے سو اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

خلاصہ

منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے دل میں کفر چھپا کر اور جہاد میں نہ جا کر بڑا فائدہ حاصل کرلیا ہے اور وہ مزے میں ہیں کہ کافروں سے بھی یاری رکھتے ہیں اور خود کو مسلمان بتا کر مسلمانوں میں بھی گھسے رہتے ہیں اور دنیا کے خوب مزے پاتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ منافق ماضی کے ناکام لوگوں کی طرح ایک بہت بڑے خسارے اور نقصان کی طرف بڑھ رہے ہیں، پس ان کے ظاہری امن اور دنیاوی ٹھاٹھ دیکھ کر کوئی دھوکے میں نہ رہے ماضی کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔

تمہاری شرارت کا نتیجہ بھی یہی نکلے گا

”اے منافقین! تم سے پہلے بڑی بڑی طاقت والے فتنہ انگیز پیدا ہوئے اور دنیا آخرت کا خسارہ پا کر نامراد چلے

گئے، تمہاری شرارت کا نتیجہ بھی یہی نکلے گا، کیا تم نے ان تباہ ہونے والی قوموں کے قصے نہیں سنے؟ جن کی تباہی کا باعث ان کی بداعمالی تھی"۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

منافق مادّی چمک پر گرنے والے

"یعنی جیسا پرانی جاہلی مشرک قوموں کو اپنے جاہ وثروت اور دنیوی ترقیوں پر ناز اور نازِ بے جا رہ چکا ہے، اسی طرح تم بھی آج ظاہری دلفریبیوں اور مادّی چمک دمک پر مٹے ہوئے ہو"۔ (تفسیر ماجدی)

ظاہری عیش اور گناہوں کے انبار

"ظاہری ٹیم ٹام (ٹیپ ٹاپ) کے ساتھ بری عادتوں اور ناپاک خصلتوں میں گھسنے اور در آنے کی مثالیں دیکھنا ہوں تو آج کے مہذب قوموں کے شفاخانوں بمحتاج خانوں، ڈاک خانوں، درس گاہوں کے پہلو بہ پہلو ان کے نشاط خانے، شراب خانے، قمار خانے، ناچ گھر، ان کے نگار خانے، ان کے تھیٹر، ان کے سینما بلکہ ان کے ایک ایک گھر کے بیڈروم (خواب گاہیں) دیکھ لیے جائیں"۔ (تفسیر ماجدی)

کمزور عقیدے کے مسلمان کافروں کے اسی ظاہری ٹھاٹھ اور ان کے اسی عیش وعشرت کو دیکھ کر گمراہ ہوتے ہیں اور جہاد سے منہ موڑ کر نفاق کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ

ترکِ جہاد کا اصل سبب

غزوۂ تبوک کا بیان چل رہا ہے، منافقین نے اس غزوہ کے موقع پر خوب تماشے کیے اور گھر بیٹھے رہے، قرآن پاک نے ان کے راز اور احوال کھول کھول کر بیان فرمائے اور ان آیات میں یہ سمجھایا کہ منافقین یہ سب کچھ ماضی کے کافروں کی طرح دنیا کی محبت میں کر رہے ہیں مگر دنیا تو عارضی اور فانی ہے۔

صاحبِ انوار البیانؒ لکھتے ہیں:

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (الآیۃ) اس میں منافقوں سے خطاب ہے کہ تم لوگ انہی لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے تھے وہ لوگ تم سے بڑھ کر قوت اور طاقت والے اور تم سے زیادہ اموال واولاد والے تھے۔ وہ لوگ اپنے دنیاوی حصہ سے مستفید ہوئے اور تم بھی اپنے دنیاوی حصہ سے مستفید ہوئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگ اپنے حصہ سے مستفید ہوئے، وہ لوگ بھی دنیا ہی میں لگے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا تم لوگ بھی انہی کی راہ پر ہو تم لوگ بھی باطل میں اور برائیوں میں اسی طرح گھس گئے جس طرح تم سے پہلے لوگ گھسے تھے۔ ان کا جو انجام ہوا تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

پھر انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کہ یہ وہ لوگ تھے جن کے اعمال دنیا وآخرت میں بیکار چلے گئے۔ دنیا تھوڑی سی تھی، فانی تھی جو ختم ہوگئی اور جو کچھ ملا وہ بطریق استدراج تھا، انعام واکرام کے طور پر نہ تھا اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کسی کافر کے لیے کوئی نعمت ہے ہی نہیں"۔ (انوار البیان)

مسلمانوں کے لیے تسلی

قوم نوحؑ، عاد، ثمود، قوم ابراہیمؑ، اصحاب مدین اور قوم لوطؑ جس طرح تباہ کردی گئیں اسی طرح یہ اسلام دشمن منافق اور کافر بھی ناکام اور ہلاک ہوں گے اور جس طرح ماضی کے انبیاء علیہم السلام اور ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی اسی طرح اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کی بھی نصرت فرمائے گا، پس یہ منافق جو اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں اپنی تدبیروں میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۷۱،۷۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں نیکی کا

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ

اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں یہی لوگ

سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والے مردوں

وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ

اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا وعدہ دیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں ہمیشہ رہنے

طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

والے ہوں گے اور عمدہ مکانات کا ہمیشگی کے باغوں میں اور اللہ تعالیٰ کی رضا ان سب سے بڑی ہے یہی

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

وہ بڑی کامیابی ہے۔

خلاصہ

❶ مؤمن مرد اور عورتیں آپس میں ایک جماعت ہیں، ایک دوسرے کے معاون، مددگار، حامی اور خیر خواہ ہیں، منافق اور کافر آپس میں ہم مسلک ہیں ان کے مقابلہ میں مؤمنین کی جماعت ہم مشرب ہے جس کا مقصد دین اور خیر کو پھیلانا اور کفر اور برائیوں کو مٹانا ہے۔

❷ مؤمنین کی یہ جماعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہے جس کا اعلیٰ ترین درجہ جہاد ہے۔

❸ مؤمن اور منافق کے درمیان فرق پانچ چیزوں میں ہے: منافق برائی کی دعوت دیتا ہے، نیکی سے روکتا ہے، نماز میں سستی کرتا ہے، زکوٰۃ میں بخل کرتا ہے، جہاد سے پیچھے رہتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ اسے جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیتا ہے تو وہ خود بھی نہیں نکلتا اور دوسروں کو بھی روکتا ہے...... مؤمن اس کے برعکس ہے وہ نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا

ہے، نماز قائم کرتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور جہاد میں نکلتا ہے۔ (البحر المحیط)

۴ منافق دین سے آزاد رہ کر دنیا کا عیش وآرام پاتا ہے مگر مؤمن اپنے دینی فرائض ادا کرنے اور جہاد کرنے کی وجہ سے دنیا میں اپنے بہت سے عیش وآرام کو قربان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے جنت کی لافانی اور عظیم نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی نصیب ہوگی جو سب سے بڑی کامیابی ہے۔

مؤمن آپس میں ایک جسم کی طرح ہیں

تفسیر الفرقان میں ہے:

''مؤمن مرد اور عورتیں آپس میں جسم واحد کی طرح ہیں، حدیث میں آتا ہے:

المؤمن للمومن کالبنیان یشد بعضه بعضا وشبك بین اصابعه (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں ملا کر فرمایا کہ اس طرح سے ایک مسلمان دوسرے کی قوت کا باعث ہوتا ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے:

مثل المؤمنین فی توادّهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمّٰی (مسلم)

باہمی محبت (اور تعاون) کے اعتبار سے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس کو تمام جسم محسوس کرتا ہے۔ یہ لوگ اصولی امور کو ہمیشہ پہلے لیتے ہیں، قرآن کی حفاظت ان کا اوّلین کام ہے جہاد کر کے مرکزی قوت کو کمزور ہونے سے بچاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں عزت عطاء فرمائے گا اور یہ بات اس عزیز و حکیم کے نزدیک کچھ بھی (مشکل) نہیں ہے مگر چونکہ ایک وفادار بندے کے لیے مالک کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے، اس لئے ارشاد ہوا کہ آئندہ تم احکم الحاکمین کی خوشنودی سے ہمیشہ کے لیے سرفراز ہوگے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ حدیث میں آتا ہے:

ان اللہ یقول لا هل الجنة یااهل الجنة! فیقولون لبیك ربنا وسعدیك والخیر فی یدیك فیقول هل رضیتم، فیقولون ربنا ومالنا لا نرضی وقد اعطیتنا ما لم تعطه احدا من خلقك، فیقول الا اعطیکم افضل من ذلك، قالوا یا ربنا وای شی افضل من ذلك، قال احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعده ابدا. (بخاری)

اللہ تعالیٰ اہل جنت سے کہے گا کہ کیا تم راضی ہو، وہ جواب دیں گے کہ ہم کیوں نہ راضی ہوں، یہ نعمتیں (جو ہمیں ملی ہیں یہ) تو اب تک کسی کو بھی نہیں دی گئیں، اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے بھی بہترین چیز عطاء کرتا ہوں اور وہ یہ کہ ہم تم سے راضی ہوگئے اور اب ہم کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گے۔ (تسہیل، تفسیر الفرقان)

مؤمن اور منافق کے درمیان پانچ چیزوں میں فرق

امام ابوحیان الاندلسیؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں مؤمن کی وہ پانچ صفات بیان ہوئی ہیں جن کی بدولت وہ منافقین سے جدا ہوتا ہے۔ وھی الخمسة التی یتمیّز بھا المؤمن علی المنافق

منافق میں درج ذیل پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں:

❶ منافق نیکی سے روکتا ہے اور برائی کی طرف بلاتا ہے	فالمنافق یأمر بالمنکر وینھی عن المعروف
❷ وہ نماز میں سستی کرتا ہے	ولا یقوم الی الصلوٰۃ الّا ھو کسلان
❸ وہ زکوٰۃ ادا کرنے میں بخل کرتا ہے	ویبخل بالزکاۃ
❹ وہ جہاد میں نہیں نکلتا	ویتخلف بنفسه عن الجهاد

❺ اور جب اللہ تعالیٰ (اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو جہاد میں جانے کا حکم دیتے ہیں تو خود بھی نہیں جاتا اور دوسروں کو بھی روکتا ہے۔ | واذا امره الله تثبّط وثبّط غیره......

جبکہ مؤمن اس کے برعکس ہے وہ نیکی کا حکم کرتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور نماز قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور جہاد میں نکلتا ہے۔ اس آیت میں وَ يُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ (کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں) سے مراد جہاد میں نکلنا ہے۔

والمؤمن بضد ذلك كله من الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة والجهاد وهو المراد فی هذه الآیة بقوله ویطیعون الله ورسوله (البحر المحیط)

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

والمنافق اذا امره الله ورسوله بالمسارعة الی الجهاد فانه یتخلف بنفسه ویثبط غیره کما وصفه الله بذلك والمؤمنون بالضد منهم وهو المراد فی هذه الآیة بقوله وَ يُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ

یعنی منافق کو جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں نکلنے کا حکم فرماتے ہیں تو وہ خود بھی نہیں نکلتا اور دوسروں کو بھی روکتا ہے جبکہ مؤمن اس کے برعکس ہے (کہ خود بھی نکلتا ہے اور دوسروں کو بھی دعوت دیتا ہے) اور اس آیت میں وَ يُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ سے یہی مراد ہے۔ (تفسیر کبیر)

نکتہ

پہلے منافقین کی صفات بیان فرمائی گئیں جن سے معلوم ہوا کہ یہ طبقہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے بے حد خطرناک ہے، یہ لوگ منکر یعنی کفر اور برائی کو پھیلانے میں اپنی قوت اور زور خرچ کرتے ہیں اور معروف یعنی اسلام کے

خلاف ہر کوشش صرف کرتے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ آستین میں چھپے ہوئے اس خطرناک فتنے کا مقابلہ کیسے ہوگا؟ یہ تو اندر ہی اندر سے مسلمانوں کو دیمک کی طرح چاٹ جائیں گے،تو ان دو آیات میں فرمایا گیا کہ مسلمان مرد اور عورتیں ایمان کی بنیاد پر ایک جماعت بن کر رہیں اور ایکدوسرے کی مدد کریں اور اس جماعت کے ضروری کام یہ ہوں:

❶ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ❷ اقامت صلوٰۃ ❸ ایتاءِ زکوٰۃ ❹ جہاد فی سبیل اللہ

تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت آئے گی اور وہ اس جماعت کو دنیا میں حفاظت اور عزت عطاء فرمائے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ اور اس جماعت کو جو تکلیفیں پہنچیں گی تو اس کا بدلہ جنت کی لذیذ نعمتوں کے ذریعہ دیا جائے گا اور اللہ پاک ان کو اپنی رضاء کی عظیم الشان نعمت بھی عطاء فرمائے گا۔ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

دو الگ الگ گروہ

مسلمان خود کو منافقین سے الگ رکھیں اور ان کے اثرات کو قبول نہ کریں یہ ان آیات کا ایک اہم مقصد ہے،تفسیر ماجدی میں ہے:

”فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت کی رُو سے ایک مستقل گروہ کافروں اور منافقوں کا قرار پا گیا ہے اور دوسرا مستقل طبقہ اہل ایمان کا۔اس لئے جو سلوک ومحبت مؤمنین کے درمیان آپس میں ثابت اور لازم ہے وہ سلوک ومحبت کفار ومنافقین سے نہیں رکھنی چاہئے اور جو سختی اور شدّت کفار ومنافقین کے ساتھ رکھنا دینی طور پر ضروری ہے وہ سختی مسلمانوں کے ساتھ رکھنا جائز نہیں اور اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ بھی سمجھا ہے کہ کسی مؤمن کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مؤمن کو اپنے قول،عمل یا صرف ارادے سے بھی نقصان پہنچائے“۔(تسہیل ماجدی)

اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی نعمت

”حق تعالیٰ مؤمنین کو جنت میں ہر قسم کی جسمانی وروحانی نعمتیں اور مسرّتیں عطاء فرمائے گا مگر سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہوگی“۔(تفسیر عثمانی)

فائدہ

مسلمانوں کو چاہئے کہ ان دو آیات کو پڑھ کر جنت کی نعمتوں اور وہاں کے بہترین عالی شان محلات کو یاد کریں تاکہ ان کی روح آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہ نفاق سے حفاظت کا بہترین نسخہ ہے،اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور محبت کو یاد کر کے اس کی رضامندی کے مقام کو سوچیں اور تصوّر کریں کہ وہ لمحہ کیسا ہوگا جب محبوب حقیقی خود فرمائے گا کہ اے بندو! میں تم سے راضی ہوں۔تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں ان آیات کے ذیل میں جنت کے عجیب وغریب دلکش احوال کا بیان ہوا ہے شائقین وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

☆☆☆

سُورَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۷۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْھِمْ ط

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے لڑائی کر اور ان پر سختی کر

وَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۳﴾

اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

خلاصہ

(از تفسیر ابن کثیرؒ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور منافقین سے جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ اپنے متبع ایمان والوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ کفار اور منافقین کا ٹھکانہ آخرت میں جہنم کی آگ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار تلواریں دیکر بھیجا گیا:

❶ مشرکین کے لیے تلوار۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ (التوبہ ۵)

❷ اہل کتاب کے لیے تلوار۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّ ھُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ (التوبہ ۲۹)

❸ منافقین کے لیے تلوار۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ (التوبہ ۷۳)

❹ باغیوں کے لیے تلوار۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ (الحجرات ۹)

اس سے معلوم ہوا کہ منافقین سے بھی تلوار کے ساتھ جہاد کیا جائے گا جب وہ اپنے نفاق کا اعلان کر دیں اور یہی ابن جریر کا قول ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ کے بارے میں فرماتے

ہیں کہ منافقین سے جہاد کیا جائے گا ہاتھ سے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو چہرے کی سختی اور درشتی سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف تلوار سے اور منافقین کے خلاف زبان سے جہاد کا حکم دیا اور ان پر ہر طرح کی نرمی سے روک دیا اور ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا مفہوم یہ ہے

جاھد الکفار بالسیف واغلظ علی المنافقین بالکلام وھو مجاھدتھم

یعنی کفار سے تلوار کے ساتھ جہاد کرو اور منافقین پر گفتگو سے سختی کرو

امام مقاتلؒ اور ربیعؒ کا بھی یہی قول ہے (حضرت لاہوریؒ نے بھی اپنے حاشیہ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں: کفار سے جہاد کیجئے اور منافقین کو منہ نہ لگائیے، بلکہ درشتی سے پیش آیئے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

حسن بصریؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ منافقین کا مجاہدہ یہ ہے کہ ان پر حدود کو قائم کیا جائے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان تمام اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ منافقین کے احوال کے مطابق ان کی پکڑ کی جائے گی، کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح۔ واللہ اعلم بالصواب (تفسیر ابن کثیر)

وہ منافق جن سے قتال کا حکم ہے

قرآن پاک سورۃ النساء کی آیت ۸۹ میں منافقین کی ایک خاص قسم کا بیان ہے جن کے خلاف مسلمانوں کو قتال کا حکم دیا گیا ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (النساء ۸۹)

چنانچہ بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت میں بھی جہاد کا لفظ اپنے اصلی شرعی معنیٰ میں ہے اور کفار و منافقین دونوں سے قتال کا حکم ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اگر منافقین کا نفاق بالکل عیاں ہو جائے تو ان پر بھی جہاد بالسیف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

منافقین کے خلاف قتال نہیں ہے

اکثر مفسرین کرام کی رائے یہ ہے کہ منافقین کے خلاف قتال نہیں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود ان کے خلاف قتال نہیں فرمایا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آیت سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ کفار و منافقین کے خلاف جہاد لازم ہے۔ مگر اس جہاد کی کیفیت کیا ہو گی تو دلائل سے ثابت ہوا کہ کفار کے خلاف تلوار سے جہاد لازم ہے جبکہ منافقین کے خلاف کبھی اتمام حجت سے، کبھی نرمی نہ کرنے سے اور کبھی انہیں جھڑکنے سے۔

فنقول ان الآیة تدل علی وجوب الجھاد مع الفریقین فاما کیفیة تلک المجاھدة فلفظ الآیة لایدل علیھا بل انما یعرف من دلیل آخر واذا ثبت ھذا فنقول: دلت الدلائل المنفصلة علی المجاھدة مع الکفار یجب ان تکون بالسیف، ومع المنافقین باظھار الحجة تارة وبترک الرفق ثانیا، وبالانتھار ثالثا. (تفسیر کبیر)

قرآن پاک میں اس کی نظیر موجود ہے کہ ایک ہی صیغہ کے ساتھ استعمال ہونے والے لفظ کے ایک ہی وقت میں دو الگ الگ معنیٰ ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ الآية (الاحزاب)

یہاں يُصَلُّونَ کا لفظ دو معنیٰ میں آیا ہے اور دونوں ایک ہی وقت میں مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ بھیجنا اور ہے اور فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا اور ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک عجیب نکتہ

حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ منافقین کے خلاف بھی جہاد بالسیف ہو مگر دیگر دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کے خلاف جہاد بالسیف نہیں ہے۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

وفی الآیة سؤال وهو انّ الآیة تدل علی وجوب مجاهدة المنافقین وذلك غیر جائز فان المنافق هو الذی یستر کفره وینکره بلسانه ومتی کان الامر کذلك لم یجز محاربته ومجاهدته

یعنی آیت پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ اس آیت کا ظاہر تو منافقین سے جنگ کے وجوب پر دلالت کرتا ہے حالانکہ منافقین کے ساتھ جنگ جائز نہیں ہے کیونکہ ان کا کفر دل میں چھپا ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

ظاهره یقتضی مقاتلة المنافقین وهم غیر مظهرین للکفر ولا نحکم بالظاهر

یعنی اس آیت کا ظاہر تو یہی سمجھتا ہے کہ منافقین کے خلاف بھی قتال کیا جائے اگرچہ انہوں نے اپنے کفر کا اعلان نہ کیا ہو۔ ہم یہاں آیت کا ظاہری معنیٰ نہیں لیں گے۔ (روح المعانی)

ان دونوں عبارتوں میں ”عجیب نکتہ“ یہ ہے کہ حضرات مفسرین نے ”لفظ جہاد“ کے فوری اور متبادر معنیٰ ”قتال فی سبیل اللہ“ ہی کے لیے ہیں اسی لئے تو وہ فرماتے ہیں کہ آیت کا ظاہر منافقین سے قتال کا تقاضا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاد کے حقیقی اور شرعی معنیٰ قتال فی سبیل اللہ کے آتے ہیں جبکہ جہاد کے لغوی اور مجازی معنیٰ سخت محنت اور کوشش کرنے کے آتے ہیں۔ چنانچہ بعض مفسرین کے نزدیک یہاں جہاد کے لغوی اور مجازی معنیٰ بھی مراد ہو سکتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک کی مکی سورتوں میں جہاد اپنے لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی جہاد اپنے حقیقی اور شرعی معنیٰ میں ہو مگر جہاد کی کیفیت کفار کے لیے الگ ہو اور منافقین کے لیے الگ ہو (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

ارشاد فرمایا گیا کہ کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کرو، اس میں منافقین کے لیے سخت وعید اور تنبیہ بھی ہو سکتی ہے

کہ تمہارے کفر کی وجہ سے حق تو یہی بنتا ہے کہ تم سے بھی کفار کی طرح جہاد کیا جائے یعنی تم سے لڑا جائے۔ اور اس میں مسلمانوں کے لیے بھی یہ سبق ہے کہ منافقین اس قابل نہیں ہیں کہ تم ان سے دوستی کرو بلکہ وہ تو کافروں کی طرح جہاد کے قابل ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ان پر سختی کیجیے

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ اور کفار و منافقین پر سختی کیجیے

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

والمراد خشونة الكلام وتعجيل الانتقام

یعنی مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ سخت کلام کیا جائے اور ان سے جلد انتقام لیا جائے۔ (البحر المحیط)

تفسیر ماجدی میں ہے:

غلظه کا حکم کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں مشترک ہے اور غلظ لغت میں رأفت یعنی نرمی کی ضد ہے، مراد یہ ہے کہ ان کے مقابلے میں نرم نہ پڑیے، مضبوطی سے قائم رہیے۔

الغلظ نقيض الرأفة وهى شدّة القلب (قرطبی) الغلظة ضد الرقة غلظة اى خشونه (راغب)

''آج کے دور دجل و تلبیس میں لفظ ''رواداری'' جس معنیٰ میں چلا ہوا ہے اسلام اس کا ہرگز قائل نہیں، دوستانِ حق سے وہ اس برتاؤ کا حکم دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں، اسی طرح دشمنانِ حق سے بھی اسی سلوک کا جس کے وہ لائق ہیں، انسان مرغیوں اور بکریوں کو اپنے پاس سے کھلا کھلا کر پالتا ہے اور محنت اٹھا اٹھا کر انہیں زندہ رکھتا اور بڑھاتا ہے اور سانپوں اور بچھوؤں کو بلا تامل مار ڈالتا ہے ''عقل'' کی تعلیم یہ ہرگز نہیں کہ جانور جانور سب برابر ہیں اور یکساں ''رواداری'' سے سب کے ساتھ پیش آنا چاہیے''۔ (تفسیر ماجدی)

قتال کا حکم قیامت تک کے لیے ہے

''جَاهِدِ الْكُفَّارَ کافروں کے مقابلہ میں جہاد جنگ و قتال سے ہوگا۔

امر بالجهاد مع الكفار بالسيف (قرطبی، ابن عباس) دلّت الدلائل المنفصلة علىٰ ان المجاهدة مع الكفار يجب ان تكون بالسيف (كبير)

اُس وقت اِس حکمِ جہاد کی تعمیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کی شکل میں کر کے دکھا دی تھی، باقی نفسِ حکم (یعنی کفار کے خلاف قتال کا حکم) قیامت تک ہر دور، ہر عہد کے لیے قائم ہے جب بھی اس کے شرائط پورے ہو جائیں''۔ (ماجدی)

نکتہ

کفر اور نفاق بدترین جرائم ہیں، جب کافروں اور منافقوں کے ساتھ سختی کی جائے گی تو تبھی ان کو احساس ہوگا کہ

ہم غلطی پر ہیں اور پھر ممکن ہے ان کو توبہ کی توفیق مل جائے۔ لیکن اگر مسلمان ان کے ساتھ نرمی کرتے رہے، ان کا اکرام کرتے رہے اور دنیاوی ترقی کی وجہ سے نعوذ باللہ ان کو اپنے سے برتر قرار دیتے رہے تو وہ اپنے کفر پر پکے اور مطمئن رہیں گے اور یہ بات خود ان کے لیے اور ساری انسانیت کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اہم سبق

رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے کے ''منافقین'' کے خلاف ''قتال'' نہیں فرمایا حالانکہ انہوں نے بہت ستایا اور بہت تنگ کیا۔ دراصل اس میں بہت بڑی حکمت تھی۔ اگر مسلمان اپنے علاقے کے منافقین کے ساتھ لڑائی میں مشغول ہو جاتے تو کفار کے خلاف جہاد بند ہو جاتا یا بہت کمزور ہو جاتا اور اسلامی معاشرہ طرح طرح کی تقسیم اور اختلاف کا شکار ہو جاتا۔ چنانچہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے اپنی ساری توجہ کفار کے خلاف جہاد پر مرکوز رکھی اور منافقین پر تلوار نہیں چلائی۔ اس حکمت عملی کی برکت سے اسلام تھوڑے ہی عرصے میں مشرق و مغرب تک پھیل گیا۔

آج بھی مجاہدین کے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ وہ کفار کے خلاف جہاد میں مشغول ہوں اور منافقین کے ساتھ لڑائی میں اپنی توانائیاں ضائع نہ کریں، کافر کمزور ہوں گے تو منافقین خود ختم ہو جائیں گے۔ مگر افسوس کہ آج منافقین کے خلاف جہاد کو زیادہ اہم سمجھا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے امت بہت سے مسائل کا شکار ہے۔

(واللہ المستعان وہو اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۷۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا

اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا اور بے شک انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور مسلمان

بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ

ہونے کے بعد کافر ہوگئے اور انہوں نے قصد کیا تھا ایسی چیز کا جو نہیں پاسکے اور یہ سب کچھ

اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا

اسی کا بدلہ تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے دولت مند کردیا ہے سو اگر وہ توبہ کریں

لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا

تو ان کیلئے بہتر ہے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۷۴

دردناک عذاب دے گا اور انہیں روئے زمین پر کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں ملے گا۔

خلاصہ

منافقین آپس میں بیٹھ کر کفریہ باتیں کرتے تھے مثلاً

❶ جہاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے جو وعدے اللہ تعالیٰ نے فرمائے ان کو جھٹلاتے تھے

❷ وہ کہتے تھے کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سچی ہوں تو ہم گدھوں سے بدتر ہوں گے

❸ ایک موقع پر ان کے سردار نے کہا کہ جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو ہم عزت والے لوگ ان بے عزت مسلمانوں کو نکال دیں گے۔ (نعوذ باللہ)

❹ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں بکتے تھے اور اسلام پر اعتراضات کرتے تھے۔

پھر جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم نے یہ باتیں کیوں کیں؟ تو وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی صفائی پیش کردیتے حالانکہ انہوں نے اسلام کا اظہار کرنے کے بعد کفریہ باتیں بولیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا ارادہ کیا مگر ان کے یہ برے ارادے پورے نہ ہوئے۔ یہ سارا ظلم انہوں نے اس کے باوجود کیا کہ ان پر اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد احسانات تھے۔ اب اگر وہ توبہ کرلیں گے تو ان کے لیے اچھا ہوگا۔ اور اگر توبہ نہیں کریں گے تو دنیا اور آخرت دونوں جگہ دردناک سزائیں ان کی منتظر ہیں اور وہ روئے

زمین پر کسی کو اپنا یار و مددگار نہیں پائیں گے۔

آسان اور جامع تفسیر

حضرات مفسرین نے اس آیت مبارکہ پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمایئے:

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا: منافقین پیچھے بیٹھ کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دین اسلام کی اہانت کرتے، جیسا کہ سورۂ منافقون میں آئے گا۔ جب کوئی مسلمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی باتیں پہنچا دیتا تو اس کی تکذیب کرتے اور قسمیں کھا لیتے کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے مسلمان راویوں کی تصدیق فرمائی کہ بے شک ان منافقین نے وہ باتیں زبان سے نکالی ہیں اور اسلام کا دعویٰ کرنے کے بعد دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ کلمات کہے ہیں جو صرف کافروں کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔

وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا: غزوۂ تبوک سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ پر تشریف لے جا رہے تھے تقریباً بارہ منافقین نے چہرے چھپا کر رات کی تاریکی میں چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ چلائیں اور معاذ اللہ پہاڑی سے گرا دیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حذیفہ رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ تھے عمارؓ کو تو انہوں نے گھیر لیا تھا مگر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مار مار کر ان کی اونٹنیوں کے منہ پھیر دیئے چونکہ وہ اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے، حذیفہؓ وغیرہ نے ان کو نہیں پہچانا۔ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ و عمار رضی اللہ عنہما کو نام بنام ان کے پتے بتا دیئے مگر منع فرما دیا کہ کسی پر ظاہر نہ کریں، اسی واقعہ کی طرف **وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا** میں اشارہ ہے کہ جو ناپاک ارادہ انہوں نے کیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے پورا نہ ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کسی موقع پر لشکر اسلام میں کچھ خانہ جنگی کا ماحول بن گیا تھا، منافقین نے گمراہی پھیلا کر مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اصلاح فرما دی جیسا کہ سورۂ منافقون میں آئے گا۔

وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ: یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے اللہ تعالیٰ نے ان (منافقین کو) دولت مند کر دیا، یہ اپنے قرضوں کے بارے سبکدوش ہوئے، مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہنے کی وجہ سے مال غنیمت سے حصہ ملتا رہا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پیداوار اچھی ہوئی، ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دغا بازی کرنے لگے اور ہر طرح سے پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو ستانے پر کمر باندھ لی۔ اب بھی اگر توبہ کر کے شرارتوں اور احسان فراموشیوں سے باز آ جائیں تو ان کے حق میں بہتر ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں وہ سزا دے گا جس سے بچانے والا روئے زمین پر کوئی نہ ملے گا، بعض روایات میں ہے کہ "جُلاس" نامی ایک شخص یہ آیات سن کر صدق دل سے تائب ہوا اور آئندہ زندگی خدمت اسلام میں قربان کر دی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (عثمانی۔ تسہیل)

فائدہ

وہ بات جس کے بارے میں انہوں نے قسم کھائی کہ ہم نے نہیں کی، کونسی تھی؟ زیادہ مشہور اقوال چار ہیں:

❶ جُلاس بن سوید کی بات کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں

❷ نیلی شیطانی آنکھوں والے ایک منافق اور اس کے ساتھیوں کی گستاخانہ گفتگو

❸ ان منافقین کا باہمی مشورہ کہ تبوک سے واپسی سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) نقصان پہنچایا جائے

❹ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر عبداللہ بن ابی کی یہ بات کہ جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو (نعوذ باللہ) ان بے عزت مسلمانوں کو نکال دیں گے۔ ان تمام اقوال کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے (قرطبی، المدارک، کبیر، ابن کثیر، بیان القرآن)

نیز امام قرطبیؒ نے ان کے "کلمۂ کفر" کے بارے میں چار اقوال ذکر کیے ہیں جن میں سے پہلا قول درج ذیل ہے:

قال النقاش تکذیبھم بما وعداللہ من الفتح

یعنی یہ کفریہ بات یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کو جھٹلاتے تھے جو اس نے مسلمانوں کو فتح دینے کے متعلق نازل فرمائے۔ (القرطبی)

منافقین نے کس چیز کا قصد کیا تھا؟

حضرات مفسرین نے اس میں چار اقوال لکھے ہیں:

❶ انہوں نے غزوہ تبوک کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کو (نعوذ باللہ) نقصان پہنچانے کا قصد کیا تھا مگر ناکام ہوئے

❷ انہوں نے مہاجرین اور انصار کو قومیت کی بنیاد پر لڑانے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے

❸ انہوں نے قصد کیا تھا کہ ہم عزت والے لوگ ان مہاجر مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیں گے مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔

❹ انہوں نے قصد کیا تھا کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) کی تاجپوشی کر کے اس کی سرداری کا اعلان کریں گے مگر وہ اس میں ناکام ہوئے۔ (البحر المحیط)

منافقین کے لیے دنیا میں بھی عذاب الیم

"آخرت میں تو ہر منافق اور ہر کافر کو جہنم کا عذاب ہے ہی، منافقوں کو دنیا میں عذاب الیم کی وعید سنائی گئی اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ بار بار رسوائی ہونا اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کی وقعت نہ ہونا، سب کی نظروں سے گر جانا اور موت کے وقت عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے، چونکہ دنیا میں ان کو قتل نہیں کیا گیا اور ایمان کے ظاہری دعویٰ کی وجہ سے ان کے ساتھ مروّت کا معاملہ کیا جاتا رہا، اس لئے مفسرین نے عذابِ دنیوی کی مذکورہ بالا تفسیر کی ہے"۔ (انوار البیان)

روئے زمین پر ان کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا

منافقین اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار ہو جاتے تو سب کچھ پا لیتے مگر انہوں نے خود کو ''وسیع البنیاد'' اور ''روشن خیال'' قرار دے کر ہر کسی سے جڑنے اور بنا کر رکھنے کی محنت کی۔ انہوں نے دنیا میں امن اور ظاہری ترقی پانے کے لیے کافروں سے بھی تعلقات جوڑے اور خود کو مسلمان کہہ کر اسلامی معاشرے میں شامل ہونے کی بھی کوشش کی اور انہوں نے جہاد کی مخالفت کی تا کہ وہ امن میں رہیں اور کوئی ان کا دشمن نہ ہو مگر ان کے ان تمام اقدامات کا انجام یہ ہوا کہ وہ کسی کے بھی نہ رہے اور ان کو ذلت اور عذاب سے بچانے والا کوئی بھی یار و مددگار نہ ہوا۔ جبکہ حضرات صحابہ کرامؓ نے یکجہتی اختیار کی اور سب سے کٹ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو رہے۔ اللہ پاک نے ان کو دنیا میں زمین کا حکمران اور آخرت میں جنت کا مالک بنا دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۷۵،۷۶،۷۷،۷۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ

اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے دے تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے

وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا

اور نیکوں میں سے ہوجائیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو اس میں بخل کرنے لگے

بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

اور منہ موڑ کر پھر بیٹھے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کردیا

اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا

اس دن تک کیلئے کہ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے اس لیے کہ انہوں نے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا اسے پورا نہ کیا اور اس لیے

يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ

کہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کا بھید اور ان کا مشورہ جانتا ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں جاننے والا ہے۔

خلاصہ

❶ یہ خود کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنے والوں (یعنی جہاد میں نہ نکلنے والوں) کی پانچویں قسم کا بیان ہے جو کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس اسباب اور وسائل ہوں تو ہم ضرور جہاد کریں گے مگر جب اسباب مل جاتے ہیں تو وہ بخل شروع کردیتے ہیں اور مال بنانے ہی میں لگے رہتے ہیں۔ (مفہوم تحقیق حضرت لاہوریؒ)

❷ منافقین اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں اور پھر اس عہد کو پورا نہیں کرتے

❸ منافقین مال کے بے حد حریص اور اس کے حقوق ادا کرنے میں بے حد بخیل ہوتے ہیں

❹ جو منافق اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے اس عہد کو توڑتے ہیں تو ان کا نفاق پکا ہوجاتا ہے اور ان کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی

❺ منافقین کا سارا نظام ان کے دماغ کی سوچوں اور آپس کے خفیہ مشوروں پر چلتا ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے رازوں کو بھی جانتا ہے اور خفیہ مشوروں کو بھی اور اللہ تعالیٰ غیب کی تمام باتوں کو خوب جانتا ہے۔

جہاد سے بچنے والے

تفسیر الفرقان میں ہے:

''اب تک مختلف قسم کے لوگوں کا تذکرہ آ چکا ہے جو جہاد سے بچنا چاہتے ہیں، ان میں سے آخری قسم کے ارباب نفاق یہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے عہد تو کرتے ہیں کہ اگر اس نے انہیں مالا مال کر دیا تو وہ ضرور اس کی راہ میں قربانی کریں گے اور نیک بن جائیں گے لیکن جس وقت ان کو دولت مل گئی تو بخل شروع کر دیتے ہیں، انہوں نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا اور تمام عمر جھوٹ بولنے میں بسر کی، اس جرم کی وجہ سے ان کے دل میں ہمیشہ اس بات کا ڈر رہے گا کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہ کر دے، ظاہر ہے کہ ان کی حرکتیں اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں رہ سکتیں، مسلمان کی تو ہر چیز خدا کے ہاتھ میں بک چکی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ ۱۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے خرید لیا'' (تفسیر الفرقان)

یہ آیت کئی منافقین کے بارے میں نازل ہوئی

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قال الضحاك: ان الآية نزلت فی رجال من المنافقين نبتل بن الحارث وجدّ بن قيس ومعتّب بن قشير

یعنی حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں: یہ آیت چند منافق مردوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کے نام یہ ہیں نبتل بن الحارث، جدّ بن قیس، معتّب بن قشیر۔ (القرطبی)

شانِ نزول کے متعلق ثعلبہ بن حاطب کے مشہور واقعہ کے متعلق قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قلت وثعلبة بدری انصاری وممن شهد اللّٰه له ورسوله بالايمان حسب مايأتی بيانه فی اوّل الممتحنة فما روی عنه غير صحيح قال ابوعمر ولعلّ قول من قال فی ثعلبة انه مانع الزكاة الذی نزلت فيه الآية غير صحيح، واللّٰه اعلم

یعنی ثعلبہ بن حاطب بدری صحابی ہیں چنانچہ ان کے بارے میں یہ کہنا شاید صحیح نہ ہو کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (القرطبی)

اکثر مفسرین حضرات نے آیت کے شانِ نزول میں ثعلبہ بن حاطب کا واقعہ نقل کیا ہے۔ تفسیر قرطبی کے حاشیہ میں اس واقعہ کی سند کو بے حد ضعیف اور متروک قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

آیت کا حکم عام ہے

تفسیر ماجدی میں ہے:

’’شانِ نزول کی روایتوں میں یہاں ایک خاص شخص کا نام لیا گیا ہے لیکن روایاتِ شانِ نزول کا حاصل صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ آیت کا سببِ نزول وہ مخصوص واقعہ تھا، یہ مقصود ہرگز نہیں ہوتا کہ آیت کا حکم یا آیت کی دلالت صرف اس شخص یا واقعہ تک محدود ہے‘‘۔ (تفسیر ماجدی)

اللہ تعالٰی سے وعدہ خلافی کی سزا

’’یعنی خدا سے صریح وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولتے رہنے کی سزا میں ان کے بخل واعراض کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لیے نفاق کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہوگئی جو موت تک نکلنے والی نہیں اور یہ ہی ’’سنۃ اللہ‘‘ ہے کہ جب کوئی شخص اچھی یا بری خصلت خود اختیار کر لیتا ہے تو کثرتِ مزاولت وممارست (یعنی اس پر زیادہ عمل کرنے) سے وہ دائمی بن جاتی ہے، بری خصلت کے اسی دوام واستحکام کو کبھی کبھی ختم وطبع (مہر لگانے) سے تعبیر کر دیتے ہیں‘‘۔ (تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۷۹ تا ۸۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ

وہ لوگ جو ان مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ

اور جو لوگ اپنی محنت کے سوا طاقت نہیں رکھتے پھر ان پر ٹھٹھا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان

سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا

سے ٹھٹھا کرتا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ تو ان کے لئے بخشش مانگ یا

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ

نہ مانگ اگر تو ان کیلئے ستر دفعہ بھی بخشش مانگے گا تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں

يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَ

بخشے گا یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور

اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ ع

اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔

خلاصہ

❶ جو مسلمان جہاد میں اپنا مال تھوڑا یا زیادہ خرچ کرتے تھے منافقین ان پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو اس مذاق اڑانے پر سخت سزا دے گا اور یہ منافقین دردناک عذاب میں جلیں گے۔ ❷ ان کافر اور نافرمان منافقین کے لیے اگر رسول اللہ ﷺ بھی استغفار فرمائیں تو ان کی بخشش نہیں ہوگی۔

دوسروں کی نیکی بھی برداشت نہیں

''یہ منافقین خود تو نیکی کر نہیں سکتے اور دوسرے نیکی کرنے والے مسکینوں پر استہزاء کرتے ہیں...... چونکہ یہ نالائق خود اپنی اصلاح کے لیے تیار نہیں اس لئے حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے انہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے''۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

مسلمانوں کی ترقی کے دشمن

جہاد میں خرچ کرنے سے مسلمانوں کو ہر طرح کی دینی اور دنیوی ترقی نصیب ہوتی ہے، منافقین کو مسلمانوں

کی ترقی کہاں گوارہ تھی چنانچہ وہ ان خرچ کرنے والے مسلمانوں پر اعتراضات کی بوچھاڑ کردیتے تھے، ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

”جنگ تبوک کی تیاری کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مالی قربانی کی دعوت دی تو ہر صحابی نے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ لاکر پیش کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال ومتاع پیش کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ما ابقیت لاھلك اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ انہوں نے جواب دیا: ابقیت لھم اللہ ورسولہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

آنکس کہ ترا بخواست، جاں راچہ کند؟
فرزند و عیال و خانماں راچہ کند؟
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند؟

منافقین کی حالت یہ تھی کہ ہر ایک مسلمان پر آوازے کستے، اگر ایک دولتمند مسلمان بہت سا سامان لیکر آتا تو کہتے کہ صرف لوگوں کو دکھانا مقصود ہے اور اگر کوئی غریب مسلمان تھوڑی سی کھجوریں لاتا تو کہتے خدا کو ان کی کیا ضرورت ہے بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

لما نزلت آیة الصدقة کنا نتحامل علی ظهورنا، فجاء رجل فتصدق بشیء کثیر، فقالوا مرائی وجاء رجل فتصدق بصاع، فقالوا ان اللہ لغنی عن صدقة هذا۔

جب آیۃ الصدقہ (جہاد میں خرچ کرنے کی ترغیب والی آیت) نازل ہوئی تو ہم صدقات اپنے کندھوں پر لادلاد کر دربار رسالت میں حاضر کرتے، بڑی رقم لانے والے کو یہ منافقین ریاکار بتاتے اور تھوڑا سا صدقہ لانے والے سے کہتے کہ خدا کو اس کی کونسی ضرورت ہے۔

ان اربابِ نفاق کی اصل خرابی یہ ہے کہ خود اپنے عہدوں کے پابند نہیں بنتے اور جو مخلص مسلمان اپنے شوق سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں، ان بدبختانِ ملت کا مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو ترقی نہ کرنے دیں اور قرآن یہ چاہتا ہے کہ فرزندانِ اسلام زندہ رہیں (اور ان کی زندگی جہاد میں ہے) پھر جو لوگ اسلام تباہ کرنے کی فکر میں ہیں ان سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا، چونکہ یہ نالائق مرکزی نقطہ سے ہٹ گئے ہیں اس لئے اب کوئی عمل صالح ان کے لیے نفع بخش نہیں ہوسکتا اور چونکہ انہوں نے مسلمانوں کو برباد کرنے کی کوشش کی اس لئے عذاب الٰہی سے کوئی چیز ان کو نجات نہیں دے سکتی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ بھی ان کے لیے رحمت کے دروازے نہیں کھول سکے گی۔

اس آیت میں جو یہ فرمایا گیا کہ اگر آپ ستر مرتبہ توبہ کریں تو بھی اس کو شرف اجابت نہ بخشا جائے گا تو اس سے یہ

خیال نہ آنے پائے کہ اس سے کوئی مخصوص عدد مراد ہے اور اس سے زیادہ توبہ کرنے پر ان کی مغفرت ہو جائے گی بلکہ اہل عرب اس عدد کو بیان کر کے کثرت مراد لیتے ہیں اور وہی یہاں مقصود ہے، غرض یہ ہے کہ ان جرائم کے بعد ان کے لیے توبہ کسی طرح بھی قبول نہیں ہو سکتی"۔ (تفسیر الفرقان)

منافقین جہادی چندے کے دشمن

جہاد سے اسلام کو قوت ملتی ہے اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوتا ہے یہ دونوں باتیں منافقین کو برداشت نہیں ہیں اور جہاد کے لیے مال کی بے حد ضرورت پڑتی ہے، اس لئے قرآن پاک نے جہاد بالمال کو بہت تاکید، تفصیل اور فضیلت سے بیان فرمایا ہے، غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جہادی چندے کا اعلان فرمایا تو مخلص مسلمان بڑھ چڑھ کر مال پیش کرنے لگے، منافقین یہ منظر برداشت نہ کر سکے اور ان کے دل درد اور غم سے جلنے لگے، چنانچہ انہوں نے جہاد میں مال خرچ کرنے والوں پر خوب آوازے کسے اور اعتراضات کیے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ منافقین جہادی چندے کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے، وہ جب کمزور تھے تو زبان سے اس پر اعتراضات کرتے رہے اور جب وہ طاقت پکڑ لیتے ہیں تو قوت کے ساتھ اس کو روکتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ان دو آیات سے متعلق بعض واقعات

تقریباً تمام بڑے مفسرین نے ان دو آیات کی تفسیر میں بہت سے واقعات نقل فرمائے ہیں:

❶ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں مال خرچ کرنے کا اعلان فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے کر حاضر ہوئے۔

❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال پیش کیا

❸ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پاس کُل آٹھ ہزار درہم تھے انہوں نے چار ہزار درہم لا کر پیش کر دیے اور چار ہزار اپنے اہل و عیال کے لیے چھوڑ دیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعاء دی کہ جو کچھ تم نے دیا اور جو کچھ رکھ لیا اللہ تعالیٰ اس سب میں تمہیں برکت عطاء فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعاء قبول ہوئی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال میں خوب برکت ہوئی۔

❹ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے سو وسق کھجوریں حاضر خدمت کیں۔ (ایک وسق ساٹھ صاع اور ایک صاع چار سیر کا ہوتا ہے)

❺ حضرت ابو عقیل انصاریؓ نے جن کا اسم گرامی "حجابؓ" ہے ایک صاع کھجوریں پیش کیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رات بھر پانی کھینچ کر میں نے دو صاع مزدوری کی تھی، ایک صاع گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا اور ایک صاع آپ کی خدمت میں پیش کر دیے۔

❻ ایک صحابیؓ جن کا قد چھوٹا اور رنگت سیاہ تھی ایک بہت خوبصورت موٹی اونٹنی لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں پیش کر دی منافقین میں سے کسی نے کہا اس کی اونٹنی تو اس سے اچھی (یعنی خوبصورت) تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منافق کو کھڑا کر کے فرمایا کہ سب کے سامنے کہو یہ (صحابی) اور ان کی اونٹنی دونوں مجھ سے بہتر ہیں۔

❼ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اعلان ہوا تو ہم صدقات اپنی گردن پر لادلاد کر پیش کرتے تھے۔

یہ تمام واقعات تفسیر ابن کثیر، قرطبی، روح المعانی اور مظہری وغیرہا میں سند کے ساتھ منقول ہیں۔ منافقین نے ان مسلمانوں پر ریا کاری کا الزام لگایا جنہوں نے زیادہ مال دیا تھا اور ان مسلمانوں کا مذاق اڑایا جنہوں نے تھوڑا مال دیا تھا کہ یہ زور لگا کر خود کو بڑوں میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ بھلا اللہ تعالیٰ کو ان کے ان صدقات کی کیا ضرورت ہے؟

استغفار کس کے لیے؟

آیت ❽⓿ میں فرمایا گیا کہ اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں تو ان کی بخشش نہیں ہوگی تو یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی؟

مفسرین نے تین اقوال لکھے ہیں:

❶ جب مسلمانوں کے صدقات پر مذاق اڑانے والوں کے متعلق آیت (۷۹) نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اللہ پاک ان کو سزا دے گا تو یہ مذاق اڑانے والے منافقین اپنے لئے استغفار کرانے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

قال ابن عباس رضی اللہ عنہما: ان عند نزول الآیة الاولیٰ فی المنافقین قالوا یارسول اللہ استغفرلنا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سأستغفرلکم واشتغل بالاستغفار لھم، فنزلت ھذہ الآیة، فترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاستغفار۔ (تفسیر کبیر)

❷ منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر معذرتیں کرتے اور بہانے بناتے تھے کہ ہمارا مقصد تو اچھا تھا ہم نے تو بھلائی کا ارادہ کیا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی (کہ یہ لوگ کافر و فاسق ہیں اور اس قابل نہیں کہ ان کے بہانے اور معذرتیں قبول کی جائیں اور ان کے لیے استغفار کیا جائے)۔

وقال الحسن: کانوا یأتون رسول اللہ، فیعتذرون الیه ویقولون ان اردنا الا الحسنی وما اردنا الّا احسانا وتوفیقا فنزلت ھذہ الآیة (تفسیر کبیر)

❸ عبداللہ بن ابی منافق جب بیمار ہو گیا تو ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لیے استغفار کی درخواست کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ولما سئل عبداللہ بن عبداللہ بن أبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یستغفر لأبیه فی مرضه نزل اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (المدارک)

امام رازیؒ نے ایک اور قول بھی لکھا ہے وہ بھی عبداللہ بن اُبی کے متعلق ہے مگر مذکورہ بالا قصے کے علاوہ کا واقعہ ہے ملاحظہ فرمائیے تفسیر کبیر۔

ستّر بار استغفار

ستّر بار استغفار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ جتنی بار اور جتنا زیادہ ان کے لیے استغفار کریں ان کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، حضرات مفسرین نے سات اور ستّر کے عدد پر دلچسپ تحقیقات رقم فرمائی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے المدارک، روح المعانی، البحر المحیط ...... یہاں مختصراً اس ایک عبارت پر اکتفا کیا جاتا ہے:

”سَبْعِيْنَ مَرَّةً ستّر سے مراد یہاں عدد کامل یا کثرت استغفار ہے، اور ستّر تحدید کے لیے نہیں صرف تکثیر کے لیے آیا ہے، جیسا کہ محاورۂ عرب میں اکثر آتا ہے۔

والسبعون جار مجری المثل فی کلامهم للتكثير (كشاف) ذكر السبعين علىٰ وجه المبالغة فی اليأس من المغفرة (جصاص) لان العرب فی اساليب كلامها تذكر السبعين فی مبالغة كلامها ولا تريد التحديد بها (ابن كثير)۔ (تفسير ماجدی)

غریب لوگوں کو بھی جہاد میں خرچ کرنے کی راہ نکالنی چاہیے

اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی جو محنت مزدوری کر کے تھوڑا بہت کما کر لاتے تھے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پیش کرتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ سے یہی لوگ مراد ہیں پس معلوم ہوا کہ غریب مسلمانوں کو بھی محنت کر کے جہاد میں مال خرچ کرنا چاہیے اس میں ان کے لیے اجر ہی اجر اور فائدہ ہی فائدہ ہے۔ انوار البیان میں ہے:

”حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ جو محنت مشقت کر کے تھوڑی سی کھجوریں کسب کر کے لائے تھے اس کا خصوصی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ (جو لوگ اپنی محنت ومشقت کے علاوہ کچھ بھی نہیں پاتے ان پر یہ منافقین طنز کرتے ہیں) اس میں صدقہ کرنے کے لیے محنت کرنے والوں کی تعریف ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے کہ ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں ہم کیا صدقہ کریں؟ ...... (بلکہ وہ) محنت ومشقت سے کچھ مال حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے پیش کر دیتے ہیں، معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے کے لیے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ بھی صدقہ کرنے کا راستہ نکال سکتا ہے اور جسے جانی ومالی عبادت کا ذوق ہو وہ بہت کچھ کر سکتا ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے خیر کی کیسی کیسی نظیریں چھوڑی ہیں“۔ (انوار البیان)

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

فقد يكون القليل الذی يأتی به الفقير اكثر موقعا عندالله تعالىٰ من الكثير الذی يأتی به الغنی۔

یعنی بعض اوقات وہ تھوڑا سا مال جو غریب آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مالدار کے پیش کیے ہوئے بہت مال سے زیادہ وقعت والا ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

منافقین کے لیے شدید ترین وعید

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے حق میں استغفار کریں تو ان کی بخشش نہیں ہوگی، یہ منافقین کے لیے سخت ترین وعید ہے۔ العیاذ باللہ

اللھم انّا نعوذبک من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق

اللھم طھّر قلوبنا من النفاق برحمتك یا ارحم الراحمین

سُوْرَةُ التَّوْبَة مَدَنِيَّة آيت ۸۱،۸۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ

رسول اللہ کے تشریف لے جانے کے بعد پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوتے ہیں اور انہوں

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا

نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں اور کہا

تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾

گرمی میں مت نکلو کہہ دو کہ جہنم کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے کاش یہ سمجھ سکتے۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

سو وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلے جو کرتے رہے ہیں۔

خلاصہ

❶ منافقین جہاد میں نہ نکلنے کو اپنی کامیابی اور عقل مندی سمجھتے ہیں اور اس پر خوشیاں مناتے ہیں۔

❷ منافقین جہاد میں اپنا مال اور اپنی جان لگانے کو بہت برا سمجھتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں۔

❸ منافقین جہاد میں پہنچنے والی تکلیفیں اور نقصانات بتا بتا کر لوگوں کو جہاد سے روکتے ہیں۔

❹ منافقین بے عقل لوگ ہیں وہ یہ بات بھی نہیں سمجھتے کہ جہاد چھوڑنے کی وجہ سے انہیں جہنم کی جس آگ میں ڈالا جائے گا وہ خوفناک آگ جہاد میں پہنچنے والی تکلیفوں سے بہت زیادہ سخت ہے۔

❺ منافق کی زندگی اور انجام کا خلاصہ بس اتنا ہے کہ تھوڑا سا ہنسنا پھر ہمیشہ کا رونا، تھوڑے سے مزے اور پھر ہمیشہ کا دردناک عذاب...... دنیا کی فانی لذت اور خوشی اور آخرت کا دائمی درد اور غم

آسان تفسیر

”یہ ان منافقین کے متعلق ہے جو غزوۂ تبوک کی شرکت سے علیحدہ رہے، یعنی منافقین کا حال یہ ہے کہ برائی اور عیب کا کام کرکے خوش ہوتے ہیں، نیکی سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں اور جیسا کہ پہلے گزرا (کہ وہ) نیکی کرنے والوں پر طعن (یعنی اعتراض) کرتے اور آوازے کستے ہیں، ایسی قوم کو نبی ﷺ کے استغفار سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہاں سے گناہگار اور بداعتقاد کا فرق نکلتا ہے۔ گناہ ایسا کونسا ہے جو پیغمبر کے بخشوانے سے نہ بخشا جائے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ

تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء) لیکن بداعتقاد کو پیغمبر کا ستر مرتبہ استغفار فائدہ نہ دے۔

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ (کہ گرمی میں نہ نکلو) یا تو منافقین آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے اور یا بعض مؤمنین سے کہتے ہوں گے کہ ان کی ہمتیں سست ہو جائیں۔

لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (اگر ان کو سمجھ ہوتی) یعنی اگر سمجھ ہوتی تو خیال کرتے کہ یہاں کی گرمی سے بچ کر جس گرمی کی طرف جا رہے ہیں وہ کہیں زیادہ سخت ہے، یہ تو وہی مثال ہوئی کہ دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لی جائے۔ حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ تیز ہے، نعوذ باللہ منہا...... یعنی چند روز اپنی حرکات پر خوش ہو لو اور ہنس لو پھر ان کرتوتوں کی سزا میں ہمیشہ کو رونا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

وہ بدنصیب جو جہاد سے دھتکار دیئے گئے

اَلْمُخَلَّفُوْنَ اس کا لفظی معنیٰ ہے "وہ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے" (یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے)...... تو ان منافقین کو کس نے جہاد سے پیچھے چھوڑ دیا؟ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

ای الذین خلفهم النبی صلی الله علیه وسلم واذن لهم فی التخلّف او خلفهم الله تعالیٰ بتثبیطه ایاهم لحکمة علمها اوخلفهم الشیطان باغرائه او خلفهم الکسل والنفاق۔

یعنی

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیچھے چھوڑ دیا اور گھر بیٹھنے کی اجازت دے دی (جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ اجازت کیسی تھی)

❷ یا...... اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم تکوینی سے ان کو گھر بٹھا دیا (اور ان کے نکلنے کو پسند نہیں فرمایا)

❸ یا شیطان نے ان کو گمراہ کر کے پیچھے رہنے پر آمادہ کیا

❹ یا ان کی سستی اور نفاق نے ان کو گھر بٹھا دیا اور نکلنے نہیں دیا (روح المعانی)

ان کی بدنصیبی اور بدبختی کی وجہ سے یہ سارے اسباب جمع ہو گئے، شیطان نے ان کو بہکایا، ان کی سستی اور نفاق نے ان کو محروم کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو اجازت دے دی کہ ان کے نکلنے میں سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہ تھا اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کی وجہ سے ان کے نکلنے کو پسند ہی نہیں فرمایا...... (واللہ اعلم بالصواب)

حکم جہاد کی مخالفت پر جہنم کی آگ

"قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ بہت زیادہ گرم ہے اور تم نے حکم جہاد کی مخالفت کر کے جہنم کی آگ کو اختیار کر لیا یعنی تم بڑے جاہل ہو جو شخص ایک ساعت کی مشقت کو برداشت نہ کرے اور اس کی وجہ سے سخت ترین دوامی (یعنی ہمیشہ کی) تکلیف میں پڑ جائے وہ بڑا جاہل ہے"۔ (تفسیر مظہری)

جلالین میں ہے:

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا من تبوك، فالاولیٰ ان يتقوها بترك التخلف یعنی جہنم کی آگ تبوک کی گرمی سے زیادہ گرم ہے پس جہاد میں شریک ہو کر اس سے بچنا زیادہ ضروری تھا۔ (جلالین)

جہاد سے پیچھے رہ جانے کا نتیجہ

جہاد فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ رہنے کی کوشش کرنے والوں کا تذکرہ ختم ہو گیا، اب بتایا جاتا ہے کہ اس فرض جلیل کے ادا کرنے سے باز رہنا، مرکزی قوت کو محفوظ نہ رکھنا اور اپنے مصالح خصوصی کے اعتبار سے (یعنی اپنے ذاتی مفادات کی خاطر) مقاصد ملی کو نظر انداز کرنا کس قدر خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے۔

جو لوگ جہاد سے عمداً (یعنی (جان بوجھ کر) پیچھے رہ گئے وہ خود تو اس فرض جلیل کے ادا کرنے سے رہے مگر دوسروں کو بھی بہکانا شروع کر دیا کہ گرمی کا زمانہ ہے، ریگستان عرب کی حرارت سے جل بھن جاؤ گے، نہ جانا ہی بہتر ہے، یہ پیچھے تو رہ گئے لیکن انہیں اس بات کا خیال نہ آیا کہ ہم اس نازک ترین موقع پر مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہیں، انہیں اب تک ہم پر اعتماد رہا، اب محض گرمی کا بہانہ کر کے رُک جانا کس قدر بے ایمانی ہے، اگر یہ تھوڑی سی کوشش کرتے، اور اس تکلیف کو برداشت کر لیتے تو (اس جرم سے) بچ سکتے تھے، اب پیچھے رہ کر جہنم کی آگ کے مستوجب ہوئے...... (تفسیر الفرقان)

خلف کے دو معنیٰ

خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ کے عام طور سے دو ترجمے کئے جاتے ہیں:

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد...... یعنی پیچھے رہ جانے والے منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبوک تشریف لے جانے کے بعد اپنے گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے۔

❷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں...... یعنی جو لوگ پیچھے رہ گئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوتے ہیں۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

"خِلٰفَ کے معنیٰ "بعد" کے ہیں۔

ای خلفه (كشاف) بمعنى بعد وخلف (روح) قال الاخفش ان خلاف بمعنى خلف وان يونس رواه عن عيسى بن عمرو ومعناه بعد رسول الله (كبير)

لیکن دوسرے معنیٰ "مخالفت میں" کے بھی ہیں

قيل هو بمعنى المخالفة (كشاف، روح) يعنى مخالفة برسول الله صلى الله عليه وسلم (كبير عن قطرب وزجاج) (تفسير ماجدى)

منافقین کو جہاد کی حقانیت میں شک تھا

''جُدّ بن قیس (منافق) نے جبّار بن منحر اور اپنے ان ساتھیوں سے جو بنی سلمہ کے تھے کہا اس گرمی میں جہاد کو نہ نکلو، جُدّ کو جہاد کی رغبت نہ تھی۔ جہاد کی حقانیت میں اس کو شک تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ بدگمانی پھیلانا چاہتا تھا۔ اس لئے گرمی کے بہانے اس نے لوگوں کو جہاد سے روکا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا نازل فرمائی''۔ (مظہری)

آخرت کا رونا

حضرت عبداللہ بن قیسؓ (یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جہنمی اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں اگر کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہوجائیں (اور ان کے آنسو عام آنسو نہ ہوں گے بلکہ) وہ آنسوؤں کی جگہ خون روئیں گے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک ص ۶۰۵ ج ۴، وقال ہذا حدیث صحیح الاسناد واقرہ الذہبی)

قرآن پاک کا اعجاز

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا : قرآن پاک نے دو جملوں میں منافق کی پوری زندگی اور داستان بیان فرمادی ہے کہ منافق وہ ہیں جو تھوڑے سے عیش و آرام اور خوشی پر ہمیشہ کے عیش و آرام اور خوشی کو قربان کردیتے ہیں۔ اور تھوڑی سی تکلیف سے بچنے کے لیے ہمیشہ کی تکلیف کو گلے لگالیتے ہیں۔ منافق دنیا میں آزاد، مست اور خوش رہنا چاہتا ہے، نماز سے آزاد، جہاد سے آزاد، دینی احکامات سے آزاد، بس ہنسی ہی ہنسی اور عیش ہی عیش...... مگر آخرت میں اس کے لیے سوائے غم اور رونے کے اور کچھ نہیں ہوگا...... پس منافق کی پوری داستان کا خلاصہ یہی ہے کہ چند دن کا تھوڑا سا ہنسنا اور پھر ہمیشہ کا رونا (العیاذ باللہ)۔ (واللہ اعلم بالصواب)

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

ای فیضحکون قلیلا علیٰ فرحهم بتخلفهم فی الدنیا ویبکون کثیرا جزاء فی العقبیٰ، الّا انه اخرج علی لفظ الامر للدلالة علی انه حتم واجب لایکون غیره، یرویٰ ان اهل النفاق یبکون فی النار عمر الدنیا لایرقألهم دمعٌ ولا یکتحلون بنوم۔ (المدارک)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۸۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ

سو اگر تجھے اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی فرقہ کی طرف پھیر لے جائے پھر تجھ سے نکلنے کی اجازت چاہیں تو کہہ دو

لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ

کہ تم میرے ساتھ کبھی بھی ہرگز نہ نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو گے تمہیں

رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

پہلی مرتبہ بیٹھنا پسند آیا سو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

خلاصہ

جو لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے غزوہ تبوک میں نہیں نکلے ان کا نام غازیوں کے دیوان (یعنی رجسٹر) سے نکال دیا گیا ہے اب اگر یہ آئندہ نکلنے کی اجازت بھی مانگیں تو ان کو بتا دیا جائے کہ نہ تم کبھی ہمارے ساتھ نکل سکتے ہو اور نہ ہمارے ساتھ مل کر دشمنان اسلام سے قتال کر سکتے ہو۔ اب تم عورتوں، بچوں، اپاہجوں اور کمزور بڈھوں کے ساتھ گھر بیٹھے رہو اور جس چیز کو پہلی دفعہ تم نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے مناسب ہے کہ اسی حالت پر مرو تا کہ اچھی طرح عذاب الٰہی کا مزہ چکھ لو۔ (مستفاد من عثمانی)

منافقین کو جہاد سے کوئی محبت نہیں

"تخلّف (یعنی جہاد سے پیچھے رہ جانے) کے باعث نفاق کا حکم مل گیا اور ان کی بد باطنی نمایاں ہوئی تو وہ اب اس داغ کو دھونا چاہتے ہیں ورنہ جہاد سے محبت نہیں ہے، لہٰذا انہیں جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی"۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

منافق نہ نکلیں...... یہ حکم ہے یا خبر

ارشاد فرمایا گیا: ان سے کہہ دیجئے لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا یعنی تم میرے ساتھ کبھی بھی ہرگز نہ نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو گے...... تو کیا یہ مستقبل کی پیشین گوئی اور خبر ہے یا نہ نکلنے کا حکم ہے...... حضرات مفسرین کے دونوں طرح کے اقوال ہیں...... ان دو اقوال کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیے:

"(آیت کا مطلب یہ ہے کہ) آئندہ میں تمہیں ہرگز ساتھ نہ لے جاؤں گا یعنی انہوں نے پہلے بیٹھے رہنے کو پسند

کیا تھا لہٰذا اب بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ رہو جو پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں یعنی بوڑھے بچے اور عورتیں، تم انہی میں رہو، وہ معذوری کی وجہ سے نہیں جاتے تم بغیر معذوری ہی کے ان لوگوں کے ساتھ رہ جاؤ میں تمہیں ساتھ نہیں لے جاتا قال صاحب الروح هو اخبار بمعنى النهى للمبالغة صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: یہ خبر دینا ہے نہی کے معنیٰ میں مبالغہ کی وجہ سے۔ بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم جو ساتھ چلنے کی اجازت لے رہے ہو یہ اجازت لینا جھوٹا ہے اور دنیا سازی کے طور پر ہے جب جانے کا وقت ہوگا تو ہمراہ (یعنی ساتھ) نہ چلو گے بلکہ بیٹھے ہی رہ جاؤ گے جیسا کہ تم پہلے بھی رہ گئے تھے، لہٰذا تم پیچھے رہ جانے والوں ہی میں اب بھی اپنے کو شمار کرلو، جھوٹی اجازت لے کر اہل ایمان کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو۔ فهو خبر بمعنى الخبر وهو المتبادر من لفظ التنزيل العزيز (انوار البیان)

طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک گروہ کی طرف:

دراصل پیچھے رہ جانے والے کئی طرح کے تھے، اس لئے ارشاد فرمایا کہ **اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ** کہ اگر آپ کی واپسی ان میں سے ایک گروہ کی طرف ہو یعنی ان منافقین کی طرف جو اپنے نفاق کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔

ابو حیانؒ لکھتے ہیں:

لان منهم من مات، ومنهم من تاب وندم، ومنهم من تخلف لعذر صحيح، فا لطائفة هنا الذين خلصوا فى النفاق وثبتوا عليه هكذا قيل (البحر المحيط)

یعنی ان میں سے کچھ مر گئے تھے اور کچھ نادم ہو کر توبہ تائب ہو چکے تھے اور کچھ صحیح عذر کی وجہ سے رُکے تھے، پس طائفہ سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو پکے منافق تھے اور نفاق پر قائم تھے...... حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہ جو فرمایا کہ اگر پھر لے جاوے اللہ تعالیٰ کسی فرقے کی طرف، اس واسطے کہ آیت نازل ہوئی سفر میں (جبکہ) وہ منافق (موجود) تھے مدینہ میں اور فرقے (یعنی ایک گروہ) فرمایا اس واسطے کہ بعضے منافق پیچھے مر گئے اور سب بیٹھنے والے منافق نہ تھے، بعضے مسلمان بھی تھے کہ ان کی تقصیر معاف ہوئی۔ (موضح القرآن)

خالفین کون؟

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ پس بیٹھے رہو "خالفین" کے ساتھ...... حضرات مفسرین نے اس کے چار معنیٰ بیان کیے ہیں۔

1. بیٹھے رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ...... یعنی جو عذر کی وجہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں مثلاً بیمار، بوڑھے، بچے، عورتیں وغیرہ
2. بیٹھے رہو مخالفین کے ساتھ یعنی جو دین کی مخالفت کی وجہ سے جہاد میں نہیں نکلتے
3. بیٹھے رہو فاسدین کے ساتھ...... یعنی نافرمان فاسقوں کے ساتھ

❷ بیٹھے رہو ذلیل اور خسیس لوگوں کے ساتھ

لفظ ”خالف“ ان تمام معانی میں استعمال ہوتا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے قرطبی، البحر المحیط، تفسیر کبیر۔

قتال کی فضیلت

ارشاد فرمایا: فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا ان سے کہہ دیجئے کہ تم آئندہ کبھی ہمارے ساتھ نہیں نکلو گے...... ظاہر بات ہے یہ نکلنا جہاد ہی کے لیے ہوگا کہ جب ہم جہاد پر نکلیں گے تو تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے تو پھر اس کے بعد یہ جملہ فرمانے کا کیا مطلب ہے کہ وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا اور تم ہمارے ساتھ مل کر دشمنوں سے جنگ نہیں کرو گے۔ جہاد میں نکلنا تو قتال کرنے ہی کے لیے ہوتا ہے تو دوبارہ قتال یعنی جنگ کا تذکرہ کس لئے کیا گیا؟......

❶ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

اگرچہ ایک جملہ کہنا بھی کافی ہوجاتا کہ تم ہمارے ساتھ نہیں نکلو گے مگر قتال کا تذکرہ بھی فرمادیا جو کہ نکلنے کا اصلی مقصد ہوتا ہے کہ بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام غازیوں کی فہرست اور مجاہدین کے رجسٹر سے نکال دیا ہے اور تم صحبت اور جہاد کے بلند مقام سے محروم ہوچکے ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں جہاد میں نکالنا پسند نہیں فرماتا اور ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ تمہیں اسلامی لشکر میں شمار کریں۔

وذکر القتال کما قال بعض المحققین لانہ المقصود من الخروج فلو اقتصر علی احدھما لکفیٰ اسقاطاً لھم عن مقام الصحبة ومقام الجھاد او عن دیوان الغزاة ودیوان المجاھدین واظھارًا لکراھة صحبتھم وعدم الحاجة الی عدھم من الجند۔ (روح المعانی)

❷ امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

پہلے خروج یعنی جہاد میں نکلنے کا تذکرہ فرمایا اور یہ خروج ان منافقین پر بھاری تھا پھر اس کے بعد قتال کا ذکر فرمایا جو ان پر اور زیادہ بھاری تھا اور قتال کا تذکرہ خاص طور سے اس لئے کیا گیا کہ وہ جہاد کا بلند ترین مقام ہے اور جہاد میں نکلنے کا اصل ثمرہ ہے اور ان تلواروں کے چمکنے کا مقام ہے جن کے نیچے جنت ہے...... تو یہ انتقال ہوا مشکل سے مشکل ترین کی طرف......

وانتقل بالنفی من الشاق علیھم وھو الخروج الی الغزاة الی الاشق وھو قتال العدو لانہ اعظم الجھاد وثمرة الخروج وموضع بارقة السیوف التی تحتھا الجنة۔ (البحر المحیط)

کم ہمتی پھیلانے والوں کو جہاد میں ساتھ نہ لیا جائے

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر کے بعد فرماتے ہیں:

وھذا یدل علی ان استصحاب المخذّل فی الغزوات لایجوز

یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ کم ہمتی پھیلانے والے (یا جہاد سے پسپائی اختیار کرنے کی عادت رکھنے والے) افراد کو جہاد میں ساتھ لے جانا جائز نہیں ہے۔ (القرطبی)

تفسیر الفرقان میں ہے:

”یہ لوگ اس درجہ پر آگئے ہیں کہ ان کو دوبارہ مسلمانوں میں شریک کرنا خلاف مصلحت ہوگا، کیونکہ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہے گی کہ ایک ایک کر کے مسلمانوں سے بدلہ لیں، وہ اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کی فکر میں رہیں گے اور کہتے پھریں گے کہ ہم نے اس وقت خوب دانشمندی سے کام لیا، اس لئے جس وقت منافقین کی طرف لوٹ کر آئیں تو باوجود ان کی درخواست کے ان سے فرما دیجئے کہ اب تمہاری امداد کی ضرورت نہیں ہے، تم نے پہلے عین وقت پر دھوکا دیا، اس لئے اب تم پر اعتماد کرنا خلاف عقل ہے، جب تم نے دیکھا کہ ہم کامیاب ہوگئے ہیں تو محض نام کی خاطر ہمارے شریک کار ہونا چاہتے ہو۔ (تفسیر الفرقان)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۸۳،۸۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ

اور ان میں سے جو مر جائے کسی پر کبھی نماز نہ پڑھ اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں مر گئے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ

اور ان کے مالوں اور اولاد سے تعجب نہ کر اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ انہیں ان چیزوں کے باعث

يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں نکلیں ایسے حال میں کہ وہ کافر ہی ہوں۔

خلاصہ

❶ (یہ منافقین جب تک زندہ رہیں ان کو جہاد میں ساتھ نہ لے جایئے) اور جب ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ ادا نہ کیجئے اور نہ دفن اور دعاء کے لیے اس کی قبر پر کھڑے ہوں کیونکہ یہ کافر ہیں اور اسی کفر ونافرمانی کی حالت پر مرے ہیں

❷ ان کا مال اور ان کی اولاد ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت نہیں بلکہ عذاب ہے اور ان کے نفاق پر اڑے رہنے کا ذریعہ ہے

❸ منافقت کی بہت سی صورتیں کثرتِ مال سے پیدا ہوتی ہیں، اس لئے ایسے مالداروں کے الگ ہونے پر مسلمانوں کو ہمت نہ ہارنی چاہئے

شانِ نزول اور جامع تفسیر

منافق کی نماز جنازہ کے متعلق نازل ہونے والی اس آیت پر حضرات مفسرین نے بہت تفصیل سے لکھا ہے، بطور خلاصہ یہ جامع عبارت ملاحظہ کیجئے:

"صحیح بخاری ص ۶۷۳ ج ۲ میں ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہؓ بن عبداللہ خدمت عالی میں حاضر ہوا (جو خالص مسلمان تھا) اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی موت ہوگئی ہے آپ اپنا کرتہ عنایت فرما دیں جو اسے بطور کفن پہنا دیا جائے پھر عرض کیا کہ آپ نماز بھی پڑھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ پکڑ لیا اور عرض کیا کہ آپ اس

کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ وہ منافق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی اس کی نماز پڑھا دی، اس پر آیت وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (آخر تک) نازل ہوئی۔ فتح الباری ص ۳۳۶ ج ۸ میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، باقی رہی یہ بات کہ عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیا مصلحت تھی؟ اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خوشی کے لیے اور قبیلہ خزرج کی قوم کی تالیف قلب کے لیے ایسا فرمایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا میں نے تو یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں، روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۱۰ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل سے قبیلہ بنی خزرج کے ایک ہزار سے زیادہ افراد مسلمان ہو جائیں گے، پھر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امید پوری کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عبداللہ بن اُبی کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ عطا فرمایا اس کی وجہ تفسیر وحدیث کی کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جب بدر کے قیدیوں میں لایا گیا تھا تو اس وقت ان کے بدن پر کپڑا نہ تھا، قدآور اور بھاری ہونے کی وجہ سے کسی کا کپڑا ان کے جسم پر نہیں آتا تھا۔ اس وقت عبداللہ بن اُبی نے اپنا کرتہ پہنا دیا تھا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مکافات کے لیے اپنا کرتہ کفن میں شامل کرنے کے لیے عنایت فرما دیا۔ (انوار البیان)

''آپ کو تعجب نہ ہو کہ (یہ منافقین) جب راندۂ درگاہ الٰہی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مردود ہیں) تو پھر مال اور اولاد کی نعمت کیوں عطاء ہوئی۔ یہ رحمت نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں ان کے حق میں زحمت ہیں''۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ان دو عبارتوں سے دونوں آیات کا مفہوم واضح ہو گیا، مزید تفصیلات دیکھنی ہوں تو قرطبی، ابن کثیر اور روح المعانی اور بیان القرآن میں ملاحظہ فرمائیں۔

خزرج کے ایک ہزار افراد مسلمان ہوئے

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

جب خزرج قبیلے کے لوگوں نے دیکھا کہ عبداللہ بن ابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک سے تبرک لیا ہے (تو ان کے وہ اشکالات دور ہو گئے جو عبداللہ بن ابی اسلام کے بارے میں پھیلاتا تھا) تو ان میں سے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو گئے۔ واللہ اعلم

روی انہ اسلم الف من الخزرج لما رأوہ یطلب التبرک بثوب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (المدارک)

ان بڑے مالداروں کے جانے کا مسلمان غم نہ کریں

”منافقت کی بیشتر صورتیں کثرتِ مال ہی سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے ایسے مالداروں کے الگ ہونے پر مسلمانوں کو ہمت نہ ہارنی چاہئے“۔ (تفسیر الفرقان)

مذکورہ بالا مفہوم بھی آیت ۸۵ سے سمجھا جا سکتا ہے، آیت کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے فتح الجواد جلد دوم معارف سورۃ التوبہ آیت ۵۵۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تنبیہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شرع نبی اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ ادا فرمائی پھر اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے روکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے۔ امت کے لیے ان تمام باتوں میں اشکال کی کوئی بات ہے ہی نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ جو کچھ سمجھاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی کچھ کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود شارع تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

آیت کے نزول کے بعد صحابہؓ کرام کی احتیاط

”اس آیت کے نزول کے بعد منافقین کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہو گیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ احتیاطاً ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھتے تھے جس کی نماز میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک نہ ہوں۔ کیونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے منافقین کا نام بنام علم کرا دیا تھا اسی لئے ان کا لقب ’صاحب السر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘ ہوا۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار)“۔ (تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ التَّوْبَة مَدَنِيَّة آیت ۸۶،۸۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ ءَامِنُوا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ

اور جب کوئی سورة نازل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے

اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ

ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مند بھی تجھ سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دے کہ

الْقَٰعِدِينَ ﴿۸۶﴾ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ

بیٹھنے والوں کے ساتھ ہوجائیں۔ وہ خوش ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور ان کے

قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۸۷﴾

دلوں پر مہر کردی گئی ہے سو وہ نہیں سمجھتے۔

خلاصہ

❶ جب قرآن پاک میں یہ حکم نازل ہوتا ہے کہ ٹھیک طرح سے ایمان لے آؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکلو...... یعنی جہاد میں نکل کر اپنے ایمان کا ثبوت دو کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان لیا ہے تو ان منافقین میں سے مالدار لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر جہاد سے چھٹی اور رخصت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ چھوڑ دیجئے۔

❷ ان کی غیرت بالکل ختم ہوچکی ہے یہ گھر بیٹھی عورتوں اور دین کے لیے بے فائدہ لوگوں میں خود کو شامل کرنے پر راضی اور مطمئن ہیں۔

❸ دراصل نفاق کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اس لئے یہ نہیں سمجھتے کہ جہاد میں کتنی کامیابی اور سعادت ہے اور بلا عذر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کتنی بدنصیبی اور ہلاکت ہے۔ یا یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد میں ان کے لیے کتنے فائدے رکھے ہیں۔

جہاد ایمان کا تقاضا ہے

”یعنی جب قرآن کی کسی سورة میں تنبیہ کی جاتی ہے کہ پوری طرح خلوص و پختگی سے ایمان لے آؤ، جس کا بڑا اثر یہ ظاہر ہونا چاہئے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ہو کر خدا کے راستہ میں جہاد کریں تو یہ منافقین جان چرانے لگتے ہیں اور ان میں سے استطاعت اور مقدور والے بھی جھوٹے عذر تراش کر اجازت طلب کرنے آتے ہیں کہ حضرت ہمیں تو

یہیں مدینہ میں رہنے دیجئے۔ گویا کمال بے غیرتی اور نامردی سے اس پر راضی ہیں کہ لڑائی یا خطرہ کا نام سنتے ہی خانہ نشین (یعنی گھر بیٹھی) عورتوں کے ساتھ گھروں میں گھس کر بیٹھ رہیں۔ ہاں جس وقت جنگ وغیرہ کا خطرہ نہ رہے اور امن واطمینان کا زمانہ ہو تو باتیں بنانے اور قینچی کی طرح زبان چلانے میں سب سے پیش پیش (یعنی آگے آگے) ہوتے ہیں۔ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (الاحزاب ۱۹)"۔ (تفسیر عثمانی)

جہاد سے بھاگنے والے مالدار اور سردار

فرمایا گیا کہ ان میں سے أُولُو الطَّوْلِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر بیٹھنے کی اجازت مانگنے آجاتے ہیں۔

أُولُو الطَّوْلِ کے حضرات مفسرین نے دو معنی بیان فرمائے ہیں:

1. مالدار، وسعت وطاقت والے لوگ
2. ان کے بڑے اور سردار لوگ

وفی اولوا الطول قولان: الاوّل قال ابن عباس والحسن: المراد اهل السعة فی المال: الثانی قال الاصم: یعنی الرؤساء والکبراء المنظور علیهم۔ (تفسیر کبیر)

غیرت سے عاری لوگ

الْخَوَالِفِ سے مراد یہاں عورتیں ہیں، ابن عباسؓ اور متعدد تابعین سے یہی منقول ہے، عورتیں چونکہ گھر میں بیٹھی رہ جانے والیاں ہیں، اسی لئے انہیں الْخَوَالِفِ کہتے ہیں۔

الخوالف النساء (ابن جریر عن ابن عباس وقتادة و مجاهد والضحاك والحسن وابن زید) الخوالف النساء قاله الجمهور کابن عباس و مجاهد وقتادة وشمر بن عطیه وابن زید والفراء (بحر) ای النساء التی تخلفن فی البیوت۔ (جلالین)

رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ (توبہ ۸۷) شریعت اسلام نے جو مشاغل حیات مرد کے ساتھ مخصوص کر رکھے ہیں اور عورت کو ان سے الگ کر رکھا ہے، ان میں سے ایک شغل جہاد کا بھی ہے، آیت میں جہاد سے جی چُرانے والوں پر طنز ہے کہ مرد ہو کر اچھے خاصے عورت بنے جا رہے ہیں۔

تهجین لهم ومبالغة فی الذم والخوالف النساء قاله الجمهور ...... وذلك ابلغ فی الذم لانهم نزلوا انفسهم منزلة النساء (البحر)۔ (تفسیر ماجدی)

الْخَوَالِفِ کا ایک معنی تو اوپر کی عبارت میں آگیا یعنی عورتیں...... جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اس کا معنی ہے وہ لوگ جن میں کوئی خیر نہ ہو۔

وقال النضر بن شمیل: الخوالف من لا خیر فیه، وقال النحاس: یقال للرّجل

الذی لا خیر فیه:

یعنی یہ منافق اس بات پر خوش ہیں کہ وہ بے کار، حقیر اور بے فائدہ لوگوں میں شامل رہیں۔

والمراد اخساء الناس واخلافهم. (البحر المحیط)

جہاد میں سست، باتوں میں چست

امام ابن کثیرؒ نے ان دو آیات کی تفسیر میں بہت ایمان افروز جملے لکھے ہیں اور مزید کئی آیات سے اس مضمون کی تاکید بیان فرمائی ہے، ملاحظہ فرمایئے ان کا ایک جملہ:

فاذا وقع الحرب کانوا اجبن الناس واذا کان أمن کانوا اکثر الناس کلاما

یعنی جب جنگ شروع ہوتی تو یہ منافق سب سے زیادہ بزدلی دکھاتے مگر جب امن کا وقت ہوتا تو لوگوں میں سب سے زیادہ زبان چلانے والے ہوتے۔ (ابن کثیرؒ)

امام ابن کثیرؒ کی تقریر اور چند دیگر فوائد پر مبنی ملاحظہ فرمایئے یہ عبارت:

”جب کوئی ایسی سورۃ نازل ہو جس میں قرآن حکیم کو دستور العمل بنانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں جنگ کرنے کا حکم ہو تو دولتمند جن سے توقع ہی یہی تھی کہ اس موقع پر اسلام کی خدمت کریں گے، وہی صد ہا قسم کے حیلے بنا کر پیچھے رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شہر کے نظم ونسق کے لیے بہرحال کچھ نہ کچھ لوگ ضرور رہیں گے تو ہمیں بھی ان میں شامل کر لیجیے۔ گویا چوڑیاں پہن کر عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔

اسی حالت کا نقشہ دوسری جگہ یوں کھینچا ہے:

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (الاحزاب ١٩)

سو جب خوف کا موقع آتا ہے تو ان کو دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف تکتے ہیں، ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں، جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو، پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تیز تیز زبانوں سے تم پر زبان درازی کرتے ہیں۔ ایک مقام پر یوں ارشاد ہے:

فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ (محمد ٢٠)

”پھر جب کوئی واضح سورۃ نازل کی جائے گی اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جائے گا تو جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے ان کو تم دیکھو گے کہ تمہاری طرف اس طرح تکتے ہیں جیسے موت سے بے ہوش آدمی تکتا ہے، سو ان کے لیے خرابی ہے۔ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے، اب یہ حق وباطل میں تمیز نہیں کر سکتے، مردانگی کا جوہر ان سے سلب ہو چکا ہے“۔ (تفسیر الفرقان)

جہاد فی سبیل اللہ کو نہ سمجھنا دل پر مہر لگنے کی علامت ہے

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (توبہ ۸۷) اور ان کے دلوں پر مہر کردی گئی ہے پس وہ نہیں سمجھتے۔

❶ فهم لا يفقهون ما في الجهاد من الفوز والسعادة ومافي التخلف من الهلاك والشقاء

یعنی وہ نہیں سمجھتے کہ جہاد میں کتنی کامیابی اور سعادت ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کتنی ہلاکت اور بدبختی ہے۔ (المدارک)

❷ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ فلأجل الطبع لا يفقهون ولا يتدبرون ولا يتفهمون ما في الجهاد من الفوز والسعادة ومافي التخلف من الشقاء والضلال

یعنی دل پر لگی ہوئی مہر کی وجہ سے وہ نہیں سمجھتے، غور نہیں کرتے اور جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ جہاد میں کتنی کامیابی اور سعادت ہے اور پیچھے رہ جانے میں کتنی بدبختی اور گمراہی ہے۔ (البحر المحیط)

❸ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ اى لا يفهمون اسرار حكمة الله في الجهاد

یعنی وہ جہاد میں چھپی ہوئی اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو نہیں سمجھتے۔ (تفسیر کبیر)

❹ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ پس وہ نہیں سمجھتے کہ جہاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں کیسی خوش نصیبی ہے اور مخالفت میں کیسی بدبختی ہے۔ (تفسیر مظہری)

❺ یعنی کذب ونفاق، نکول عن الجهاد (یعنی جہاد سے پیچھے ہٹنے) اور تخلف عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نہ جانے کی شامت) سے ان کے دلوں پر مہر کردی گئی ہے کہ اب موٹے موٹے عیب بھی ان کو نظر نہیں آتے اور انتہائی بے غیرتی وبزدلی پر بجائے شرمانے کے نازاں وفرحاں ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

❻ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ کے یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ یہ مہر زدہ لوگ احکام جہاد کی مصلحتوں اور حکمتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ (تفسیر ماجدی)

سُورَةُ التَّوْبَة مَدَنِيَّة آیت ۸۸، ۸۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ

لیکن رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان والے ہیں وہ اپنے مالوں اور

اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

جانوں سے جہاد کرتے ہیں اور انہی لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں

فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔

خلاصہ

❶ اللہ تعالیٰ کا ’’حکمِ جہاد‘‘ سن کر اگر منافقین نہیں نکلتے تو کیا ہوا وہ لوگ جو ان منافقین سے بہت بہتر اور افضل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ’’حکمِ جہاد‘‘ پر پورا عمل کرتے ہیں۔

❷ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں۔

❸ وہ لوگ جو ایمان والے ہیں وہ بھی اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں۔

❹ جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم جہاد کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے انہیں دنیا وآخرت کی بھلائیاں عطا فرمائیں، انہیں کامیاب کیا اور ان کے لیے جنت تیار فرمائی یقیناً یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

جہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم والا کام ہے

’’لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اہلِ ایمان نے اپنے مال وجان سے جہاد کیا، یعنی اگر ان منافقوں نے ساتھ نہیں دیا اور جہاد کو نہیں گئے تو دینِ اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوا، ان سے بہتر اور افضل لوگوں نے جہاد کیا‘‘۔ (مظہری)

ان تخلف هٰؤلآء المنافقون عن الغزو فقد توجه اليه من هو خير منهم واخلص نية واعتقادا (تفسير كبير) (ترجمہ اوپر کی عبارت میں مذکور ہے)۔

پس معلوم ہوا کہ جہاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ایمان والے صحابہ کا کام ہے۔ اور جہاد سے روگردانی

کرنا منافقین کا طریقہ ہے۔ شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

’’منافقین کے بالمقابل مؤمنین مخلصین کا بیان فرمایا کہ دیکھو! یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے وفادار بندے جو اس کے راستہ میں نہ جان (دینے) سے ہٹتے ہیں نہ مال (لگانے) سے، کیسا ہی خطرہ کا موقع ہو، اسلام کی حمایت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہر قربانی کے لیے تیار رہتے ہیں، پھر ایسوں کے لیے فلاح وکامیابی نہ ہوگی تو اور کس کے لیے ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

جہاد ایمان کی بڑی علامت ہے

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: اس آیت میں یہ جو فرمایا گیا کہ ایمان والے جہاد کرتے ہیں اس میں منافقین کے بے ایمان اور کافر ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے صراحۃً کفر اختیار نہیں کیا مگر ان کا جہاد سے روگردانی کرنا ان کے بے ایمان ہونے کی علامت ہے۔

وفی الآیة تعریض بأن القوم لیسوا من الایمان باللّٰه تعالیٰ فی شیءٍ وان لم یعرضوا عنه صریحا اعراضهم عن الجهاد باستئذانهم فی القعود

یعنی آیت میں اشارہ ہے کہ منافقین میں بالکل ایمان نہیں ہے، اگرچہ انہوں نے صراحۃً ایمان سے روگردانی نہیں کی مگر گھر بیٹھنے کی اجازت مانگ کر جہاد سے روگردانی ان کے کافر ہونے کی علامت ہے۔ (روح المعانی)

مجاہدین کے لیے تین عظیم الشان انعامات

ان دو آیات میں مجاہدین کے لیے تین انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے:

❶ پہلا انعام

اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْخَیْرٰتُ کہ ان کے لیے بھلائیاں ہیں...... ان ’’خیرات‘‘ اور بھلائیوں سے کیا مُراد ہے؟

حضرات مفسرین کے کئی اقوال ہیں:

★ مُراد دونوں جہانوں کے فائدے اور بھلائیاں ہیں۔

تناول منافع الدارین لاطلاق اللفظ (المدارک)

★ دنیا میں نصرت اور غنیمت اور آخرت میں جنت اور اس کی نعمتیں۔

وظاهر اللفظ عمومها هنا لمنافع الدارین کا لنصر والغنیمة فی الدنیا والجنة ونعیمها فی الاخری (روح المعانی)

★ اس سے مُراد جنت کی حوریں ہیں۔ (فیهن خیرات حسان) (قرطبی)

★ مال غنیمت اور غلام، باندیاں مُراد ہیں۔

وقیل المراد بها الغنائم من الاموال والذراری (البحر المحیط)

★ خیرات میں جن بھلائیوں کا ذکر ہے اگلی آیت میں اس کی تفصیل ہے کہ وہ بھلائیاں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت تیار فرمائی ہے۔

وقیل اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تفسیر للخیرات اذھو لفظ مبھم (البحر المحیط)

حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اسی آخری قول کو اختیار کیا ہے۔

❷ دوسرا انعام

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کہ یہی لوگ کامیاب ہیں۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

المراد منه التخلص من العقاب والعذاب

کہ کامیابی سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر طرح کی سزا اور عذاب سے بچ جائیں گے۔ (تفسیر کبیر)

انوار البیان میں ہے:

"اس میں منافقین پر تعریض ہے جو یوں سمجھتے ہیں کہ ہم جو غزوہ میں ساتھ نہ گئے اور گرمی سے بچ گئے اس میں کامیابی ہے۔ درحقیقت یہ ان کی بے وقوفی ہے کیونکہ کامیابی جہاد فی سبیل اللہ میں ہے، جہاد چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانے میں نہیں ہے"۔ (انوار البیان)

❸ تیسرا انعام

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ (الآیۃ) کہ اللہ پاک نے ان کے لیے جنتیں تیار فرمائی ہیں جن میں نہریں چلتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

الذی لا فوز وراء ہ

ایسی کامیابی کہ اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی ہے ہی نہیں۔ (روح المعانی)

کیونکہ جنت کا ملنا اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی پختہ علامت ہے۔

نکتہ

ارشاد فرمایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جہاد کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی۔

محقق تھانویؒ نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ "مؤمنین کے ساتھ یہاں ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا مؤمنین کی ہمت افزائی وقدر افزائی کے لیے ہے کہ جہاد میں ان کا اخلاص بھی کامل ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاص اکمل ہے"۔ (ماجدی)

☆☆☆

سُورَةُ التَّوبَة مَدَنِيَّة آیت ٩٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ

اور بہانے کرنے والے دیہاتی آئے تاکہ انہیں رخصت مل جائے اور بیٹھ رہے

الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا جو ان میں سے کافر ہیں

مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾

عنقریب انہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔

خلاصہ

١ مدینہ منورہ سے باہر دیہاتوں میں رہنے والے لوگوں میں بھی منافقین موجود تھے، جب ان کو جہاد کے لیے بلایا گیا تو ان کا نفاق کُھل گیا۔

٢ جو لوگ ان میں سے اپنے کفر پر قائم رہیں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اَلْمُعَذِّرُوْنَ کون تھے؟

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اَلْمُعَذِّرُوْنَ وہ بدو اور دیہاتی تھے جنہوں نے اسلام کا دعویٰ کر رکھا تھا مگر جب ان کو جہاد کے لیے بلایا گیا تو وہ طرح طرح کے جھوٹے بہانے کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگنے لگے۔ کسی نے اپنی تنگ حالی اور کثرت عیال کا عذر کیا تو کسی نے اپنے مال و اولاد پر دشمنوں کے خطرے کا بہانہ بنایا...... اور قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سے وہ سینہ زور اور بے حیا منافق مراد ہیں جو اعلان جہاد کے بعد اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور انہوں نے جھوٹا عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی......

دوسرا قول یہ ہے کہ اَلْمُعَذِّرُوْنَ سے وہ مسلمان مراد ہیں جن کو واقعی کوئی عذر تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا عذر پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ جانے کی اجازت مرحمت فرما دی جبکہ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سے مراد منافقین ہیں اس قول کے مطابق عَذَابٌ اَلِيْمٌ کی وعید صرف انہی لوگوں کے لیے ہوگی، عذر پیش کرنے والوں کے لیے نہیں۔

حضرات مفسرین کے ان دو اقوال کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

''یعنی جس طرح مدینہ کے رہنے والوں میں منافقین بھی ہیں اور مخلصین بھی اسی طرح دیہاتی گنواروں میں ہر قسم

کے لوگ پائے جاتے ہیں، ان میں سے یہاں دو قسموں کا ذکر فرمایا۔ مخلص دیہاتیوں کا ذکر اس رکوع کے خاتمہ پر وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ الخ میں آئے گا یہاں دیہاتیوں کی جن دو جماعتوں کا ذکر ہے (معذِرون اور قاعدون) ان میں سے پہلی جماعت اَلْمُعَذِّرُوْنَ کے مصداق میں مفسرین سلف کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد جھوٹے بہانے بنانے والے منافق ہیں یا سچے عذر کرنے والے مسلمان، جو واقعی جہاد میں شرکت سے معذور تھے۔ اگر پہلی شق اختیار کی جائے (کہ معذرون سے مراد جھوٹے بہانے بنانے والے ہیں) تو آیت میں منافقین کی دو قسموں کا بیان ہوگا ''معذرون'' تو وہ ہوئے جو باوجود نفاق کے محض رسم ظاہر داری نباہنے کے لیے جھوٹے حیلے بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرتے تھے اور ''قاعدون'' سے وہ منافقین مراد ہوں گے جنہوں نے اوّل دعوائے ایمان میں جھوٹ بولا، پھر ظاہر داری کی بھی پروانہیں کی، جہاد کا نام سنکر گھروں میں بیٹھے رہے، بالکل بے باک و بے حیا ہو کر عذر کرنے بھی نہ آئے، اس تقدیر پر (یعنی اس قول کے مطابق) سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْهُمْ دونوں جماعتوں کو شامل ہوگا۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ دونوں جماعتوں میں سے اپنے کفر پر اخیر تک قائم رہیں گے ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔ جن کو توبہ کی توفیق ہو جائے گی وہ اس وعید کے نیچے داخل نہیں۔ اور اگر ''معذرون'' سے مراد مؤمنین مخلصین لیے جائیں جو واقعی معذور تھے تو ''قاعدون'' سے مراد منافقین ہوں گے اور سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ کی وعید صرف ان ہی کے حق میں ہوگی، پہلی جماعت کا ذکر گویا قبول عذر کے طور پر ہوگا''۔ (عثمانی)

معذرت کرنے والے

''انہوں نے خیال کیا تھا کہ جہاد سے بھی بچ جائیں گے اور مسلمان بھی رہیں گے، جب معلوم ہوا کہ ان کی قلعی کھل گئی ہے تو معذرت کے لیے آئے ہیں''۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

یعنی وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی کہلاتے رہیں اور جہاد میں بھی نہ جانا پڑے مگر ایسا نہ ہوا اور ان کے نفاق کا راز کھل گیا، پس جہاد کے ذریعہ معاشرے میں غلط لوگوں کے درمیان چھانٹی ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ٩١تا٩٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا

ضعیفوں پر اور مریضوں پر اور ان لوگوں پر جو نہیں پاتے جو

يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا

خرچ کریں کوئی گناہ نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ

عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿٩١﴾ وَّلَا عَلَى

خیر خواہی کریں نیکو کاروں پر کوئی الزام نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان لوگوں پر

الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ

بھی کوئی گناہ نہیں کہ جب وہ تیرے پاس آئیں کہ تو انہیں سواری دے تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں

عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا

کہ تمہیں اس پر سوار کردوں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کہ

يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۭ﴿٩٢﴾

ان کے پاس خرچ موجود نہیں تھا۔

خلاصہ

❶ یہ تین طرح کے لوگ اگر جہاد میں نہ نکلیں تو ان پر کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معذور قرار دے دیا ہے۔

(الف) کمزور جیسے بہت بوڑھے، نابینا، لنگڑے وغیرہ (ب) بیمار جن کو ایسا مرض ہو جس کے ہوتے ہوئے نکلنا اور لڑنا محال ہو (ج) فقیر جن کو جہاد میں جانے کے اسباب اور وسائل کسی بھی طرح میسر نہ ہوں۔ ان لوگوں پر کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص رہیں جس کی چند علامات ہیں مثلاً:

- ان کا ایمان بھی سچا ہو، اقرار بھی سچا ہو، جہاد میں شرکت کے جذبات بھی سچے ہوں، بس مجبوری کی وجہ سے رہ گئے ہوں، ان کے دلوں میں پوری سچائی کے ساتھ یہ بات ہو کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو ہم جہاد میں ضرور شریک ہوتے۔
- گھر بیٹھ کر دین اور جہاد کے خلاف کوئی شرارت نہ کریں اور جہاں تک ممکن ہو خیر خواہی کرتے رہیں۔ اور جہاد میں جانے والوں کی ہمت پست نہ کریں اور خوف کی خبریں نہ پھیلائیں۔
- پیچھے رہ کر جہاد اور مجاہدین کی جو خدمت کر سکتے ہوں کرتے رہیں۔

❷ اور ان لوگوں پر بھی کوئی حرج نہیں ہے جو دل وجان سے جہاد کا جذبہ رکھتے ہیں اور اسباب تیار کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں اور جب اسباب مہیا نہیں ہوتے تو وہ غم کی وجہ سے خوب آہ وزاری کرتے ہیں اور آنسو بہاتے ہیں۔

ایک دلنشین عبارت

ان دو آیات کی تفسیر اور ان کا منظر سمجھنے کے لیے ملاحظہ فرمایئے یہ عبارت جو مفسرین کے کلام کا نچوڑ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ

کہ وہ لوگ جو ضعیف ہیں اور جو لوگ مریض ہیں اور جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے، ان پر غزوہ میں شریک نہ ہونے کا کوئی گناہ نہیں۔ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سچے دل سے اور خلوص کے ساتھ حاضر ہوں، ان کا ایمان بھی سچا، اقرار بھی سچا، شرکت جہاد کے جذبات بھی سچے ہیں، مجبوری سے رہ گئے۔ ان کے دلوں میں پوری سچائی کے ساتھ یہ بات ہے کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو غزوہ میں ضرور ہی شریک ہوتے۔ انہوں نے عذر بنایا نہیں۔ واقعی معذور تھے۔

مزید فرمایا: مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ کہ جو لوگ نیکوکار ہیں ان پر کوئی الزام نہیں اور کوئی گرفت بھی نہیں وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ مخلصین اور محسنین کی کوتاہی کو معاف فرمادے گا۔

پھر فرمایا: وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ

اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سواری دے دیں ان کے جواب میں آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کرادوں، البدایہ والنہایہ ص ۵ ج ۵ میں لکھا ہے کہ سات افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواری طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے تھے، ان میں ❶ سالم بن عمیرؓ ❷ علیہ بن زیدؓ ❸ ابو لیلیٰ عبد الرحمن بن کعبؓ ❹ عمرو بن الحمامؓ ❺ معقل بن یسارؓ ❻ حرمی بن عبد اللہؓ ❼ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہم تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے دل سے پوری طرح تیار ہیں، آپ کے ساتھ سفر میں جانا چاہتے ہیں لیکن سواری نہ ہونے سے مجبور ہیں، آپ ہمیں سواری عنایت فرمادیں قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس کوئی سامان نہیں تا کہ تمہارے لئے سواری کا انتظام کردوں۔

تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ

(وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس وجہ سے آنسو بہہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کیلئے نہیں پاتے) اوّل تو یہ حضرات معذور تھے، واقعی معذوری ہی جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اور واقعی عذر کو بھی عذر نہ سمجھا اور انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں اور خود پیچھے رہ جائیں۔ وہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام فرمادیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہے تو اس پر بھی بس نہ کیا اور اپنے دلوں میں یوں نہ کہا کہ اب تو ہم

نے اپنی آخری کوشش کر لی اب جہاد میں نہ گئے تو کیا حرج ہے؟ وہ اپنی معذوری والی مجبوری پر رنجیدہ ہو رہے تھے۔ اور رنج بھی معمولی نہیں۔ ان کے چہروں پر آنسوؤں کی لڑی تھی اور وہ اس رنج میں گھلے جا رہے تھے کہ ہائے ہمارے پاس انتظام نہیں، انتظام ہوتا تو ہم ضرور ساتھ جاتے۔ اس موقع پر جہاں وہ لوگ موجود تھے جو جھوٹے عذر بنا بنا کر پیچھے ہٹ رہے تھے، ان میں وہ حضرات بھی تھے جو عذر ہوتے ہوئے بھی جہاد کی شرکت کے لیے تڑپ رہے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کے لیے کیسی کیسی قابل اقتداء روایات چھوڑی ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حضرات کے لیے سواری کا انتظام فرما دیا اور بعض حضرات کے لیے انتظام کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مغفل (رضی اللہ عنہما) کی راستہ میں حضرت یامین بن عمیر نضری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ یہ دونوں روتے ہوئے جا رہے تھے، یامینؓ نے دریافت کیا تم کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں تا کہ آپ کے ساتھ سفر میں جائیں۔ آپ ہمارے لئے سواری کا انتظام فرما دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی سواری نہیں تھی جو عنایت فرما دیتے، ہمارا رونا اسی وجہ سے ہے کہ شرکت جہاد سے رہے جاتے ہیں، اس پہ یامینؓ نے اپنی ایک اونٹنی عطاء فرما دی اور اپنے پاس سے بطور توشہ کھجوریں بھی دے دیں اور علیہ بن زیدؓ کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ رات کو نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے اور یوں دعاء کی کہ اے اللہ! آپ نے جہاد کا حکم فرمایا اور اس میں شریک ہونے کی ترغیب دی پھر مجھے مال نہیں دیا جس سے میں جہاد کی شرکت کے لیے قوت حاصل کر لیتا اور نہ آپ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس وقت) مال عطاء فرمایا تا کہ میرے لئے سواری کا انتظام فرما دیتے۔ اب میں جہاد سے محرومی کے بدلہ میں یہ کرتا ہوں کہ جس کسی مسلمان سے مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہے یا کسی کا مجھ پر کوئی مالی حق ہے میں اسے معاف کرتا ہوں۔ جب صبح ہوئی رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ اس رات کس نے صدقہ دیا؟ کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات جس نے صدقہ دیا ہو وہ کھڑا ہو جائے۔ اس پر علیہ بن زیدؓ کھڑے ہوئے اور اپنا حال بتایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارے لئے مقبول زکوٰۃ کا ثواب لکھا گیا ہے۔

غزوۂ تبوک میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے چند افراد نے بھی حضرت ابو موسیٰؓ کے واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام کیا جائے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے چھ اونٹوں کا انتظام فرما دیا۔ (ایضاً ص ۶ ج ۵) (انوار البیان)

معذور کون؟

ان آیات کی روشنی میں حضرات مفسرین نے معذورین کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

❶ کمزور ❷ بیمار ❸ جن کے پاس اسباب نہ ہوں ❹ جن کے پاس توشہ تو ہو مگر سواری نہ ہو اور جہاد ایسا ہو کہ

بغیر سواری کے جانا ممکن نہ ہو۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر حقانی میں عورتوں کو بھی معذورین کی مستقل قسم میں شمار کیا گیا ہے۔ (تفسیر حقانی)

معذورین کا مسئلہ سمجھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

''جھوٹے عذر کرنے والوں کے بعد سچے معذورین کا بیان فرماتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ عذر تو کبھی شخصی طور پر لازم ذات ہوتا ہے مثلاً بڑھاپے کی کمزوری جو عادۃً کسی بھی طرح آدمی سے جدا نہیں ہوسکتی اور کبھی (عذر) عارضی ہوتا ہے پھر ''عارضی'' (کی دو قسمیں ہیں) ❶ بدنی جیسے بیماری وغیرہ ❷ مالی جیسے افلاس اور اسباب سفر کا نہ ہونا۔ چونکہ غزوۂ تبوک میں مجاہدین کو بہت دور دراز مسافت طے کرکے پہنچنا تھا، اس لئے سواری نہ ہونے کا عذر بھی معتبر و مقبول سمجھا گیا، یعنی جو لوگ واقعی معذور ہیں اگر ان کے دل صاف ہوں اور خدا اور رسول کے ساتھ ٹھیک معاملہ رکھیں مثلاً خود نہ جاسکتے ہوں تو جانے والوں کی ہمتیں پست نہ کریں بلکہ اپنی طاقت کے مطابق نیکی کرنے اور اخلاص کا ثبوت دینے کے لیے مستعد رہیں، ان پر جہاد کی عدمِ شرکت سے کچھ الزام نہیں۔ (عثمانی، تسہیل)

معذور لوگ پیچھے رہ کر کیا کریں؟

جو لوگ واقعی سچے معذور ہیں ان کو جہاد میں نہ جانے کا کوئی گناہ نہیں ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل سے صاف رہیں۔ ملاحظہ فرمائیے اس شرط کی تفصیل کے بارے میں چند عبارتیں:

❶ وہ گھر بیٹھ کر خوف کی خبریں، فتنہ اور کم ہمتی نہ پھیلائیں اور اطاعت سے روگردانی نہ کریں۔

إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فی حال قعودهم، بعدم الارجاف والتثبيط والطاعة (جلالین)

❷ امام رازیؒ لکھتے ہیں:

إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ معناه انهم اذا اقاموا فی البلد احترزوا عن القاء الاراجيف وعن اثارة الفتن وسعوا فی ايصال الخير الى المجاهدين الذين سافروا اما بان يقوموا باصلاح مهمات بيوتهم واما بان يسعوا فی ايصال الاخبار السارة من بيوتهم اليهم، فان جملة هذه الامور جارية مجرى الاعانة على الجهاد (تفسیر کبیر)

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل سے صاف رہنے کا مطلب یہ ہے کہ

وہ معذور افراد جب پیچھے رہ جائیں تو خوف کی خبریں اور فتنہ پھیلانے سے بچیں اور جو مجاہدین جہادی سفر پر جاچکے ہیں انکو بھلائی پہنچانے کی کوشش کریں اور وہ اس طرح کہ یا تو ان کے گھروں کی دیکھ بھال کریں یا ان تک ان کے گھروں کی اچھی خبریں پہنچاتے رہیں۔

پس یہ تمام امور ان کے لیے جہاد میں اعانت کے قائم مقام ہوجائیں گے۔

❸ حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

ہاں جو واقعی معذور ہیں ان پر کوئی الزام نہیں ہے بشرطیکہ وہ گھر بیٹھے ہوئے شرارت نہ کریں اور جہاں تک ممکن ہو خیر خواہی کرتے رہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

قرآن پاک کا اعجاز

جو لوگ معذور ہو کر جہاد سے بیٹھ جاتے ہیں شیطان ان پر حملہ آور ہوتا ہے اور انہیں طرح طرح کے وساوس اور فتنوں میں ڈالتا ہے۔ انسان کی کمزوری ہے کہ اس کی ایک محرومی دوسری محرومی کو جنم دیتی ہے، پس جو لوگ جہاد سے محروم ہو جاتے ہیں شیطان ان کو مزید کئی محرومیوں میں ڈالتا ہے اور وہ ان کو فتنوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ قرآن پاک نے ابتداء ہی سے اس غلطی کا علاج بتا دیا اور ازالہ فرما دیا۔ جو لوگ معذور ہو کر گھر بیٹھنے والے افراد کے حالات جانتے ہیں ان کو بخوبی علم ہے کہ قرآن پاک کا یہ حکم کس قدر حکیمانہ اور معجزانہ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کچھ تذکرہ جہاد کے مخلص عاشقوں کا

قرآن پاک نے سورۃ توبہ کی آیت ❾❷ میں جہاد کے سچے عاشقوں کا عجیب تذکرہ فرمایا ہے، یہ لوگ معذور تھے، ان کے پاس سواری نہیں تھی مگر وہ شوق جہاد میں بلک بلک کر، تڑپ تڑپ کر رو رہے تھے۔

❶ ایک طرف منافقین تھے جو اسباب ہونے کے باوجود جھوٹے بہانے بنا رہے تھے اور ایک طرف یہ مخلص عاشقینِ جہاد تھے کہ معذور ہونے کے باوجود غم اور بے چینی سے آنسو بہا رہے تھے۔

❷ لوگ مصیبتوں، تھکاوٹوں اور سختیوں سے بچنے کے لیے ہر محنت کرتے ہیں جبکہ اسلام کے یہ بیٹے خود کو جہاد، گرمی اور سفر کی تکلیف میں ڈالنے کے لیے رو رہے تھے۔

یہ لوگ بھی کہہ سکتے تھے کہ جہاد لغت میں محنت کو کہتے ہیں اور ہم مدینہ میں رہ کر محنت کر کے جہاد کا ثواب لے لیتے ہیں مگر وہ دین کو سمجھنے والے صحابہ کرامؓ تھے ان کے پاس نہ جانے کا سچا عذر بھی تھا، مگر پھر بھی ان کی آہیں اور نالے آسمان کو ہلا رہے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جہاد کیا ہے اور جہاد میں کتنی فضیلت ہے۔

❸ ان کے آنسو سچے تھے، اللہ پاک نے ان کو اتنا پسند فرمایا کہ ان کے آنسوؤں کا تذکرہ قرآن پاک کا حصہ بنا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر جہاد کے دوران انہیں یاد رکھا اور فرمایا کہ وہ ہمارے اجر میں شریک ہیں۔

❹ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو پوری امت مسلمہ کی طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے کہ ان کے آنسو آج تک جہاد کے مسئلے پر پڑنے والے ہر تحریفی غبار کو دھو کر رکھ دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جوتے دے دیجئے ہم پیدل دوڑتے جائیں گے

مفسرین نے لکھا ہے کہ ان حضرات میں سے بعض نے یہاں تک عرض کیا کہ ہمیں سواری نہیں ملتی تو کوئی حرج نہیں ہمیں چمڑے کے موزے اور جوتے مل جائیں تو ہم مجاہدین کے اونٹوں کے ساتھ دوڑتے جائیں گے۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

فکانھم قالوا: احملنا علیٰ ما یتیسر او المراد احملنا ولو علی نعالنا واخفافنا (روح المعانی)

تفسیر مظہری میں ہے:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ (جن لوگوں کے پاس سواریاں نہ تھیں ان) لوگوں نے یہ خواہش کی تھی کہ ہم کو پیوند لگے موزے اور مرمت کی ہوئی جوتیاں عنایت کردیجئے تاکہ ہم آپ کے ساتھ دوڑ سکیں۔ (مظہری)

ان کے آنسو نہیں گویا کہ غم سے ان کی آنکھیں بہہ رہی تھیں

اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ: یہ جملہ بہت بلیغ ہے کہ اس میں آنکھ ہی کو بہتا ہوا آنسو بنادیا گیا۔ (مفہوم ماجدی)

اللہ، اللہ جہاد کتنی بڑی چیز ہے، صحابہ کرامؓ اس کو سمجھتے تھے اس لئے اس سے محرومی کے غم کی وجہ سے ان کے آنسو اس قدر بہہ رہے تھے کہ گویا آنکھیں ہی بہہ جائیں گی اسی وجہ سے ان کا نام ''البکاؤن'' یعنی بہت رونے والے پڑ گیا۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

فَسُمّوا البکّائین۔ (القرطبی)

سات بھائی، ساتوں صحابی، ساتوں مجاہد

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ایک قول کے مطابق یہ آیت سات بھائیوں کے متعلق نازل ہوئی یہ سب ''مقرن'' کے بیٹے تھے، ان کے اسماء گرامی یہ تھے:

❶ نعمان ❷ معقل ❸ عقیل ❹ سوید ❺ سنان ❻ عبداللہ ❼ عبدالرحمٰن

رضی اللہ عنہم اجمعین

یہ سب ''صحابی'' تھے اور ان کے علاوہ یہ شرف کسی کو حاصل نہیں کہ سات بھائی صحابی ہوں۔ انہوں نے ہجرت کی اور یہ ساتوں بھائی غزوۂ خندق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے۔

وقیل نزلت فی بنی مقرن وعلیٰ ھذا جمھور المفسرین۔ وکانوا سبعۃ اخوۃ کلھم صحبوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیس فی الصحابۃ سبعۃ اخوۃ غیرھم

ھاجروا وصحبوا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ وقد قیل انھم شھدوا الخندق کلھم (القرطبی)

تنبیہ: جن حضرات کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں ان کی تعیین میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، ملاحظہ فرمائیے قرطبی، ابن کثیر، مظہری، روح المعانی

اس پر روتے تھے کہ قربانی سے رہ گئے

''شدّت درد وغم سے بے اختیار ہو کر رونے لگتے تھے۔ کس بات پر؟ اس پر کہ عیش وراحت میں انہیں حصہ نہیں

ملا؟ نہیں، اس پر کہ راہِ حق کی مصیبتوں اور قربانیوں میں شریک ہونے سے رہ گئے“۔ (ترجمان القرآن)

ان کے آنسو آج بھی زندہ ہیں

”ان کے درد وغم کا یہ حال تھا کہ ”البکائین“ کے نام سے مشہور ہوگئے تھے، یعنی بہت رونے والے (ابن جریرؒ)
سبحان اللہ، ان چند آنسوؤں کی قدر وقیمت جو ایمان کی تپش سے بہے تھے کہ ہمیشہ کے لیے ان کا ذکر کتاب اللہ نے محفوظ کردیا۔ آج بھی کہ تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں، ممکن نہیں ایک مؤمن یہ آیت پڑھے اور ان آنسوؤں کی یاد میں خود اسکی آنکھیں اشکبار نہ ہوجائیں“۔ (ترجمان القرآن)

”قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو، پہلے بے مقدوروں (یعنی معذور لوگوں) کا ذکر ہوچکا تھا لیکن خصوصیت کے ساتھ پھر ان کا ذکر کیا اور ان کی محبت ایمانی کی تصویر کھینچ دی تاکہ نفاق کے مقابلہ میں ایمان کا بھی ایک مرقع سامنے آجائے یعنی یا تو وہ ہیں کہ قدرت رکھنے پر بھی حیلے بہانے نکالتے ہیں۔ یا یہ ہیں کہ مقدرت (یعنی قدرت) نہ رکھنے پر بھی دل کی لگن چین سے بیٹھنے نہیں دیتی آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک رہی ہے“۔ (ترجمان القرآن)

”کوئی ہے جو ایسی مثال لائے“

”سبحان اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں عشق الٰہی کا وہ نشہ پیدا کیا تھا جس کی مثال کسی قوم وملت کی تاریخ میں موجود نہیں۔ مستطیع اور مقدور (یعنی استطاعت اور قدرت رکھنے) والے صحابہ کو دیکھو تو جان ومال سب کچھ خدا کے راستے میں لٹانے کو تیار ہیں اور سخت سے سخت قربانی کے وقت بڑے ولولہ اور اشتیاق سے آگے بڑھتے ہیں (اور) جن کو مقدور (یعنی قدرت) نہیں وہ اس غم میں رو رو کر جان کھوئے لیتے ہیں کہ ہم میں اتنی استطاعت کیوں نہ ہوئی کہ اس محبوب حقیقی کی راہ میں قربان ہونے کے لیے اپنے کو پیش کر سکتے، حدیث صحیح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم مدینہ میں ایک ایسی قوم کو پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہر قدم پہ تمہارے اجر میں شریک ہے، تم جو قدم خدا کے راستے میں اٹھاتے ہو یا کوئی جنگل قطع کرتے ہو یا کسی پگڈنڈی پر چلتے ہو، وہ قوم برابر ہر موقع پر تمہارے ساتھ ساتھ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں واقعی مجبوریوں نے تمہارے ہمراہ چلنے سے روکا حسنؒ کے ”مرسل“ میں ہے کہ یہ مضمون بیان فرما کر آپ نے یہی آیت وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ الخ تلاوت فرمائی“۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

امام قرطبیؒ نے ان آیات کی تفسیر میں ان صحابہ کرام کا والہانہ تذکرہ بھی فرمایا ہے جو مستقل معذور ہونے کے باوجود جہاد میں نکلے جیسے نابینا صحابی حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور پاؤں سے معذور صحابی حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ۔ طلبہ علم تفسیر قرطبی میں ملاحظہ فرمالیں۔

☆☆☆

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۹۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا

الزام ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہیں اور تم سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ اس بات سے وہ خوش

بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ

ہیں کہ پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ رہ جائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

پس وہ نہیں سمجھتے۔

خلاصہ

گناہ اور سزا تو ان لوگوں کے لیے ہی ہے جو جہاد کی استطاعت اور طاقت رکھتے ہیں...... مگر اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ وہ عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے پس وہ جہاد کے دنیوی اور اخروی فائدوں کو نہیں جانتے۔

گناہ اور سزا کے مستحق

اِنَّمَا السَّبِيْلُ ای العقوبة والماثم

یعنی سزا اور گناہ ان لوگوں پر ہے جو طاقت کے باوجود جہاد سے جی چرا رہے ہیں۔ (القرطبی)

''الزام فقط ان لوگوں پر ہے جو استطاعت رکھتے ہیں، صحیح سالم ہیں اور پھر جانے سے جی چراتے ہیں''۔ (حضرت لاہوریؒ)

''یعنی باوجود قدرت واستطاعت جہاد سے پہلوتہی کرتے ہیں اور نہایت بے حمیتی سے یہ عار گوارا کرتے ہیں کہ عورتوں کی طرح گھر میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں''۔ (عثمانی)

دلوں پر مہر ہے اس لئے جہاد کے فوائد نہیں سمجھتے

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ما يترتب على الجهاد من منافع الدين والدنيا

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے پس وہ نہیں جانتے کہ جہاد میں دین اور دنیا کے کیا کیا فائدے ہیں۔ (البحر المحیط)

امام رازیؒ عجیب نکتہ لکھتے ہیں:

یعنی ان السبب فی نفرتهم عن الجهاد هو ان الله طبع علی قلوبهم فلاجل الطبع لا یعلمون ما فی الجهاد من منافع الدین والدنیا

یعنی منافقین کی جہاد سے نفرت کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے پس اسی مہر کی وجہ سے وہ جہاد کے دینی اور دنیوی فوائد کو نہیں جانتے۔ (تفسیر کبیر)

سُوْرَةُ التَّوْبَة مَدَنِيَّة آیت ٩٦،٩٥،٩٤

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا

جب تم ان کی طرف واپس جاؤ گے تو تم سے عذر کریں گے کہہ دو عذر مت کرو

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى

ہم تمہاری بات ہرگز نہیں مانیں گے تمہارے سب حالات اللہ تعالیٰ ہمیں بتا چکا ہے اور ابھی

اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارے کام کو دیکھے گا پھر تم غائب اور حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا

سو وہ تمہیں بتادے گا جو تم کررہے تھے۔ جب تم ان کی طرف پھر جاؤ گے تو تمہارے

انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ

سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو سو تم ان سے درگزر کرو بے شک وہ پلید ہیں

وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ

اور جو کام کرتے رہے ہیں ان کے بدلے ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ وہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں

لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ

کھائیں گے تاکہ تم ان سے خوش ہوجاؤ اگر تم ان سے خوش بھی ہو جاؤ تو بھی اللہ تعالیٰ

الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

نافرمانوں سے خوش نہیں ہوتا۔

خلاصہ

❶ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مجاہد صحابہ کرامؓ غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائیں گے تو پیچھے رہ جانے والے منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جھوٹے عذر پیش کریں گے کہ ہم فلاں عذر کی وجہ سے نہیں جا سکے تھے۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدینہ واپسی پر منافقین نے جھوٹے عذر پیش کیے)

❷ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمادیں کہ ہم تمہاری ان باتوں کو سچا نہیں مان سکتے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے حالات کی پوری خبر دے دی ہے۔

❸ اب آئندہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے (توبہ کرلی تو ٹھیک ہے ورنہ لوگوں کے سامنے تمہارے حالات آتے رہیں گے اور تمہاری ذلت ہوتی رہے گی)

❹ اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جاؤ گے، اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز اور بات کو جانتا ہے وہ تمہیں تمہارے کرتوتوں کی خبر دے دے گا۔

❺ منافقین مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھائیں گے اور قسمیں کھا کر اپنی صفائی اور آئندہ کی وفاداری کا اعلان کریں گے تاکہ مسلمان ان سے اعراض اور درگذر کا معاملہ کریں۔ پس مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ ان سے اعراض کریں یعنی ان کو تنبیہ نہ کریں اور سزا نہ دیں کیونکہ وہ سراپا گندگی ہیں ان کی اصلاح کا امکان نہیں ہے وہ اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم کے مستحق بن چکے ہیں۔ یا مسلمان ان سے اعراض کریں یعنی قطع تعلق کرلیں کیونکہ وہ سراپا نجاست ہیں اور جہنمی ہیں تو ایسے لوگوں سے دوستی اور اختلاط نہیں رکھنا چاہئے۔

❻ منافقین قسمیں کھا کر مسلمانوں کو اپنے سے راضی کرنے کی کوشش کریں گے مسلمانوں کو ان سے راضی نہیں ہونا چاہئے، اگر بالفرض مسلمان ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں سے راضی نہیں ہوتا۔

شانِ نزول

ان آیات کے شانِ نزول اور ان منافقین کی تعداد کے بارے میں چند اقوال ملاحظہ فرمائیں:

❶ ''صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ آیت جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ اسی آدمی تھے جو اپنے نفاق کی وجہ سے تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ اٹھیں بیٹھیں اور نہ ان سے بات کریں (یہ حکم فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ پر عمل کرنے کے لیے تھا)''۔ (انوار البیان)

❷ ''ذکر انہی منافقین مخلفین کا چل رہا ہے جو صاحب مقدرت بھی تھے اور تندرست ہٹے کٹے بھی اور عذر نہ افلاس کا پیش کر سکتے تھے اور نہ بیماری کا۔

وھم اغنیاء اصحاء لاعذر بھم (المنار)

طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ ایسے منافقین تعداد میں ۸۲ تھے۔

نزول آیت کا زمانہ سفر تبوک کا زمانہ ہے، یہ بات بہ طور پیش خبری فرمائی جارہی ہے کہ جب لشکر اسلام مدینہ واپس پہنچے گا تو منافقین اپنے طرح طرح کے عذر پیش کریں گے کوئی کہے گا ہم بیمار تھے اور کوئی کہے گا ہم نادار تھے وقس علیٰ ھذا''۔ (ماجدی)

❸ ''بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت جد بن قیس، معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ان کی مجموعی تعداد اسی تھی اور سب کے سب منافق تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کردو اوران سے بات چیت بھی نہ کرو مقاتل نے کہا کہ اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی کے بارے میں ہوا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا، آپ مجھ سے راضی ہوجائیں قسم کھاتا ہوں اس اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں (کسی جہاد میں) آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا (ہر جہاد میں شریک ہوں گا)"۔ (مظہری)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

حلف عبداللہ بن ابی ان لا یتخلف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلك وطلب ان یرضٰی عنه (القرطبی)

فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ‌ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ‌

پس تم ان سے اعراض کرو بے شک وہ ناپاک ہیں (گندے اور پلید ہیں)

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

قال ابن عباس رضی اللہ عنهما: یرید ترك الکلام والسلام قال مقاتلؒ: قال النبی صلی اللہ علیه وسلم حین قدم المدینة لا تجالسوهم ولاتکلموهم قال اهل المعانی: هؤلآء طلبوا اعراض الصفح، فاعطوا اعراض المقت (تفسیر کبیر)

امام رازیؒ کے اسی کلام سے ملتی جلتی یہ عبارات ملاحظہ فرمائیں:

❶ "وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض کرو اور درگذر کرنے کا معاملہ کرو۔ اعراض تو تم کرلینا لیکن رضامندی کے طور پر نہیں بلکہ ناراضگی والا اعراض کیونکہ یہ لوگ ناپاک ہیں ان کے عقائد واعمال گندے ہیں"۔ (انوار البیان)

❷ وہ لوگ بالکل گندے ہیں۔ یعنی ان کے باطن گندے ہیں اس لئے ان سے اُنسیت بڑھانا اور ان کی صحبت اختیار کرنا جائز نہیں اور چونکہ ان میں پاک ہونے اور پاکیزہ بننے کی صلاحیت وقابلیت ہی باقی نہیں رہی اس لئے ان کو عتاب وسرزنش بھی نہ کرو عتاب کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ وہ توبہ پر آمادہ ہوجائیں اور پچھلی حرکتوں سے رجوع کر کے آئندہ کے لیے عہد کرلیں اور پاک ہوجائیں مگر توبہ کرنے اور پاک ہونے کی جب ان میں صلاحیت ہی نہیں رہی تو عتاب لاحاصل ہے۔ (مظہری)

❸ یعنی اچھی بات ہے، ان کی خواہش پوری کردو اور ان کی طرف التفات بھی نہ کرو، تعرض سے مقصود تو اصلاح ہوتی ہے، سو اس کی کوئی توقع ہی ان کے خبث کی بناء پر نہیں

لکن لا اعراض رضا کما طلبوا بل اعراض اجتناب (روح)

یہ ایک کرشمہ ہے قرآنی بلاغت کا کہ منکروں ہی کے لفظ "اعراض" کو الٹ کر اس کو بالکل ہی دوسرے مفہوم میں

لے لیا۔(ماجدی)

مسلمانوں کی فتح کے بعد منافقین کا طرز عمل

جہاد میں جانا ہو، سامنے دشمن طاقتور ہو اور راستہ لمبا ہو تو منافقین اپنی آنکھیں پھیر لیتے ہیں اور جہاد کرنے والے مسلمانوں سے خود کو الگ کر لیتے ہیں اور مجاہدین پر خوب اعتراضات کرتے ہیں...... لیکن جب مجاہدین فتح مند ہو کر واپس آ جائیں تو منافقین کا طرز عمل ایک دم بدل جاتا ہے...... اب وہ استقبال کرتے ہیں، ملنے آتے ہیں، قسمیں کھا کھا کر اپنی محبت اور وفاداری جتلاتے ہیں، اور مجاہدین سے قریبی تعلق بنانے کی کوشش کرتے ہیں...... قرآن پاک نے یہ پورا نقشہ ان تین آیات میں دکھا دیا اور مجاہدین کو سمجھا دیا کہ ان لوگوں سے بچ کر رہیں اور ہوشیار رہیں...... قرآن پاک کا بتایا ہوا یہ نقشہ ہر دور میں مسلمانوں کے سامنے آتا رہتا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۹۷، ۹۸، ۹۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ

دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام اللہ تعالیٰ نے اپنے

مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۹۷﴾ وَ مِنَ

رسول پر نازل فرمائے ہیں ان سے واقف نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور بعض

الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ

دیہاتی ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تم پر زمانہ کی گردشوں کا

الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیْہِمْ دَآئِرَۃُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۹۸﴾ وَ

انتظار کرتے ہیں انہی پر بری گردش آئے اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور

مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ

بعضے دیہاتی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے

قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّہَا قُرْبَۃٌ لَّہُمْ ؕ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں خبردار بیشک وہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے

سَیُدْخِلُہُمُ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۹﴾

عن قریب انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ

غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین کا نفاق سب کے سامنے کھل گیا اور سورۃ التوبہ نے ان کے تمام حالات اور ان کی اقسام کھول کھول کر بیان فرما دیں اسی سلسلے میں یہ تین آیات بھی ہیں۔ ان میں سے پہلی دو آیات میں دیہاتوں میں بسنے والے سخت قسم کے منافقوں کا بیان ہے مثلاً بنو اسد، غطفان وغیرہ جبکہ تیسری آیت میں دیہاتوں میں بسنے والے مخلص مسلمانوں کا تذکرہ ہے مثلاً بنو مقرن اور مزینہ وغیرہ......

شانِ نزول

امام ابو حیان پہلی دو آیات کے متعلق فرماتے ہیں:

نزلت فی اعراب اسد و غطفان و تمیم

کہ یہ آیات قبیلہ اسد، غطفان اور تمیم کے منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں۔ (البحر المحیط) یہ سخت قسم کے منافق تھے اور غزوۂ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔

امام ابوحیان آیت ۹۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قیل هم اسد وغطفان قالوا: ان لنا عیالاً وان بنا جهدا فاذن لهم فی التخلف. (البحر المحیط)

اور تیسری آیت یعنی آیت ۹۹ کے بارے میں فرماتے ہیں:

نزلت الآیة فی بنی مقرّن من مزینة. (البحر المحیط)

یہ مسلمان دیہاتی تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے پوری طرح فیض یاب تھے۔

تین آیات کی مختصر تفسیر

”ان آیات میں اعراب یعنی دیہات کے رہنے والوں کا حال بتایا ہے اوّل تو یہ بتایا کہ دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور علم کے ماحول سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا یہی حال ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انہیں علم نہ ہو، جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے، ایمان ویقین اور علم وعمل کے ماحول میں رہیں تو کفر سے بچیں اور نفاق سے بھی، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھی جانیں، لیکن مرکز علم وعمل سے دوری کی وجہ سے ان میں کفر شدید ہے اور نفاق اور جہالت میں بھی آگے آگے ہیں۔

قال صاحب الروح (ص ٤ ج ١١) اشد کفرا ونفاقا من اهل الحضر (الکفار والمنافقین) لتوحشهم وقساوة قلوبهم وعدم مخالطتهم اهل الحکمة وحرمانهم استماع الکتاب والسنة وهم اشبه شیء بالبهائم.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: دیہاتوں کے کفار ومنافقین اپنے کفر اور نفاق میں سخت اس لئے ہیں کہ ان کی طبیعت نامانوس ہے اور ان کے دل سخت ہیں اور اہل علم سے میل نہ ہونے کی وجہ سے اور کتاب وسنت کے سننے سے محروم ہونے کی وجہ سے اور وہ چوپایوں کے بہت زیادہ مشابہ ہیں)۔ دیہاتیوں میں عموماً سخت مزاجی ہوتی ہے۔ سنن ابوداؤد (باب فی اتباع الصید) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سکن البادیة جفا و من اتبع الصید غفل ومن اتی السلطان افتتن

(جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت مزاج ہوا اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا اور جو شخص صاحب اقتدار کے پاس آتا جاتا رہا وہ فتنے میں پڑ گیا) درحقیقت دیہات کا مزاج ہی ایسا ہے کہ طبیعت میں سختی آجاتی ہے اور علم سے دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے عمل سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اس کے بعد دیہاتیوں کی دو قسمیں بتائیں، ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو جہاد وغیرہ میں کچھ خرچ کر دیتے ہیں تو اسے ایک قسم کا جرمانہ اور تاوان سمجھتے ہیں کیونکہ ثواب کے امیدوار

نہیں اس لئے یہ خرچ ان کے نفسوں پر شاق گزرتا ہے جیسے خواہ مخواہ کا تاوان بھگت رہے ہوں اور اس بخل کی صفت کے ساتھ ان کی عداوت کا یہ عالم ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے گردشوں (یعنی حادثات) کے منتظر رہتے ہیں کہ ان پر کوئی گردش پڑ جائے جس سے ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ (انہی لوگوں پر بری گردش پڑنے والی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا، فتوحات ملتی چلی گئیں، مسلمانوں کی ترقی ہوتی چلی گئی، ممالک فتح ہوئے، منافق اور کافر ذلیل ہوئے، اپنی امیدوں میں ناکام ہوئے اور ان کی آرزوئیں جو مسلمانوں کے خلاف تھیں دل ہی دل میں رہ گئیں وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ ان کے کفر و نفاق کی باتیں سننے والا ہے اور ان کے احوال کو اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو جاننے والا ہے) ان کے احول اور اعمال کے مطابق سزا دے گا۔

دیہاتیوں کی دوسری قسم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (الآیة)

اور دیہاتیوں میں بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور ان کا مقصد اجر و ثواب حاصل کرنا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں لینا ہے۔ لہٰذا جو مال خرچ کرتے ہیں بطور تاوان بددلی کے ساتھ نہیں بلکہ پوری بشاشت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کے اموال جو خرچ ہوتے ہیں واقعی وہ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کا سبب ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں رحمت میں داخل فرمائے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور ہے، رحیم ہے۔ (انوار البیان)

ایمان والے دیہاتی جہاد میں خوشی سے مال لگاتے ہیں

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ فی الجهاد والصدقات قربات اسبابا للقربة عِنْدَ اللّٰهِ

یعنی ایمان والے دیہاتی جہاد اور صدقات میں مال خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (المدارک)

جہاد کی برکت سے کافر و منافق رسوا ہوئے

''اور ان مذکورہ منافقین دیہاتیوں میں سے بعض بعض ایسا ہے کہ کفر و نفاق و جہل کے علاوہ بخل و عداوت (یعنی مسلمانوں سے دشمنی) کے ساتھ بھی موصوف ہے حتیٰ کہ جو کچھ جہاد، زکوٰۃ وغیرہ کے مواقع میں مسلمانوں کی شرما شرمی (میں) خرچ کرتا ہے اس کو مثل جرمانہ سمجھتا ہے یہ تو بخل ہوا اور عداوت یہ ہے کہ مسلمانوں کے واسطے زمانہ کی گردشوں کا منتظر رہتا ہے کہ کہیں ان پر کوئی حادثہ پڑ جائے تو ان کا خاتمہ ہو، سو برا وقت انہی منافقین پر پڑنے والا ہے۔ چنانچہ فتوحات کی وسعت ہوئی، کفار ذلیل ہوئے ان کی ساری حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں اور تمام عمر رنج اور خوف میں کٹی''۔ (بیان القرآن)

☆☆☆

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۰۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

اور جو سابق اور مقدم ہیں مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ لوگ جو نیکی میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں

بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے ان کیلئے ایسے باغ تیار کیے ہیں

تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

خلاصہ

۱. ایمان، ہجرت اور نصرت میں سبقت کرنے والے حضرات صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول جماعت ہیں
۲. جو بھی قیامت تک ان مقبول حضراتؓ کی اخلاص کے ساتھ اور حسنِ عقیدت کے ساتھ پیروی کرے گا وہ بھی کامیاب ہے
۳. اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کے مخلص پیروکاروں سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں
۴. اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ یہ کامیابی اپنی رضا اور جنت کی صورت میں عطاء فرمائے گا

آیت مبارکہ کے مضامین

حضرات مفسرین کرام نے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں کئی مضامین بیان فرمائے ہیں، مثلاً:

۱. سابقین اوّلین سے مراد کون حضرات ہیں؟
۲. احسان کے ساتھ اتباع کرنے کا کیا مطلب ہے؟
۳. آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام کامیاب اور جنتی ہیں
۴. آیت مبارکہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خاص فضیلت ثابت ہوتی ہے اور آپ کے برحق خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (بلا فصل) ہونے کا ثبوت ملتا ہے
۵. حضرات صحابہ کرامؓ پر کسی بھی طرح کی طعن وتشنیع اور اعتراض بازی جائز نہیں ہے
۶. اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے
۷. حضرات مہاجرینؓ کے فضائل اور ان کے درجات

❽ حضرات انصارؓ کے فضائل اور ان کے درجات

❾ حضرات تابعینؒ کے فضائل اور ان کے درجات

ان نو مضامین کی تفصیل دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر کبیر، روح المعانی، البحر المحیط، عثمانی، بیان القرآن، حاشیہ حضرت لاہوریؒ، ماجدی طلبہ علم اگر قرطبی، کبیر، ابن کثیر اور روح المعانی دیکھ لیں تو انشاء اللہ یہ تمام مضامین ان چار تفاسیر میں مدلّل مل جائیں گے۔

آیت مبارکہ کی جامع تفسیر

❶ حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

مہاجرین اور انصار بارگاہِ الٰہی کی مقبول جماعت ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

❷ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

جنگ بدر تک جو مسلمان ہوئے ہیں وہ قدیم ہیں اور باقی ان کے تابع ہیں۔ (موضح القرآن)

❸ حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

''اعراب مؤمنین'' یعنی دیہاتی مسلمانوں کے تذکرہ کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ بڑے اور زعماء مؤمنین کا کچھ ذکر کیا جائے، یعنی جن مہاجرین نے ہجرت میں سبقت اور پہل کا شرف حاصل کیا اور جن انصار نے نصرت واعانت میں پہل کی، غرضیکہ جن لوگوں نے حق کو قبول کرنے اور اسلام کی خدمت کرنے میں جس قدر آگے بڑھ چڑھ کر حصے لیے اور پھر جو لوگ نیک کرداری اور اخلاص سے ان پہلے مسلمانوں کی پیروی کرتے رہے ان سب کو درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور حقیقی کامیابی حاصل ہو چکی۔ جیسے انہوں نے پوری خوشدلی اور دل کی رغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کی تقدیر کے سامنے گردنیں جھکا دیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رضا اور خوشنودی کا پروانہ دیکر غیر محدود انعام واکرام سے سرفراز فرمایا۔

تنبیہ

مفسرین سلف کے اقوال ''اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' کی تعیین میں مختلف ہیں بعض نے کہا ہے کہ وہ مہاجرین وانصار مراد ہیں جو ہجرت سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، بعض کے نزدیک وہ مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں (کعبہ وبیت المقدس) کی طرف نماز پڑھی، بعض کہتے ہیں کہ جنگ بدر تک کے مسلمان ''سابقین اوّلین'' ہیں، بعض حدیبیہ تک اسلام لانے والوں کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ تمام مہاجرین وانصار اطراف کے مسلمانوں اور پیچھے آنے والی نسلوں کے اعتبار سے ''سابقین اوّلین'' ہیں۔ ہمارے نزدیک ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ''سبقت'' و ''اوّلیت'' اضافی چیزیں ہیں، ایک ہی شخص یا جماعت کسی کے اعتبار سے سابق (یعنی

آ گے) اور دوسرے کی نسبت لاحق (یعنی بعد والی) بن سکتی ہے، جیسا کہ ہم نے ’’فائدہ‘‘ میں اشارہ کیا ہے۔ پس جو شخص یا جماعت جس درجہ میں سابق واوّل ہوگی اسی قدر رضائے الٰہی اور حقیقی کامیابی سے حصہ پائے گی کیونکہ سبقت واوّلیت کی طرح رضاء وکامیابی کے بھی درجات بہت سے ہوسکتے ہیں۔ واللہ اعلم (تسہیل عثمانی)

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

اور مہاجرین اور انصار ایمان لانے میں سب امت سے سابق اور مقدم ہیں اور بقیہ امت میں جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ایمان لانے میں ان کے پیرو ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور ان کا ایمان مقبول فرمایا جس پر ان کو جزا ملے گی اور وہ سب اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے کہ طاعت اختیار کی، جس کی رضا اور زائد ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

’’اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ‘‘ میں سب مہاجرین وانصار آ گئے اور وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ میں باقی ایمان والے...... پھر ان باقی ایمان والوں میں پہلا درجہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا ہے جو مہاجرین وانصار نہیں تھے، کیونکہ اخیر میں ہجرت فرض نہ رہی تھی، مسلمان ہو کر اپنے اپنے گھر رہنے کی اجازت تھی اور دوسرا درجہ حضرات تابعین کا ہے، پھر صحابہ کرام اور تابعین کے علاوہ باقی ایمان والوں کا درجہ ہے۔ پھر ان میں بھی حضرات تبع تابعین اور لوگوں سے افضل ہیں۔ (تسہیل بیان القرآن)

غزوۂ تبوک میں کچھ لوگ بڑھ چڑھ کر نکلے، کچھ نے سستی کی اور کچھ نے نفاق کا مظاہرہ کیا...... ایسے وقت میں خالص ایمان والوں کا تذکرہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی کا مدار کیا ہے...... ایمان، ہجرت، نصرت...... دین کے لیے ہر طرح کی قربانی میں سبقت کرنا بڑھ چڑھ کر حصہ لینا...... چنانچہ جن لوگوں نے ہجرت ونصرت میں سبقت کی وہ بہت اونچے مقام تک پہنچ گئے اور اپنی منزل کو پا گئے...... اور اب بھی دروازہ کھلا ہے ہر مسلمان ان جیسے اعمال واخلاق اختیار کر کے کامیابی اور منزل پا سکتا ہے...... ان حضرات کو جو کچھ ملا ایمان اور دین کی خاطر قربانی سے ملا تو اب بھی جو اسی طرح کا ایمان اور عمل لائے گا وہ کامیابی پائے گا۔ یہ منافقین نہ تو ٹھیک طرح سے ایمان لائے، نہ انہوں نے جہاد میں نکلنا گوارہ کیا اور نہ انہوں نے تبوک کے موقع پر اپنے گھروں سے عارضی ہجرت کی۔ تو یہ کس طرح کامیابی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فضیلت کے بیان میں ہجرت ونصرت کا خاص تذکرہ

غزوۂ تبوک کے موقع پر اللہ تعالیٰ ہجرت کا خاص تذکرہ فرماتا ہے جیسا کہ سورۃ توبہ آیت ۴۰ میں گزرا ہے کہ مسلمانوں کو ہجرت کا واقعہ یاد دلا کر غزوۂ تبوک کی ترغیب دی گئی۔ اب اس آیت میں بھی حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ اپنی رضاء کے اعلان کے وقت ہجرت اور نصرت کو خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا

مقصد ہی یہی ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے ہجرت اور نصرت میں سبقت کی وہ سب سے افضل ہیں اور پھر ان کے بعد والے اور آئندہ بھی جو ایمان میں اور ان امور میں ان حضرات کی اخلاص کے ساتھ پیروی کرے گا وہ کامیاب ہوگا۔

والصحيح عندي انهم السابقون في الهجرة والنصرة

یعنی زیادہ صحیح قول میرے نزدیک یہ ہے کہ السابقون سے ہجرت اور نصرت میں سبقت کرنے والے مراد ہیں۔ (تفسیر کبیر)

پس معلوم ہوا کہ کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ہر مسلمان دین کی خاطر جان، مال اور وطن کی قربانی کے لیے ہر وقت خود کو تیار رکھے، ہجرت کے موقع پر ہجرت کرے، نصرت کے موقع پر نصرت کرے، حضرات صحابہ کرامؓ کی طرح جہاد میں بھرپور شرکت کرے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت مل سکے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جو بھی صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلا وہ کامیاب

ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

''ہر نیکی کی ابتداء مشکل ہوتی ہے، اور جو لوگ اس تکلیف کی حالت میں حق کے لیے سرفروشی کرتے ہیں، وہ ہر جگہ معزز و محترم ہوتے ہیں، لہٰذا اس رازِ فطرت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور اس سے صحابہ کرامؓ کے کسی خاص گروہ کی تعیین مراد نہیں۔ گو شعبیؒ کہتے ہیں کہ اس میں وہ صحابہ شامل ہیں جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی تھی، ابو موسیٰ اشعریؓ اور سعید بن المسیبؒ کی رائے ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں جانب نماز پڑھی، مگر ہماری رائے میں یہ آیت نہ صرف مہاجرین وانصار پر مشتمل ہے بلکہ اس میں قیامت تک کے مسلمان آجاتے ہیں بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ان مہاجرین کے نقش قدم پر چلیں، سورہ جمعہ میں آتا ہے: وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (جمعہ ۳) اور وہ لوگ جو اب تک ان سے نہیں ملحق ہوئے۔

سورۂ انفال میں ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ (انفال ۷۵) اور جو بعد میں دولتِ ایمان سے مشرّف ہوکر ہجرت اور جہاد کے فرائض ادا کریں گے وہ بھی تمہارے ساتھ ہیں۔'' (تفسیر الفرقان)

احسان کے ساتھ اتباع کرنے کا کیا مطلب ہے

حضرات مہاجرین وانصار کی کامیابی میں تو اللہ تعالیٰ نے ''احسان'' کی شرط ذکر نہیں فرمائی، اس کی وجہ حضرت تھانویؒ یہ بیان فرماتے ہیں:

''اور سابقون میں قید احسان کی اس لئے نہیں ذکر فرمائی کہ ان کا مہاجر و انصار ہونا اس بات کی واضح اور کافی دلیل ہے کہ ان میں ''احسان'' یعنی اخلاص موجود تھا''۔ (تسہیل بیان القرآن)

مگر بعد والوں کے لیے یہ شرط لازم کی گئی کہ وہ مہاجرین وانصار کی اتباع کریں احسان کے ساتھ تو احسان سے کیا مراد ہے:

❶ ایک قول یہ ہے کہ احسان سے مراد اخلاص اور حسن نیت ہے جیسا کہ اوپر کئی عبارتوں میں آچکا ہے۔

❷ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرات مہاجرین وانصار کی ہر اچھی خصلت اور نیکی میں اتباع کریں۔

شرط علیهم ان یتبعوهم باحسان وهو ان یقتدوا بهم فی اعمالهم الحسنة ولا یقتدوا بهم فی غیر ذلك. (روح المعانی)

❸ تیسرا قول یہ ہے کہ احسان یعنی ان کے ذکر خیر کے ساتھ ان کی اتباع کریں اور ان کے بارے میں کوئی بری بات نہ بکیں اور نہ ان پر کوئی اعتراض یا طعنہ زنی کریں۔

هو ان یتبعوهم باحسان فی القول وان لا یقولوا فیهم سوءً ا وان لا یوجهوا الطعن فیما اقدموا علیه. (روح المعانی)

امام ابن کثیرؒ نے اسی تیسرے قول کو اختیار فرمایا ہے اور روافض پر شدید تنقید کی ہے، ملاحظہ فرمائیے ان کی یہ عبارت:

فقد اخبر الله العظیم انه قد رضی عن السابقین الاوّلین من المهاجرین والانصار وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ فیاویل من ابغضهم اوسبهم او ابغض اوسب بعضهم، ولا سیما سید الصحابة بعد الرسول وخیرهم وافضلهم اعنی الصدیق الاکبر والخلیفة الاعظم ابا بکر بن ابی قحافة رضی الله تعالیٰ عنه فان الطائفة المخذولة من الرافضیة یعادون افضل الصحابة ویبغضونهم ویسبونهم عیاذا بالله من ذلك، وهذا یدل علی ان عقولهم معکوسة وقلوبهم منکوسة فاین هؤلآء من الایمان بالقرآن اذا یسبون من رضی الله عنهم؟

یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ سابقین اوّلین مہاجرین وانصار سے راضی ہو چکا ہے اور ان سے بھی جو ذکر خیر کے ساتھ ان کی اتباع کریں گے، پس ہلاکت ہے اس کے لیے جو حضرات صحابہ کرام سے بغض رکھے یا انہیں گالیاں دے یا ان میں سے بعض سے دشمنی رکھے اور انہیں گالیاں دے خصوصاً صحابہ کے سردار اور ان میں سب سے بہتر اور افضل یعنی صدیق اکبر، خلیفۂ اعظم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، بے شک رافضیوں کا رسوا گروہ افضل الصحابہ سے دشمنی اور بغض رکھتا ہے اور ان کو گالیاں بکتا ہے، اللہ پاک کی پناہ...... اس سے معلوم ہوا کہ ان کے دماغ الٹے اور دل گمراہ ہیں، پس ان لوگوں کا قرآن پر کیا ایمان ہے کہ ان حضرات کو گالیاں دیتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا۔ (ابن کثیر)

حضرات صحابہ کرامؓ کے فضائل کو بیان کرنا چاہیے

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (احسان کے ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کی اتباع کا مطلب یہ ہے کہ ذکر خیر کے ساتھ ان کا اتباع کیا جائے)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مہاجرین وانصار کا احسان کے ساتھ اتباع کرنے والے وہ ہیں جو ان کے لیے جنت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت (حاصل ہونے) کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے لیے دعاء کرتے ہیں اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

قال عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنهما يريد يذكرون المهاجرين والانصار بالجنة والرحمة والدّعاء لهم ويذكرون محاسنهم وقال في رواية اخرى والذين اتبعوهم باحسان على دينهم الى يوم القيمة. (كبير)

اس کے بعد امام رازیؒ جو کچھ لکھتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

1. احسان کے ساتھ اتباع کا مطلب یہ ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی پیروی بھی کریں اور ان کا ذکر خیر بھی کریں
2. بعد والوں کی کامیابی کے لیے شرط ہے کہ وہ احسان کے ساتھ حضرات مہاجرین وانصار کی پیروی کریں
3. جب یہ شرط نہیں پائی جائے گی یعنی ''احسان'' جس کا معنیٰ ذکر خیر ہے تو اللہ پاک کی رضا اور کامیابی بھی نہیں ملے گی
4. پس اسی وجہ سے اہلِ دین مسلمان حضرات صحابہ کرامؓ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں اور ان کی غیبت کو اپنی زبانوں پر نہیں آنے دیتے اور جو چیزیں ان کی شان کے لائق نہیں ان کا تذکرہ نہیں کرتے۔ (مفہوم تفسیر کبیر)

فائدہ

اس آیت کی تفسیر میں امام رازیؒ نے روافض کے کئی اعتراضات کے جوابات دیے ہیں اور صاحب انوار البیان نے بھی اس موضوع کو بیان فرمایا ہے۔ شائقین تفسیر کبیر اور تفسیر انوار البیان میں ملاحظہ فرمالیں۔

اصل کامیابی آخرت کی ہے

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہی بڑی کامیابی ہے

''خوب خیال رہے کہ قرآن مجید نے بار بار اور صریح الفاظ میں تکرار اور تصریح دونوں کے ساتھ اصلی وحقیقی کامیابی اخروی کامیابی کو قرار دیا ہے، نہ کہ دنیا کے کسی انعام کو۔ مسلمان کا منتہائے مقصود فلاح آخرت ہے نہ کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اعزاز یا مرتبہ۔ نہ کسی آرٹ یا سائنس کی اکیڈمی کی ممبری نہ کوئی نوبل پرائز نہ کسی خلائی جہاز میں بڑی سے بڑی اڑان''۔ (تفسیر ماجدی)

دعوتِ فکر

بعد کے مسلمانوں کی کامیابی حضرات مہاجرین وانصار کی اتباع میں ہے، حضرات مہاجرین وانصار کا جہاد کے بارے میں کیا نظریہ تھا اور کیا عمل تھا یہ بالکل واضح ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین جہاد سے بھاگ رہے تھے تو حضرات مہاجرین وانصار اپنا مال اور اپنی جان لیکر جہاد کی طرف دوڑ رہے تھے۔ پس وہ مسلمان جنہوں نے جہاد کو اپنی زندگیوں سے بالکل نکال دیا ہے وہ غور فرمائیں کہ وہ حضرات مہاجرین وانصار کی اتباع اور پیروی میں کس مقام پر کھڑے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۰۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

اور تمہارے گرد و نواح کے بعضے دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینہ والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں ہم انہیں دوہری سزا دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

خلاصہ

مدینہ منورہ کے آس پاس اور خود مدینہ منورہ میں بعض لوگ بہت پکے منافق ہیں۔ مگر وہ اتنے چالاک اور گہرے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو جانتا ہے کہ وہ منافق ہیں آپ لوگ ان کے نفاق کو نہیں پہچانتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں دوبار سزا دے گا اور پھر آخرت میں یہ بڑے عذاب میں دھکیل دیے جائیں گے۔

ربط

❶ پچھلی آیت میں مہاجرین وانصار کے اتباع کا حکم تھا اب اس آیت سے یہ مضمون شروع ہوتا ہے کہ جب حضرات مہاجرین وانصار کا اتباع نہیں ہوگا تو لوگوں کی کیسی کیسی صورتیں سامنے آئیں گی۔ تفسیر الفرقان میں ہے:

”اگر مہاجرین وانصار کا طریق عمل چھوڑ دیا گیا تو حسب ذیل قسموں کے لوگ پیدا ہوں گے“۔ (تفسیر الفرقان)

❷ پچھلی آیت میں کامیاب ترین مسلمانوں کا ذکر تھا یعنی مہاجرین وانصار میں سے جو سابق اور اوّل تھے اور اس آیت میں ناکام ترین لوگوں کا تذکرہ ہے یعنی وہ منافق جن کا نفاق اعتقادی ہے اور وہ بہت پکے اور گہرے منافق ہیں۔ حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

(اس آیت میں ان) منافقین (کا بیان ہے) جو نا قابل معافی ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

کلام برکت

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ان کو ہم عذاب دیں گے دوبار۔ یعنی دنیا میں بھی تکلیف پر تکلیف پائیں گے پھر آخرت میں پکڑے جاویں گے۔

”وہ منافق کوئی اندھا ہوا، کوئی کوڑھی ہوا کسی کے بدن میں پیپ پڑی“۔ (موضح القرآن)

دو بار عذاب

ارشاد فرمایا گیا کہ ہم ان کو دنیا میں دو بار عذاب دینگے۔اس میں ایک قول تو یہ ہیکہ دو بار سے مراد بار بار کا عذاب ہے۔

ویحتمل ان یکون لا یراد بها شفع الواحد، بل یکون المعنیٰ علی التکثیر کقوله ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ (البحر المحیط)

لیکن اکثر مفسرین حضرات کی رائے یہ ہے کہ واقعی دنیا کے دو عذاب مراد ہیں۔ پھر ان دو عذابوں کی تعیین میں کئی اقوال ہیں، مثلاً دو عذاب یہ ہیں:

پہلا عذاب	دوسرا عذاب
دنیا میں رسوائی	عذاب قبر
دنیا میں بیماریاں	عذاب قبر
دنیا میں حدود کا اجراء	عذاب قبر
اسلام کا غلبہ دیکھ کر جلنا	عذاب قبر
مال اولاد کا عذاب	عذاب قبر
قتل اور بھوک	عذاب قبر
موت کے وقت فرشتوں کا ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارنا	عذاب قبر
ان کے اموال کا زبردستی لیا جانا	جہاد پر ان کی تشکیل۔(البحر المحیط)

منافقین جہاد کو عذاب سمجھتے ہیں

امام ابو حیانؒ لکھتے ہیں:

حسن بصریؒ کے نزدیک وہ دو عذاب جو دنیا میں ان منافقین کو ملتے ہیں ان میں سے پہلا یہ ہے کہ ان کے اموال جبراً ان سے لیے جاتے ہیں (یعنی خود کو مسلمان کہلوانے کی وجہ سے ان کو زکوۃ وغیرہ ادا کرنی پڑتی ہے) اور دوسرا یہ ہے کہ ان کو زبردستی جہاد کا حکم دیا جاتا ہے اور وہ اسے عذاب سمجھتے ہیں۔

وقال الحسن: الاوّل ما یؤخذ من اموالهم قهرا والثانی: الجهاد الذی یؤمرون به قسراً لانهم یرون ذلك عذابا۔ (البحر المحیط)

یعنی چونکہ مسلمان کہلاتے ہیں تو ان کو جہاد کا حکم دیا جاتا ہے جو کہ ان کو عذاب کی طرح سخت لگتا ہے۔ وہ اس زمانے کے مفکرین تو تھے نہیں کہ یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے کہ جہاد کے لغوی معنیٰ محنت کرنے کے آتے ہیں پس دین کی خاطر ہر محنت کرنے سے جہاد کا فریضہ ادا یا ساقط ہو جاتا ہے۔ اس زمانے میں جہاد کا معنیٰ متعین اور مشہور تھا چنانچہ کسی کے لیے تاویل کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ (واللہ اعلم بالصواب) ☆☆☆

سُورَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۰۲،۱۰۳،۱۰۴،۱۰۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ

اور کچھ اور بھی ہیں کہ انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے انہوں نے اپنے نیک اور بدکاموں کو ملا دیا ہے

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کردے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ان کے

مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ

مالوں میں سے زکوۃ لے کہ اس سے ان کے ظاہر کو پاک اور ان کے باطن کو صاف کردے اور انہیں دعا دے

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ

بے شک تیری دعا ان کیلئے تسکین ہے اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ

اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ

اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات لیتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ

توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور کہہ دے کہ کام کیے جاؤ پھر عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا

رَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

رسول اور مسلمان تمہارے کام کو دیکھ لیں گے اور عنقریب تم غائب اور حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

پھر وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

خلاصہ

ترکِ جہاد کا گناہ کیسے معاف ہوگا، مکمل توبہ کا نصاب

جہاد فرض ہونے کے بعد جن مسلمانوں سے غفلت ہوجائے اور وہ کسی جہاد میں شریک ہونے سے رہ جائیں تو ان کی معافی، توبہ اور اصلاح کا نصاب یہ ہے:

❶ اپنی غلطی پر سخت نادم ہوں اور خوب سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں

❷ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اپنے مال کا کچھ حصہ صدقہ کریں

❸ اس بات کا یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ اور صدقہ کو قبول فرمانے والا، بہت تواب اور مہربان ہے بس ہم اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے صاف رکھیں

❹ آئندہ کے لیے اپنے عمل کو ٹھیک رکھیں، جہاد میں شرکت کرتے رہیں اور آخرت کے دن کی پیشی کو یاد رکھیں۔ (اور اگر ہو سکے تو امیر المؤمنین یا امیر الجہاد سے اپنے لئے دعاء کرائیں، یہ بات آیت مبارکہ سے اشارۃً سمجھی جاسکتی ہے)

شانِ نزول

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

آیت **۱۰۲** غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے (مسلمانوں) کے متعلق نازل ہوئی انہوں نے خود کو باندھ دیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہیں کھولیں گے اور راضی نہیں ہوں گے اس وقت تک وہ بندھے رہیں گے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک کی قسم نہ میں انہیں کھولوں گا اور نہ ان کی معذرت قبول کروں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے اس کا حکم نہ دے، انہوں نے جہاد کے وقت مجھے چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرنے سے پیچھے رہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جب ان حضرات کو کھول دیا گیا تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ہمارے اموال حاضر ہیں ان کی وجہ سے ہم آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے سے محروم رہے، آپ انہیں ہماری طرف سے صدقہ فرما دیجئے اور ہمیں (گناہوں کے اثرات سے) پاک فرما دیجئے اور ہمارے لئے استغفار فرمائیے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے تمہارے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت **۱۰۳** نازل فرمائی: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا صدقہ قبول کرنے کا حکم فرمایا)۔ (قرطبی)

جب ان حضرات کی توبہ اور صدقہ قبول ہو گیا اور عام مسلمانوں میں پھرنے لگے تو وہ منافق جن کی معذرت قبول نہیں ہوئی تھی اعتراض کرنے لگے۔ درمنثور ص۔ ۲۷۵ ج۔ ۳ پر ہے کہ:

جب ان حضرات کی توبہ قبول ہوگئی جنہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا تو وہ پھر بے تکلف مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے لگے اس پر منافقین نے کہا کل تک تو یہ لوگ اس حال میں تھے جس میں ہم ہیں نہ ان سے کوئی بات کرتا تھا اور نہ ان کے پاس کوئی شخص بیٹھتا تھا آج کیا ہوا (کہ سب مسلمان ان سے خوش ہیں اور ہم سے بدستور ناراض) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ **۱۰۴** اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ نازل فرمائی۔

(ترجمہ) ''کیا انہیں معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے رحم کرنے والا''۔ (انوار البیان)

اللہ تعالیٰ اپنے ''بندوں'' کی توبہ قبول فرماتا ہے، ان لوگوں نے سچے دل سے توبہ کر کے، خود کو ستونوں سے باندھ کے، اپنا مال صدقہ کے لیے پیش کر کے اپنی ''بندگی'' کا ثبوت دیا ہے، اللہ تعالیٰ سمیع ہے اس نے ان کی سچی توبہ کو سنا اور علیم ہے اس نے ان کے دل کے اخلاص کو جانا تو اس نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ منافقین نے اپنی ''بندگی'' کا ثبوت نہیں دیا نہ سچے دل سے توبہ کی اور نہ اپنی غلطی پر نادم ہوئے۔ باقی رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کہ آپ نے منافقین کی معذرت قبول نہ فرمائی اور ان مسلمانوں کی معذرت قبول فرمالی تو وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کے بارے میں جو حکم دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں وہی کیا کیونکہ توبہ قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کسی کو نہیں۔

صاحب مدارک لکھتے ہیں:

وهو للتخصيص أي ان ذلك ليس الى رسول الله صلى الله عليه وسلم انما الله هو يقبل التوبة ويردها فاقصدوه بها ووجهوها اليها. (المدارك)

پس جو معافی اور توبہ چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف کرے اور اسی کی طرف توجہ کرے۔

یہ لوگ کون تھے؟

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ لوگ بھی منافق تھے مگر ان کا نفاق عقیدے کا نفاق نہیں تھا عمل کا نفاق تھا اور پھر یہ توبہ تائب ہو گئے، ملاحظہ فرمایئے قرطبی اور تفسیر کبیر...... مگر جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ حضرات مخلص مسلمان تھے اور سستی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے، یہ قول زیادہ درست اور قرآنی آیات کے مطابق ہے۔

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ منافقین میں سے یہ وہ لوگ ہیں جو قابل معافی ہیں کیونکہ یہ دل سے اسلام کے دشمن نہیں ہیں، جمہور مفسرین حضرات کی رائے ہے کہ مسلمانوں کی جو جماعت غزوۂ تبوک سے پیچھے رہی تھی ان کے حق میں یہ آیت اتری۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

جہاد اچھا عمل اور ترکِ جہاد بُرا عمل

ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کے اعمال رلے ملے تھے یعنی کچھ عمل اچھے تھے اور کچھ برے۔

خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا

ترجمہ: انہوں نے ملے جلے عمل کیے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے۔

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

ان کا اچھا عمل یہ تھا کہ وہ غزوۂ تبوک سے پہلے جہاد میں شریک ہوتے رہے اور برا عمل یہ تھا کہ وہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔

خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا خروجا الی الجهاد وَّاٰخَرَ سَيِّئًا تخلفا عنه۔ (المدارك)

امام ابوحیانؒ نے حضرت حسن بصریؒ کا بھی یہی قول لکھا ہے:

اوخروجًا الی الجهاد قبل وتخلفاً عن هذه قاله الحسن وغيره (البحر المحيط)

برے عمل کے بارے میں تو تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ مراد اس سے غزوۂ تبوک کے موقع پر جہاد میں نہ جانا ہے جبکہ اچھے اعمال کے بارے میں کئی دیگر اقوال بھی ہیں، مثلاً: توبہ کرنا وغیرہ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اس توبہ کو قائم رکھنے کے لیے آئندہ جہاد کرتے رہنا

آیت ۱۰۵ میں ارشاد فرمایا:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

ترجمہ: اور آپ کہہ دیجئے کہ کام کیے جاؤ پھر عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمان تمہارے کام کو دیکھ لیں گے اور عنقریب تم غائب اور حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے......

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:

یعنی توبہ وغیرہ سے گزشتہ تقصیرات معاف ہوگئیں۔ لیکن آگے دیکھا جائے گا کہ تم کہاں تک صدق واستقامت کا عملی ثبوت پیش کرتے ہو۔ اس جہاد میں قصور ہوا (یعنی کوتاہی ہوئی) تو آئندہ اور جہاد ہوں گے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یا خلفاء کے روبرو...... ان میں امتحان ہوگا کہ کیسا عمل کرتے ہو۔ پھر خدا کے یہاں جا کر ہر عمل کا پورا بدلہ مل جائے گا کیونکہ وہ ہی تمام کھلی چھپی چیزوں اور ظاہری عمل اور باطنی نیتوں پر مطلع ہے ہر ایک کے ساتھ اس کی واقعی حالت کے موافق معاملہ کرے گا۔ آیت کی یہ تقریر حضرت شاہ صاحبؒ کے مذاق (یعنی ذوق) پر کی گئی ہے کیونکہ اوفق بالسیاق ہے۔ (تفسیر عثمانی)۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

ضرور تم کو اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے، وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا پس برے عمل جیسے جہاد سے پیچھے رہ جانا وغیرہ سے احتیاط رکھو۔ (تسہیل بیان القرآن)

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

ان سے فرما دیجئے کہ آئندہ اپنے اعمال میں اصلاح کر کے دکھاؤ تاکہ تم پر پورا اعتماد قائم ہو جائے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

توبہ قبول کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ

یہاں زور دے کر بتایا گیا کہ توبہ قبول کرنے کا تعلق تو خدائے تواب ورحیم سے ہے نہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ای ان ذلک لیس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما اللہ ھو الذی یقبل التوبة (المدارک)

جاہلی قوموں یہاں تک کے بعض مسیحی فرقوں نے توبہ قبول کر لینے اور گناہ معاف کر دینے کا حق درمیانی واسطوں پادریوں وغیرہ کو دے دیا ہے، قرآن مجید ان سب کی نفی کر رہا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

امام المسلمین کی دعاء

''یہ بھی کہا ہے کہ رسول کی دعاء امت کے حق میں، امام کی دعاء رعایا کے حق میں، مشائخ کی دعاء شاگردوں اور مریدوں کے حق میں اور بڑوں کی دعاء چھوٹوں کے حق میں وعدۂ قبول رکھتی ہے''۔ (ماجدی)

امید افزاء دعوت

وہ مسلمان جو اب تک ''فریضۂ جہاد'' سے محروم رہے ہیں، انہوں نے اب تک جہاد کی تربیت تک حاصل نہیں کی ہے اور نہ انہوں نے جہاد کی کوئی تیاری کی ہے اور وہ اب تک اسلام کی اس بلند ترین چوٹی سے محروم ہیں وہ ان چار آیات میں بیان کردہ نصاب پر عمل کر کے اپنی مغفرت کا سامان کر سکتے ہیں اور عزت وعظمت والے راستے جہاد فی سبیل اللہ کی توفیق پا سکتے ہیں۔ حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ گناہگاروں کے لیے قرآن پاک کی یہ آیت ۱۰۲ سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھلا ہے اور یہ توبہ کا دروازہ ہے۔ فوری طور پر اپنی سابقہ غفلت سے ندامت کے ساتھ توبہ کی جائے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ دیا جائے تاکہ روح اور نفس کو مکمل پاکی نصیب ہو جائے اور گناہ اور سستی کے اثرات اس سے دُھل جائیں اور آئندہ کے لیے اسلام کے اس فریضے جہاد فی سبیل اللہ پر بھی دیگر فرائض نماز روزہ حج زکوٰۃ کی طرح عمل کی ترتیب بنائی جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

یہ کتنے حضرات تھے اور کون کون تھے، اس بارے میں طلبہ علم کے لیے چند اقوال پیش خدمت ہیں:

وقال ابن عباسؓ: نزلت فی عشرة تخلفوا عن غزوة تبوک فأوثق سبعة منھم انفسھم فی سواری المسجد۔ وقال زید بن اسلم کانوا ثمانیة۔ وقیل کانو ستة۔ وقیل: خمسة (القرطبی)

وقیل ثلاثة ابو لبابة بن عبدالمنذر، واوس بن ثعلبة وودیعة بن خذام الانصاری وقیل نزلت فی ابی لبابة وحدہ ویبعد ذلک من اللفظ وَاٰخَرُوْنَ لانہ جمع (البحر المحیط)

☆☆☆

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۰۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہے خواہ انہیں عذاب دے یا انہیں معاف کردے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

خلاصہ

اور کچھ لوگوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے تک ملتوی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے۔

جہاد سے پیچھے رہ جانا مسلمان کی شان اور منصب کے خلاف ہے ان لوگوں سے سستی ہوئی اور وہ بلا عذر پیچھے رہ گئے مگر واپسی پر انہوں نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ وہ اپنے قصور پر نادم تو تھے ہی مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ان سے قطع تعلق کیا تو یہ تکلیف ان پر بھاری پڑی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کے لیے متوجہ ہوئے پھر اللہ پاک نے ان کی توبہ قبول فرمالی جیسا کہ آگے آیت ۱۱۸ میں آیا ہے۔

شانِ نزول

قال ابن عباس ومجاهد و عكرمة والضحاك وغير واحد: هم الثلاثة الذين خلفوا اى عن التوبة وهم مرارة بن الربيع وكعب بن مالك وهلال بن امية. الخ

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی مفسرین کا قول ہے کہ یہ تین حضرات تھے جن کی توبہ قبول ہونے کا معاملہ مؤخر کیا گیا، مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم یہ شک اور نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ سستی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شرکت سے رہ گئے اور انہوں نے خود کو ستونوں سے بھی نہیں باندھا تھا۔ (ابن کثیر)

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کی تین قسمیں

امام رازیؒ اور دیگر مفسرین نے قرآنی آیات کی روشنی میں غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں اس آیت میں تیسری قسم کے افراد کا ذکر ہے، ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

''اہل مدینہ میں سے یہاں ایک چھوٹی سی جماعت کا ذکر فرمایا ہے، اصل یہ ہے کہ ''متخلفین عن تبوک'' (یعنی غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والے) تین قسم کے تھے۔ ایک منافق جو از راہ شک و نفاق علیحدہ رہے، دوسرے بعض مؤمنین جو محض سستی اور تن آسانی کی بدولت شریک جہاد نہ ہوئے۔ پھر ان میں دو قسمیں تھیں۔ اکثر وہ تھے

جنہوں نے واپسی کی اطلاع پا کر اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا ان کا ذکر پچھلی آیت میں گزر چکا۔ صرف تین شخصوں کی جماعت وہ تھی جنہوں نے نہ اپنے کو ستونوں سے بندھوایا نہ کوئی عذر تراشا۔ بس جو واقعہ تھا اور جو قصور ہوا تھا صاف صاف بلا کم و کاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کر دیا۔ ان کے بارے میں یہ آیت وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ یعنی ان کا معاملہ ابھی ڈھیل میں ہے۔ چندروز خدا کے حکم کا انتظار کرو، خواہ ان کو سزا دے یا معاف کرے۔ جو اس کے علم و حکمت کا اقتضاء ہوگا کیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تا نزول حکم الٰہی ادب دینے کے لیے مسلمانوں کے تعلقات ان تینوں سے منقطع کر دیئے پچاس دن تک یہ معاملہ رہا۔ پھر معافی ہوئی''۔ (تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ

کچھ منافق وہ ہیں جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنائی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں اور کفر کو تقویت دیں اور ایمان

الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ

والوں میں پھوٹ ڈالیں اور اس مسجد کو اس شخص کے گھات لگانے کی وجہ بنائیں جو ایک عرصہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

کے خلاف برسرِ پیکار ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصد تو صرف بھلائی تھی اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بیشک

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى

وہ جھوٹے ہیں۔ تو اس میں کبھی کھڑا نہ ہو البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے

مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ

وہ اس قابل ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو

يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بھلا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد

عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد

عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

ایک کھائی کے کنارے پر رکھی جو گرنے والی ہے پھر وہ اسے جہنم کی آگ میں لے گری اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ

راہ نہیں دکھاتا۔ جو عمارت انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی مگر جب ان کے

قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

دل کے ٹکڑے ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

خلاصہ

منافقین ان چار چیزوں کو اپنا مقصد اور ہدف بناتے ہیں:

❶ مسلمانوں کے دینی مراکز اور مساجد کو نقصان پہنچانا۔

❷ مسلمانوں کے معاشرے میں کفریہ باتوں کو پھیلانا اور کفر کو تقویت دینا۔

❸ مسلمانوں کے درمیان تفرقے پیدا کرنا ان میں جدائیاں ڈالنا۔

❹ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے والے کافروں کو اڈے فراہم کرنا، ان کے خفیہ مراکز بنانا اور ان کی امداد کرنا۔

مدینہ منورہ میں موجود منافقین نے مسجد قباء کے نزدیک مسجد کے نام سے ایک عمارت بنائی اور ان کے یہی چار مقاصد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں جانے سے روک دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گرانے اور جلانے کا حکم دے دیا۔

○ مسلمانوں کو ان مساجد کے ساتھ جڑ کر رہنا چاہئے جن کی بنیاد تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہے اور جن میں پاکی، پاکیزگی اور طہارت کا سبق ملتا ہے۔

اور منافقوں کے فتنہ پرور مراکز سے دور رہنا چاہئے کیونکہ وہ جہنم کے کنارے پر قائم ہیں اور اپنے آباد کرنے والوں اور بنانے والوں کو اپنے ساتھ جہنم میں گراتے ہیں۔

○ مسجد ضرار کو گرا دیا گیا اس کی یہ تباہ شدہ عمارت، ان کے لیے ہمیشہ کے نفاق، غم و غصے اور حسرت کا سبب بن گئی۔

ربط

حضرات مفسرین نے ان آیات کے ماقبل کے ساتھ کئی ربط لکھے ہیں، ملاحظہ فرمایئے چند عبارات۔

❶ پہلے ان لوگوں کا ذکر تھا جن سے بظاہر ایک برا کام ہو گیا (تخلف عن الجهاد، یعنی جہاد سے پیچھے رہ جانا) مگر ان کا عقیدہ ٹھیک تھا اور انہوں نے اپنی خطاء کا اعتراف کر لیا تھا تو ان کو معافی مل گئی۔ یہاں (ان آیات میں) ایسی جماعت کا بیان ہے جنہوں نے بظاہر اچھا کام کیا (تعمیر مسجد) لیکن بداعتقادی (اور بدنیتی) کی وجہ سے وبال بن گیا۔ (عثمانی تسہیل)

❷ گزشتہ رکوع میں بتایا گیا تھا کہ مہاجرین وانصار کے نقش قدم پر چلنے سے کامیابی نصیب ہو سکتی ہے، اس کو ترک کرنے کے بعد مختلف اقسام کے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا، اب ایک ایسی جماعت کا ذکر آتا ہے جو اس مقدس گروہ (یعنی مہاجرین وانصار) کے بخط مستقیم (یعنی بالکل) مخالف ہے اور اس کا نصاب ہی بالکل جداگانہ ہے۔ (تفسیر الفرقان)

❸ اوپر بار بار منافقین کا ذکر ہوا ہے آگے ان کے ایک (نام کی) مسجد بنانے اور اس کے متعلقات کا بیان ہے۔ (بیان القرآن)

❹ نفاقِ اعتقادی والے منافقین کے یہ کارنامے ہیں کہ حق کے مقابلہ میں ایک باطل کا مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ (حضرت لاہوریؒ)

نام دین کا، کام کفر کا

یہ منافقین کا پرانا طرزِ عمل ہے کہ وہ دین کا نام لیکر کفر پھیلاتے ہیں اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس واقعہ میں انہوں نے ''مسجد'' کا نام استعمال کیا اور حقیقت میں کفر، نفاق اور شر و فساد کا ایک اڈہ بنایا۔

صاحب انوار البیان نے اس موضوع پر دو صفحات کا دلنشین مضمون رقم فرمایا ہے، طلبہ علم تفسیر انوار البیان میں ملاحظہ فرمالیں، یہاں اس کا صرف ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

مرزا قادیانی اور جہاد کا انکار

تحریر فرماتے ہیں:

''انگریزوں کو اپنے اقتدار میں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مسلمان جہاد کے لیے کھڑے نہ ہو جائیں اس لئے انہیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام ہی کی راہ سے جہاد کو منسوخ کرائیں، جہاد اسلام کا بہت بڑا عمل ہے، اپنے وفادار نام نہاد علماء سے منسوخ کراتے تو کون مانتا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک شخص سے نبوت کا دعویٰ کرایا پھر اس سے جہاد منسوخ ہونے کا اعلان کرادیا وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح مسلمان جہاد کو منسوخ مان لیں گے، انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ مسلمان انگریزوں کے بنائے ہوئے نبی کو کافر قرار دے دیں گے اور اس کی جھوٹی نبوت کو ماننے سے انکار کردیں گے، بہرحال انہوں نے اپنا یہ حربہ استعمال کیا یعنی ایک شخص سے نبوت کا اعلان کرا کے جہاد منسوخ کرانے کی سعی لاحاصل کی۔ (انوار البیان)

منافقین امت مسلمہ کے خیر خواہ؟؟؟

ان آیات سے منافقین کی ایک اور پہچان بھی اشارۃً سمجھی جاسکتی ہے کہ وہ دن رات کفر کی خدمت میں لگے رہتے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں مگر ان کا ایک ہی نعرہ ہوتا ہے۔

اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی کہ ہم تو مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ ہیں، ہم امت مسلمہ کے لیے کامیابی اور بھلائی چاہتے ہیں۔ مسجد ضرار بنانے والوں نے بھی یہی کہا تھا کہ ہماری غرض تو بہت اچھی ہے۔ ہم کمزور، بیمار اور مسکین مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں کہ انہیں نماز کے لیے دور نہ جانا پڑے اور گرمی سردی اور بارش سے ان کا بچاؤ رہے۔ اُس زمانے سے لیکر آج تک ہر دور میں یہی نعرہ منافقین کی زبانوں پر رہتا ہے کہ ہم تو امت مسلمہ کے خیر خواہ ہیں اور اسے فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔ صاحب تفسیر ماجدیؒ لکھتے ہیں:

''منافقین کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمیں تو امت مسلمہ کی عین آسائش اور اس کے لیے مزید گنجائش ہی مقصود ہے، بجائے ایک کے دو دو مسجدیں ہوگئیں، قریب والوں کو کتنی آسانی ہوگئی وقس علیٰ ہذا...... آہ آج بھی کتنے اِلَّا الْحُسْنٰی کہنے والے اسی طرح مسلمانوں کے ایمان پر چھاپے (یعنی ڈاکے) مار رہے ہیں۔ (ماجدی)

ان آیات کا ایک اہم سبق

ان آیات نے ہمیں ایک دائمی قانون بتا دیا کہ مہاجرین وانصار کے نقش قدم پر چلنا کامیابی کا اصلی ذریعہ ہے، اگر اس سے الگ ہوئے تو ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (تفسیر الفرقان)

مسلمانوں میں ہجرت اور نصرت کا جذبہ زندہ رہے۔ مسلمان ہجرت اور نصرت کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔ مسلمان ہجرت اور نصرت میں لگے رہیں۔ مسلمانوں کی قیادت بھی انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو حضرات مہاجرین وانصار کے نقش قدم پر ہوں تو پھر منافقین کے فتنے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شان نزول

عربی تفاسیر میں ان آیات پر جو کچھ لکھا گیا ہے ان سب کا جامع خلاصہ درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

”حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر ص۔۳۸۷ ج۔۲ میں ان آیات کا شان نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے قبیلہ بنوخزرج میں ایک شخص (جسے ابوعامر کہا جاتا تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی بن گیا تھا۔ وہ راہب تھا اور عبادت گذار تھا۔ اس نے اہل کتاب سے علم بھی حاصل کر لیا تھا۔ قبیلہ بنی خزرج میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور اسلام کا کلمہ بلند ہو گیا تو اس ملعون کو بہت ہی ناگوار ہوا۔ یہ مدینہ منورہ سے فرار ہو کر مکہ معظمہ پہنچ گیا، وہاں اس نے مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ پر آمادہ کیا۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ دیگر قبائل کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے آگئے اور اس کے نتیجے میں احد کا معرکہ پیش آیا، کہتے ہیں کہ اسی لعین نے وہاں چند گڑھے کھود دیے تھے جس میں سے ایک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گر پڑے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید ہونے کا سبب بنا (جس کا ذکر سورہ آل عمران کی تفسیر میں گزر چکا ہے) جب احد میں مؤمنین اور کافرین کا مقابلہ شروع ہوا تو ابوعامر اپنی قوم (یعنی انصار) کی طرف بڑھا اور ان کو اپنی مدد کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ ان حضرات نے اسے بہت برا کہا اور اس سے کہا کہ تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اس کا ساتھ نہیں دیا۔

تفسیر ابن کثیر اور معالم التنزیل ص۔۳۲۶ ج۔۲ میں لکھا ہے کہ ابو عامر (جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کا باپ تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا اور اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ ٹاٹ کے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس نے دریافت کیا کہ آپ کون سا دین لے کر آئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ملت حنیفیہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی ملت لیکر آیا ہوں، ابوعامر نے کہا ہم دونوں میں سے جو بھی جھوٹا ہو اللہ اسے ایسی جگہ موت دے جہاں وہ تنہا ہو، پردیسی ہو، دور پھینکا ہوا ہو، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین فرمایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ شخص اپنی بددعاء کے مطابق شام (قنسرین) میں جا کر

مر گیا، جہاں کوئی اس کی خبر لینے والا نہ تھا۔ معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ابو عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جو لوگ بھی آپ سے جنگ کریں گے میں ان کے ساتھ مل کر آپ سے لڑوں گا۔ اس کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ مل کر برابر آپ کے مقابلہ میں آتا رہا اور غزوۂ حنین تک اس نے اس پر عمل کیا۔ جب حنین میں بنی ہوازن کو شکست ہوگئی تو یہ نا امید ہوگیا اور شام کی طرف بھاگ نکلا، وہاں سے اس نے منافقین کو پیغام بھیجا کہ جہاں تک ممکن ہو قوت اور ہتھیار جمع کرلو اور میرے لئے ایک مسجد بنالو، میں قیصر کے پاس جا رہا ہوں جو روم کا بادشاہ ہے، میں رومیوں کا لشکر لے کر آؤں گا اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپکے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دوں گا۔ اس کا یہ پیغام آنے پر مسجد قباء کے قریب ہی مسجد ضرار بنائی گئی۔ (انتہیٰ)

چونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا غلبہ ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے منافقین نے ظاہر میں اسلام قبول کرلیا تھا اور کھل کر اسلام کے خلاف کوئی مشورہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ کوئی مرکز بنایا جا سکتا تھا اس لئے انہوں نے اسلام ہی کے نام سے اپنا مرکز بنایا۔ یعنی مسجد کے عنوان سے ایک جگہ بنالی جو مسجد قباء کے قریب تھی، تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے مسجد بنائی ہے کہ آپ اس میں نماز ادا فرمالیں اور مقصد ان کا یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نماز پڑھ لیں گے تو مسلمانوں کو اس کے مسجد ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اس طرح کا کوئی شک وشبہ نہ کرسکیں گے کہ یہ مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ ان لوگوں نے کہا یہ مسجد ہم نے ضعیف اور بیمار لوگوں کے لیے بنائی ہے تاکہ سردی اور بارش کی راتوں میں یہ لوگ قریب ہی نماز پڑھ سکیں دور جانا نہ پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تو ہم سفر میں جا رہے ہیں جب واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری فرمائش پوری کردی جائے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے سفر میں تشریف لے گئے، جب وہاں سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ پہنچنے میں ابھی ایک دن یا اس سے کم مسافت باقی تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے خبر دے دی کہ یہ مسجد "مسجد ضرار" ہے جس کا مقصد اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اور کفر پر جمار ہنا اور مؤمنین کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے کہ جو لوگ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں ان کی جماعت کے کچھ لوگ اس مسجد ضرار میں آنے لگیں اور انہیں اپنے ڈھنگ پر ڈالا جاسکے۔ آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے بھی نہ تھے کہ راستہ ہی سے آپ نے بعض صحابہ کرام کو بھیج دیا جنہوں نے مسجد ضرار کو آگ لگادی اور اسے گرادیا۔ جن حضرات نے یہ کام کیا وہ مالک بن دُخشمؓ اور معن بن عدیؓ تھے، بعض حضرات نے معن کے بھائی عامر بن عدی کا بھی نام لیا ہے۔ معالم التنزیل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ضرار کو جلانے کا حکم دے کر یہ بھی حکم دیا تھا کہ اسے کوڑا ڈالنے کی جگہ بنالیا جائے جس میں مردہ جانور اور بدبودار چیزیں ڈالی جایا کریں، حافظ ابن کثیرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد ضرار کے بنانے والے بارہ آدمی تھے اور ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جب ان لوگوں کا راز کھل گیا تو اپنی عادت کے مطابق وہی جھوٹی قسمیں کھانے لگے اور انہوں نے کہا اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى کہ

ہم نے تو صرف خیر ہی کا ارادہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی اور فرمایا وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں"۔ (انوار البیان)

وہ مسجد شریف کون سی ہے؟

آیت مبارکہ میں جس مسجد کے بارے میں فرمایا گیا کہ اس کی بنیاد تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر رکھی گئی ہے وہ کون سی مسجد ہے؟...... اکثر مفسرین کا فرمانا ہے کہ اس کی اوّلین مراد مسجد قباء ہے۔ جبکہ کئی حضرات کے نزدیک اس سے مراد "مسجد نبوی شریف" ہے۔ حضرات مفسرین نے دونوں طرف کے دلائل جمع فرما دیئے ہیں شائقین حضرات ابن کثیر، قرطبی اور مظہری میں ملاحظہ فرمالیں...... کچھ حضرات نے دونوں اقوال میں تطبیق بھی کر دی ہے کہ آیت میں تذکرہ مسجد قباء کا ہے مگر مسجد نبوی بھی بطریق اولیٰ اس کا مصداق ہے۔ ملاحظہ فرمایئے یہ عبارت:

"بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے تو یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس تفسیر قرآنی کے منافی ذرا بھی نہیں، مسجد قباء کا مدلول ہونا تو بہ عبارۃ النص ہے، اور مسجد نبوی کا مدلول ہونا بدلالۃ النص ہے، یعنی جب صحابہ متقین کے بانی ہونے سے مسجد قباء اتنی مقبول ٹھہری تو مسجد نبوی کے بانی تو امام المتقین خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، وہ ظاہر ہے کہ اس کی مصداق بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ فقہاء مفسرین نے آیت کے عموم الفاظ سے یہ مطلب نکالا ہے کہ ہر وہ مسجد جو جائز طور پر بنائی جائے اور ہر وہ نمازی جو طہارت کو لازم و محبوب بنالے اس خطاب کے تحت شامل ہیں، اس لئے حکم وصف پر لگایا گیا ہے نہ کہ ذات پر"۔ (تفسیر ماجدی)

آیت مبارکہ کے چند دیگر مضامین

حضرات مفسرین نے ان آیات کی روشنی میں کئی دیگر مضامین کو بھی زیر بحث لایا ہے، مثلاً:

❶ اہل قباء کی طہارت پسندی کیا تھی؟ مشہور قول کہ وہ ڈھیلے کے ساتھ ساتھ پانی سے بھی استنجاء کرتے تھے کہ علاوہ بھی کئی اقوال مثلاً وہ گناہوں سے پاکی کو پسند کرتے تھے وغیرہ۔

❷ یہ عمارت ان کے دل میں ہمیشہ "ریبہ" بنی رہے گی، تو یہاں ریبہ سے کیا مراد ہے؟ یہ کہ نفاق ان کے دلوں میں ہمیشہ رہے گا یا یہ عمارت ہمیشہ کھٹکتی رہے گی یا کچھ اور؟

❸ یہاں تک کہ ان کے دل پھٹ جائیں۔ تو دل پھٹنے سے کیا مراد ہے؟ دوام حسرت یا کچھ اور؟

❹ مساجد کی تعمیر اور آبادی کے فضائل

❺ طہارت کے فضائل اور اس کی حدود

❻ وہ بارہ افراد جنہوں نے یہ مسجد ضرار بنائی تھی ان کے نام

❼ مسلمانوں کو ضرر یا نقصان پہنچانا کتنا برا کام ہے ❽ مسجد ضرار کا ایک مقصد مسجد قباء کو ضرر پہنچانا تھا۔

ان تمام مضامین کے لیے ملاحظہ فرمایئے: قرطبی، کبیر، ابن کثیر اور مظہری ☆☆☆

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لیے ہیں کہ ان کیلئے

الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا

جنت ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں یہ

عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ

تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ

مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ

سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے پس جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہ

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

بڑی کامیابی ہے۔

خلاصہ

❶ بلاشبہ.... بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے

❷ اللہ تعالیٰ کے پاس جان و مال بیچ دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی جہاد میں لڑتے ہیں جس میں کبھی قتل کرتے ہیں اور کبھی قتل کیے جاتے ہیں۔ یعنی وہ بیع (خرید و فروخت جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے) جہاد کرنا ہے، خواہ اس میں کوئی مسلمان قاتل رہے یا مقتول ہو جائے۔

❸ اس قتال پر مسلمانوں سے جنت کا سچا اور پکا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں بھی، انجیل میں بھی، قرآن میں بھی

❹ اور یہ بات یقینی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے اور جب اس نے تم سے اس بیع (یعنی خرید و فروخت) پر جنت کا وعدہ کیا ہے تو اس حالت میں تم لوگ جو کہ جہاد کر رہے ہو اپنی اس خرید و فروخت پر جس کا تم نے اللہ تعالیٰ سے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ...... کہ تم نے فانی چیز دیکر ہمیشہ باقی رہنے والی چیز پالی ہے

❺ اس خرید و فروخت میں تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ ہے اور جنت کا ملنا بڑی کامیابی ہے پس تم کو ضرور یہ سودا کرنا چاہئے۔ (بیان القرآن تسہیل)

ربط

❶ پچھلی آیات میں جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت تھی، آگے مجاہدین کی اور پھر ان میں سے خاص کاملین کی فضیلت کا تذکرہ ہے۔ (بیان القرآن تسہیل)

❷ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی برائیاں اور خرابیاں ان کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کے سبب بیان فرمائیں، پھر ان کی اقسام اور انجام کا بیان فرمایا، اب اس آیت سے دوبارہ جہاد کی فضیلت اور حقیقت کا بیان شروع ہو رہا ہے۔

اعلم انه تعالیٰ لما شرع فی شرح فضائح المنافقین وقبائحهم بسبب تخلفهم عن غزوة تبوک، فلما تم ذلك الشرح والبیان وذکر اقسامهم، وفرع علی کل قسم ما کان لائقابه عاد الی بیان فضیلة الجهاد وحقیقته فقال اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ (تفسیر کبیر)

❸ مہاجرین وانصار کے نقش قدم پر نہ چلنے سے جو نتائج بد پیدا ہو سکتے تھے ان کا بیان آچکا، اب بتایا جاتا ہے کہ اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے اتباع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرے گا۔ (تفسیر الفرقان)

جہاد کی ترغیب پر مؤثر ترین آیت

حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ پورے قرآن پاک میں جہاد کی ترغیب پر آنے والی آیتوں میں یہ آیت سب سے زیادہ دلکش اور مؤثر ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کو ایک ایسے سودے کے طور پر بیان فرمایا ہے جس میں خریدار خود اللہ تعالیٰ ہے اور قیمت جنت کی وہ نعمتیں ہیں جن کا کسی نے ابھی تک تصور بھی نہیں کیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس سودے میں یہ شرط بھی نہیں رکھی کہ لازماً تمہیں قتل ہونا ہوگا، بلکہ جو بھی نکل پڑے خواہ قتل کرے یا قتل کیا جائے اس کے لیے یہ وعدہ پکا ہے...... اور اس وعدے پر تین آسمانی کتابیں قرآن پاک، تورات اور انجیل گواہ ہیں اور وعدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ایسا سچا ہے کہ اس کا اُدھار دوسروں کے نقد سے زیادہ یقینی ہے...... بس مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی اور سرور والی اور کونسی بات ہو سکتی ہے۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

ولا تریٰ کما نقل الشهاب ترغیباً فی الجهاد احسن ولا ابلغ مما فی هذه الآیة لانه ابرز فی صورة عقد عاقده رب العزة جل جلاله، وثمنه مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ولم یجعل المعقود علیه کونهم مقتولین فقط. الخ. (روح المعانی)

تفسیر قرطبی اور کبیر میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

اس آیت مبارکہ نے ہر قربانی آسان کردی

تفسیر ماجدی میں ہے:

"(یہ) آیت قرآن مجید کی اہم ترین اور کلیدی آیتوں میں سے ہے، مسلمان اگر اسے دلنشین کر لے تو اس پر

وجد کی سی کیفیت طاری ہو جائے، اور اس کے بعد مؤمن کے لیے بڑی سے بڑی ''قربانی'' بھی کچھ مشکل نہ رہ جائے، بلکہ ہر قربانی کے لیے وہ ہنسی خوشی خود لپکنے لگے، ضرورت صرف اسی یقین واذعان کے استحضار کی ہے''۔ (تفسیر ماجدی)

یعنی مسلمان یقین کرلے کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خریدا ہوا ہے، میری جان اور میرا مال جنت کے بدلے فروخت ہو چکا ہے، اب میں سودا دوں گا تو قیمت لوں گا، جان، مال قربان کروں گا تو اللہ تعالیٰ کی رضا والی جنت پاؤں گا، اور جان ومال دیتے ہی مجھے جنت مل جائے گی، یہ بالکل پکی اور سچی بات ہے۔ بس یہ یقین جتنا پختہ ہوگا اسی قدر قربانی دینا بھی آسان ہوگا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مسلمان کا اجر ظاہری فتح میں نہیں بلکہ قتال کے لیے اترنے میں ہے

''یَقْتُلُوْنَ (صیغہ معروف) کے ساتھ یُقْتَلُوْنَ (بصیغہ مجہول) کے اضافہ نے یہ بھی صاف کردیا کہ جہاد وقتال میں مسلمانوں کی جیت ہمیشہ اور ہر حال میں ہرگز یقینی نہیں، زخمی ہو کر گرنے، قید ہو جانے، شکست کھا جانے بلکہ مقتول ہو جانے کا احتمال ہر وقت باقی ہے، مسلمان ہرگز اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ وہ جیت کر آئے گا۔ انجام فوری طور پر جو کچھ بھی ہو، مسلمان کا اجر تو اس کی آمادگی قتال (یعنی قتال کے لیے تیار اور آمادہ ہو جانے) پر ہے''۔ (تفسیر ماجدی)

مؤمن کے لیے جہاد میں ناکامی نہیں، ایک اہم مضمون

''دوسرے اگر لڑیں اور دشمنوں پر غالب نہ آسکیں تو ان کی ہار ہوئی، لیکن مؤمن وہ ہے جو ہار کے معنی ہی سے نا آشنا ہوتا ہے، وہ اگر کسی میدان میں غالب نہ آئے جب بھی جیت اسی کی ہے کیونکہ اس کی ہار جیت کا معیار میدان جنگ نہیں ہوتا خود اس کی طلب وسعی ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنی طلب اور سعی میں پورا نکلا تو اس نے میدان مار لیا۔ اگرچہ میدان جنگ میں اس کی لاش ہزاروں لاشوں کے نیچے دبی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس راہ میں کبھی مر نہیں سکتا، اس کی موت بھی اس کی زندگی ہوتی ہے وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ''۔ (ترجمان القرآن)

شہادت سے ہر گناہ مٹ جاتا ہے

امام ابو حیانؒ لکھتے ہیں:

شہادت ہر گناہ کو مٹا دیتی ہے، یہاں تک کہ روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کے حقوق العباد اپنے ذمے لیکر ادا فرمادے گا۔

والشهادة ماحية بكل ذنب، حتى روى انه تعالىٰ يحمل عن الشهيد مظالم العباد و يجازيهم عنه۔ (البحر المحيط)

جہاد کا حکم ہر شریعت میں موجود تھا

اس آیت میں فرمایا گیا کہ یہ وعدہ تورات، انجیل اور قرآن میں مذکور ہے، اس پر حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ

جہاد کا حکم سابقہ شریعتوں میں بھی موجود تھا۔ امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

والظاهر من قوله في التوراة والانجيل والقرآن ان كل امة امرت بالجهاد ووعدت عليه بالجنة

کہ اس سے ثابت ہوا کہ ہر امت کو جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور اس سے جہاد پر جنت کا وعدہ کیا گیا تھا۔

آگے لکھتے ہیں:

وقيل الامر بالجهاد والقتال موجود في جميع الشرائع

کہ ایک قول یہ ہے کہ جہاد وقتال کا حکم تمام شریعتوں میں موجود تھا۔ (البحر المحیط)

انوار البیان میں ہے:

”جہاد کی فضیلت بتاتے ہوئے جو وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لیے بھی جہاد مشروع تھا۔ یہ جو مشہور ہے کہ شریعت عیسویہ میں جہاد نہیں تھا یہ ان لوگوں کی تحریف ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت میں جھوٹے ہیں، صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں: وفيه دليل علىٰ ان اهل الملل كلهم امروا بالجهاد على ثواب الجنة“ (انوار البیان)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ یہ حکم تورات، انجیل اور قرآن میں مذکور ہے اور جہاد اور دشمنوں سے لڑنے کا حکم اصل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہے۔

اخبار من الله تعالىٰ ان هذا كان في هذه الكتب، وأن الجهاد ومقاومة الاعداء اصله من عهد موسىٰ عليه السلام۔ (القرطبي)

بعض حضرات نے آیت مبارکہ کے اس حصے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ جہاد کی صورت میں جنت کا یہ وعدہ تورات اور انجیل میں بھی مذکور ہے۔

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

ويحتمل ان يكون متعلقا بتقدير قوله مذكورا وهو صفة فالعامل فيه محذوف اى وعدا عليه حقا مذكورا في التوراة، فيكون هذا الوعد بالجنة انما هدى هذه الامة وقد ذكر في التوراة والانجيل والقرآن۔ (البحر المحيط)

تفسیر ماجدی میں ہے:

”قرآن تو اس مضمون کی تکرار سے بھرا پڑا ہے اور قرآن کے ساتھ توریت اور انجیل کے ناموں کا اضافہ تاکید

بیان کے لیے ہے کہ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ سب ہی کتب آسمانی میں درج ہو چکا ہے''۔(تفسیر ماجدی)

اس آیت کا وعدہ قیامت تک ہر مجاہد کے لئے

البحر المحیط میں ہے:

یہ آیت ہر اس شخص کے لیے عام (بشارت) ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے قیامت تک جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسجد میں نازل ہوئی تو لوگوں نے (خوشی سے) تکبیر کہی تب ایک انصاری صحابی (تکبیر سن کر) آئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ آیت نازل ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔ تو انہوں نے عرض کیا یہ تو بہت نفع والا سودا ہے ہم اسے کبھی نہیں توڑیں گے اور نہ توڑنے کی درخواست کریں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ اسی وقت جہاد میں نکل گئے اور شہید ہو گئے۔

والآیة عامة فی کل من جاهد فی سبیل الله من امة محمد صلی الله علیه وسلم الی یوم القیامة وعن جابر بن عبدالله: نزلت ورسول الله صلی الله علیه وسلم فی المسجد، فکبر الناس، فاقبل رجل۔ الخ۔ (البحر المحیط)

مختصر و جامع تفسیر

آیت مبارکہ کی مختصر اور جامع تفسیر درج ذیل عبارت میں آ گئی ہے، اس عبارت کو سمجھنے کے لیے پہلے چند الفاظ کا ترجمہ ذہن نشین کر لیں۔

ملابست تعلق، عقد بیع خرید و فروخت کا معاملہ، مبیع جس چیز کو خریدا جائے، ثمن قیمت، بائع بیچنے والا، مشتری خریدنے والا، بشر انسان، خطور کھٹکا۔

ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

''اس سے زیادہ سود مند تجارت اور عظیم الشان کامیابی کیا ہوگی کہ ہماری حقیر سی جانوں اور فانی اموال کا خداوند قدوس خریدار بنا، ہماری جان و مال کو جو فی الحقیقت اسی کی مخلوق و مملوک ہے، محض ادنیٰ ملابست سے ہماری طرف نسبت کر کے ''مبیع'' قرار دیا جو ''عقد بیع'' میں مقصود بالذات ہوتا ہے اور جنت جیسے اعلیٰ ترین مقام کو اس کا ''ثمن'' بتلایا جو مبیع تک پہنچنے کا وسیلہ ہے، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جنت'' میں وہ نعمتیں ہوں گی جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب پر ان کی کیفیات کا خطور ہوا۔ اب خیال کرو کہ جان و مال جو برائے نام ہمارے کہلاتے ہیں، انہیں جنت کا ثمن نہیں بتایا، نہ یہ کہا کہ حق تعالیٰ ''بائع'' اور ہم ''مشتری'' ہوئے، تلطف و نوازش کی حد ہو گئی کہ اس ذرا سی چیز کے (حالانکہ وہ بھی فی الحقیقت اسی کی ہے) معاوضہ میں جنت جیسی

لازوال اور قیمتی چیز کو ہمارے لئے مخصوص کر دیا جیسا کہ "بالجنة" کی جگہ "بانّ لھم الجنة" فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنچہ در ہمت نیاید آں دہد

پھر یہ نہیں کہ ہمارے جان و مال خرید لیے گئے تو فوراً ہمارے قبضہ سے نکال لیے جائیں، صرف اس قدر مطلوب ہے کہ جب موقع پیش آئے جان و مال خدا کے راستہ میں پیش کرنے کے لیے تیار رہیں۔ دینے سے بخل نہ کریں خواہ وہ لیں یا نہ لیں۔ اسی کے پاس چھوڑے رکھیں، اسی لئے فرمایا **يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ** یعنی مقصود خدا کی راہ میں جان و مال حاضر کر دینا ہے، بعدہٗ ماریں یا مارے جائیں، دونوں صورتوں میں عقد بیع پورا ہو گیا اور یقینی طور پر ثمن کے مستحق ٹھہر گئے، ممکن ہے کسی کو وسوسہ گزرتا کہ معاملہ تو بے شک بہت سودمند اور فائدہ بخش ہے لیکن ثمن نقد نہیں ملتا اس کا جواب دیا **وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ** یعنی زرِ ثمن کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے بہت تاکید و اہتمام سے پختہ دستاویز لکھ دی ہے، جس کا خلاف ناممکن ہے، کیا خدا سے بڑھ کر صادق القول، راستباز اور وعدہ کا پکا کوئی دوسرا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں لہٰذا اس کا ادھار بھی دوسروں کے نقد سے ہزاروں درجہ پختہ اور بہتر ہوگا، پھر مؤمنین کے لیے خوش ہونے اور اپنی قسمت پر نازاں ہونے کا اس سے بہتر کونسا موقع ہوگا کہ خود رب العزت ان کا خریدار بنے، اور اس شان سے بنے۔ سچ فرمایا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہ یہ وہ بیع ہے جس کے اقالت (یعنی معاملہ ختم کرنے کے) کی کوئی صورت ہم باقی نہیں رکھنا چاہتے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے ہم ناتوانوں کو ان مؤمنین کے زمرہ میں محشور فرمائے آمین۔ (تفسیر عثمانی)

دلکش نکتے

کسی بھی سودے کے قیمتی ہونے کا اندازہ تین چیزوں سے لگایا جاتا ہے:

1. خریدنے والے کی عظمت سے، کیونکہ بڑے لوگ کبھی حقیر چیزیں خریدنے کے لیے نہیں نکلتے
2. خریدنے اور بیچنے والے کے درمیان معاملہ طے کرانے والے کی عظمت سے، کیونکہ بڑے لوگ کبھی کسی ادنیٰ سودے کے درمیان نہیں آتے
3. قیمت کی عظمت سے، کیونکہ کسی گھٹیا چیز کے لیے بڑی قیمت نہیں لگائی جاتی۔

بس اسی سے آپ مجاہدین اور شہید کی جانوں کی قیمت کا اندازہ لگالیں کہ ان کا خریدار خود اللہ تعالیٰ اور درمیان میں سودا کرانے والے سید الکونین حضرت محمد ﷺ اور سودے کی قیمت اللہ تعالیٰ کے قرب والی جنت ہے۔ (سبحان اللہ)

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ جانیں تین قسم کی ہیں:

1. ایک وہ ہیں جن کی آزادی کی وجہ سے ان کا سودا نہیں ہوا یہ انبیاء علیہم السلام کی جانیں ہیں
2. دوسری وہ جانیں جن کا سودا ان کے گھٹیا ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا، یہ کافروں کی جانیں ہیں
3. تیسری وہ جانیں جن کے اعزاز کی وجہ سے ان کا سودا ہو گیا، یہ ایمان والوں کی جانیں ہیں

مصنف (علامہ ابن النحاس شہیدؒ) فرماتے ہیں کہ تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں اور غلام کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی جو وہ اپنے آقا کو بیچ سکے۔ کیونکہ غلام اور اس کی تمام چیزیں اس کے آقا کی ہوتی ہیں۔ تو غلام اسی وقت اپنے آپ کو آقا کے پاس بیچ سکتا ہے جب آقا اسے آزاد کردے۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کی جانوں کو خریدتا ہے پہلے انہیں جہنم سے آزاد کرتا ہے اور اس بات کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں مجاہدین کے لیے آگ کے حرام ہونے اور آگ سے ان کے آزاد ہونے کا تذکرہ ہے۔ (فضائل جہاد)

تقریر لطیف

”جب اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی کہ میں نے ایمان والوں کی جان و مال کو خرید لیا ہے تو ایمان والوں نے عرض کیا یا اللہ اس کی قیمت کیا ملے گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں جنت ملے گی۔ پھر انہوں نے پوچھا ہم سودا کس طرح آپ کے سپرد کریں تو جواب دیا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ میدان جہاد میں چلے آؤ، لڑو اور جانیں قربان کرو سودا ہم تک پہنچ جائے گا۔ پھر انہوں نے عرض کیا یا اللہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ خرید و فروخت کے وقت دو گواہ بنا لیا کرو اور ضمانت لکھوا لیا کرو تو اس خرید و فروخت کے گواہ کون ہیں؟ جواب ملا وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ کہ تم دو گواہوں کی بات کرتے ہو ہم نے اس خرید و فروخت پر تین کتابوں اور ان پر عمل کرنے والی تین امتوں کو گواہ بنا دیا ہے۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں آپ سے کوئی پوچھ بھی نہیں سکتا اگر آپ نے ہمارا اجر مٹا دیا تو ہم گھاٹے میں رہ جائیں گے۔ جواب ملا وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ کہ ہم سے بڑھ کر عہد کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے، پھر ہر خرید و فروخت کے بعد یا تو ندامت اور غمی پہنچتی ہے یا فرحت اور خوشی تو یہ خرید و فروخت کس قسم کی ہے۔ ارشاد فرمایا فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ تم لوگ اس معاملے پر خوشیاں مناؤ اور اس کی مزید تاکید کے لیے فرمایا وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور بے شک یہ بڑی کامیابی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اعرابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے اس نے پوچھا یہ کس کا کلام ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم یہ تو نفع والا سودا ہے ہم اس خرید و فروخت کو کبھی ختم نہیں کریں گے چنانچہ جہاد میں نکل کر شہید ہو گیا۔ (رضی اللہ عنہ) (فضائل جہاد)

☆☆☆

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے شکر کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ

اچھے کاموں کا حکم کرنے والے اور بری باتوں سے روکنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور ایسے مومنوں کو خوشخبری سنادے۔

خلاصہ

نو ”۹“ ایسی صفات جن کو مجاہدین اختیار کریں تو ان کی فضیلت اور ثواب میں مزید اضافہ ہو جائے اور تمام اہل ایمان ان کو اختیار کریں تو ان کے لیے بھی بشارت ہے کیونکہ یہ وہ صفات ہیں جن سے ایمان میں کمال پیدا ہوتا ہے:

۱ توبہ ....

۲ عبادت ....

۳ اللہ تعالیٰ کی حمد، شکر ....

۴ روزہ، دنیا سے بے تعلق ....

۵ رکوع، ....

۶ سجدہ ....

۷ امر بالمعروف ....

۸ نہی عن المنکر ....

۹ حدود اللہ کی پاسداری ....

”نو“ جامع صفات

”پھر آگے ان لوگوں کی نو ”۹“ صفات بیان فرماتا ہے یہ صفات اچھے اخلاق، روح کی نورانیت اور باہمی اصلاح کا عطر یعنی خلاصہ ہیں:

۱ اَلتَّآئِبُوْنَ: یعنی ہر قسم کی برائی جو بشریت (یعنی انسانی تقاضے) سے صادر ہوگئی اس سے توبہ کرنے والے

❷ اَلْعٰبِدُوْنَ: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے

❸ اَلْحٰمِدُوْنَ : اللہ تعالیٰ کی ہر حال میں حمد کرتے ہیں، جو کچھ اس نے عنایت کیا ہے اسی حالت میں اس سے خوش ہیں۔

❹ اَلسَّآئِحُوْنَ : روزہ رکھنے والے کیونکہ روزہ میں جب انسان خواہشوں کے دروازے بند کر لیتا ہے تو اس پر معارف کے دروازے کھل جاتے ہیں پھر وہ اس میں عالم جلال کی سیر کرتا ہے، بعض کہتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے سفر کرنے والے ہیں طلب علم یا جہاد کے لیے یا ہجرت کے لئے۔ مأخوذ من السیاحة

❺ ❻ رکوع اور سجدہ کرنے والے، نماز پڑھنے والے۔ ❼ ❽ صرف اپنی تکمیل پر بس کرنے والے نہیں بلکہ اوروں کو بھی اس میں شریک کرنے والے یعنی بھلی باتوں کا حکم دینے والے، بری باتوں سے منع کرنے والے۔

❾ اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللہِ : ہر معاملہ میں احکام الٰہی کی رعایت رکھنے والے اس میں ہزاروں باتیں آ گئیں‘‘۔ (حقانی، تسہیل)

یہ شرطیں نہیں صفات ہیں

کئی مفسرین حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق پچھلی آیت کے ساتھ ہے اور یہ نو چیزیں مجاہدین کے لیے بطور شرط نہیں ہیں کہ ان کے بغیر پچھلی آیت میں کیا گیا جنت کا وعدہ پورا نہ ہو بلکہ یہ ’’اوصافِ تکمیل‘‘ ہیں کہ مجاہدین کو چاہئے کہ خود کو کامل بنانے کے لیے ان صفات کو اختیار کریں تو اس سے ان کا مقام بھی بڑھے گا، اجر و ثواب بھی بڑھے گا اور انہیں جہاد پر استقامت بھی نصیب ہوگی۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

’’ان صفات کی قید لگانے کا یہ مطلب نہیں کہ بدوں (یعنی بغیر) ان صفات کے جہاد کا ثواب نہیں ملتا، کیونکہ نصوصِ کثیرہ میں صرف جہاد پر بشارات وارد ہیں البتہ ایمان شرطِ ضروری ہے بلکہ مطلب (ان صفات کی قید لگانے کا) یہ ہے کہ ان سب کے اجتماع پر ثواب اور فضیلت میں اور (زیادہ) کثرت اور قوت ہو جاتی ہے تا کہ نرے (یعنی صرف) جہاد پر نہ بیٹھ جاویں بلکہ ان عبادات کو بھی ہمیشہ بجالاویں۔ (بیان القرآن)

پس اگر مجاہدین چاہتے ہیں کہ ان کو جہاد پر قوت ملے اور وہ اس سودے کو جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے ٹھیک طرح سے نباہ سکیں تو وہ ان نو صفات کو اختیار کرنے میں خوب محنت اور ہمت سے کام لیں۔

مجاہدین کے لیے بہترین اصلاحی نصاب

اس آیت کا تعلق اگر پچھلی آیت سے ہو جیسا کہ کئی مفسرین حضرات کا فرمان ہے تو پھر اس آیت میں مجاہدین کے لیے ایک جامع اصلاحی نصاب بیان فرمایا گیا ہے۔ پس مجاہدین اس نصاب کو خود پر نافذ کریں اور اپنی جماعتوں اور تنظیموں میں اس نصاب کی پابندی کرائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیت کی تفسیر میں دوسرا قول

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت پچھلی آیت کے ساتھ جڑی ہوئی نہیں ہے بلکہ یہ جملہ مستانفہ (یعنی نیا اور مستقل جملہ) ہے۔

وآیة ان اللہ اشتری مستقلة بنفسها لم یشترط فیھا شیء سوی الایمان فیندرج فیھا کل مؤمن قاتل لتکون کلمة اللہ ھی العلیاء وان لم تکن فیہ ھذہ الصفات۔ (البحر المحیط)

پس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ایمان کو کامل بنانے والی صفات ہیں پس ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ ان صفات میں سبقت کرے تاکہ ایمان کا اونچا مقام پا سکے اور جو ان صفات کو اختیار کرے گا اس کے لیے جنت ہے اگرچہ وہ جہاد میں نہ نکلا ہو مگر شرط یہ ہے کہ اسے جہاد کے ساتھ دشمنی اور عناد بھی نہ ہو اور نہ اس نے ترکِ جہاد کا پکا ارادہ کر رکھا ہو (یہ اس وقت ہے جب جہاد فرض عین نہ ہوا ہو)۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

انھا اوصاف الکملة من المؤمنین، ذکرھا اللہ لیستبق الیھا اھل التوحید حتی یکونوا فی اعلی مرتبة وقال الزجاج: الذی عندی ان قولہ: اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ رفع بالابتداء وخبرہ مضمر، ای التائبون العابدون الی آخر الآیة۔ لھم الجنة ایضا وان لم یجاھدوا، اذا لم یکن منھم عناد وقصد الی ترک الجھاد، لان بعض المسلمین یجزی عن بعض فی الجھاد۔ (القرطبی)

یعنی مجاہدین کے لیے تو صرف جہاد پر ہی جنت کا وعدہ ہے جبکہ باقی مؤمنین کے لیے ان صفات کو اختیار کرنے پر جنت کا وعدہ ہے بشرطیکہ وہ جہاد کی مخالفت نہ کریں اور ترکِ جہاد کا قصد نہ کریں۔ یعنی فرض عین ہو جانے کی صورت میں نکلنے کے لیے تیار رہتے ہوں۔

اَلسَّآئِحُوْنَ

حضرت شاہ صاحبؒ اَلسَّآئِحُوْنَ کا ترجمہ کرتے ہیں ”بے تعلق رہنے والے“ اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بے تعلق رہنا ”روزہ“ ہے یا ”ہجرت“ ہے یا دل نہ لگانا دنیا کے مزوں میں۔ (موضح القرآن)

سُورَةُ التَّوبَةِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۱۵،۱۱۴،۱۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا

پیغمبر اور مسلمانوں کو یہ بات مناسب نہیں کہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا کریں اگرچہ وہ

اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

رشتہ دار ہی ہوں جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ

اور ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے بخشش کی دعا کرنا ایک وعدہ کے سبب سے تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ

پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہوگئے بے شک ابراہیم بڑے نرم دل

حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ

تحمل والے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو صحیح راستہ بتلانے کے بعد گمراہ کردے جب تک ان پر واضح

لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

نہ کردے وہ چیز جس سے انہیں بچنا چاہئے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

خلاصہ

❶ ایمان والوں نے جب اپنی جان اور مال اللہ تعالیٰ کے پاس بیچ دیا ہے تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تنہا اسی کے ہو کر رہیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے محبت اور مہربانی کا کوئی تعلق نہ رکھیں، یہاں تک کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے جو کفر وشرک پر مر چکے ہیں استغفار بھی نہ کریں۔ جو اللہ تعالیٰ کا باغی ہے وہ مسلمانوں کا دوست کس طرح سے ہوسکتا ہے؟ اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

❷ باقی رہا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے والد کے لیے استغفار کرنا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اس سے استغفار کا وعدہ کرلیا تھا۔ پھر جب وہ کفر پر مرگیا اور یہ بات یقینی ہوگئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دشمنی پر مرا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے بیزاری کا اعلان کردیا اور اس کے لیے استغفار کرنا بند کردیا۔ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور متحمل مزاج تھے۔

❸ اب تک جو مسلمان اپنے مشرک آباء واجداد کے لیے استغفار کرتے رہے ہیں تو ان کی اس بات پر اللہ تعالیٰ

کی طرف سے کوئی پکڑ نہیں ہوگی کیونکہ پہلے اس سے صراحۃً منع نہیں کیا گیا تھا۔ پکڑ تو ان کاموں پر ہوتی ہے جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے واضح ممانعت کردی گئی ہو۔

یہ جہاد کے لیے ذہن سازی ہے

تفسیر حقانی میں ہے:

”جہاد میں چونکہ مخالفین یگانہ (یعنی اپنے) لوگ تھے ان سے لڑنا شاق تھا اس لئے اوّل ان سے بے زاری ظاہر کر کے یہاں ان کے لیے استغفار سے بھی منع کرتا ہے“۔ (تفسیر حقانی)

کفار سے برأت اور قطع تعلق

تفسیر کبیر اور بیان القرآن میں ہے کہ:

ان آیات کا تعلق کفار کے ساتھ اس اعلان برأۃ سے ہے جو اس سورۃ مبارکہ کے شروع میں ہوا تھا اور اسی پر جہاد کا حکم ہوا تھا اب بتایا جاتا ہے کہ یہ بیزاری، قطع تعلق اور مخالفت صرف زندگی ہی میں نہیں بلکہ ان کے مرنے کے بعد بھی تمہارے دلوں میں ان کے لیے کوئی نرمی نہیں آنی چاہیے خواہ وہ تمہارے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

بیان القرآن میں ہے:

زیادہ تر حصہ سورت کا تبرّی عن الکفار میں ہے چنانچہ آغاز کیا گیا بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ سے اور جہاد کا حکم ہوا۔ یہ سب معاملات متعلق حیات کے تھے آگے اسی تبرّی کی تاکید کے لیے کفار کے واسطے استغفار کرنے سے نہی ہے جو کہ متعلق مابعد الموت کے ہے۔ (بیان القرآن)

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

شروع سورۃ سے یہاں تک ارشاد فرمایا گیا کہ کفار و منافقین سے مسلمانوں کو ہر طرح کا قطع تعلق کرنا واجب ہے۔ اب اس آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد بھی ان سے براءت یعنی بے زاری اور قطع تعلق واجب ہے، اگرچہ بہت قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

اعلم انه تعالیٰ لما بین من اوّل هذه السورة الی هذا الموضع وجوب اظهار البراءة عن الکفار والمنافقین من جمیع الوجوه بین فی هذه الآیة انه تجب البراءة عن امواتهم وان کانوا فی غایة القرب من الانسان۔ (کبیر)

اتمام حجت سے پہلے گمراہ نہیں کرتا

”آیت ۱۱۵“ میں سمجھایا گیا کہ اتمام حجت اور اظہار حق سے پہلے اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا، گمراہی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے احکام صاف کھول کر بیان کر چکا پھر اس پر عمل نہ کیا جائے، گویا اشارہ کردیا کہ جو لوگ ممانعت سے قبل مشرکین کے لیے استغفار کر چکے ہیں ان پر مواخذہ نہیں لیکن اب اطلاع پانے کے بعد ایسا کرنا گمراہی ہے۔ (عثمانی تسہیل)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت ہے وہی جلاتا اور مارتا ہے اور

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں۔

خلاصہ

ایمان والوں کے لیے قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے کہ وہ مشرکین اور کفار کے خلاف قتال کریں اور اللہ تعالیٰ جو آسمان وزمین کا مالک ہے اس کی نصرت پر بھروسہ رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا یار ومددگار ہے۔ (ابن کثیر)

مسلمانوں کو کافروں کی ضرورت نہیں

پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کافروں سے براءت اور قطع تعلق کا حکم دیا گیا تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ تب تو مسلمان اکیلے رہ جائیں گے تو اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ نہیں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ تفسیر الفرقان میں ہے:

”اور مسلمانوں کو ان کی امداد کی ضرورت نہیں وہ اس خدا پر اعتماد کیے ہوئے ہیں جو زمین وآسمان کا مالک ہے اور جس کے ہاتھ میں موت وحیات کا رشتہ ہے، وہ مسلمانوں کو بہت جلد خلافت کبریٰ تک پہنچا دے گا اور اگر ان کی استعداد میں کچھ کمی ہوئی تو اس کو پورا کر دے گا“۔ (تفسیر الفرقان)

جہاد کی ترغیب

قال ابن جریرؒ هذه تحريض من الله تعالىٰ لعباده المؤمنين في قتال المشركين وملوك الكفر وان يثقوا بنصر الله مالك السموت والارض ولا يرهبوا من اعدائه فانه لاولى لهم من دون الله ولا نصير لهم سواه. (ابن كثير)

”حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (ص۔۳۹۶ ج۔۲) پر ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ آخر میں یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی یار ومددگار نہیں، اس میں اہل ایمان کو ترغیب ہے کہ مشرکین اور روساء کفر سے قتال کرو اور اللہ تعالیٰ کی مدد کا یقین رکھو اسی پر بھروسہ کرو اور اس کے دشمنوں سے نہ ڈرو، اللہ تعالیٰ تمہارا ولی اور مددگار ہے“۔ (انوار البیان)

اللہ تعالیٰ ہی تمہارا سب کچھ ہے

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ سے چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

❶ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں سے براءۃ یعنی قطع تعلق کا حکم فرمایا تو اس آیت میں بتا دیا کہ زمین

وآسمان کی بادشاہت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، تو جب اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے تو یہ کافر تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

❷ جب مسلمانوں کو کفار سے قطع تعلق کا حکم ملا تو گویا کہ بعض مسلمانوں نے کہا کہ اب تو ہم اپنے قریبی رشتہ داروں (بھائی، بیٹے والد تک) سے نہیں جڑ سکیں گے تو اس آیت میں سمجھا دیا کہ اگر چہ تم اپنے ان قریبی رشتہ داروں کی مدد اور تعاون سے محروم ہوئے ہو مگر اللہ تعالیٰ جو آسمان وزمین اور زندگی، موت کا مالک ہے وہ تمہارا مددگار ہے، تو ان کفار کا تم سے کٹ جانا تمہارے لئے کچھ نقصان دہ نہیں ہے۔

❸ جب اللہ تعالیٰ نے ان مشکل احکامات (قطع تعلق اور جہاد وغیرہ) کا حکم دیا تو گویا کہ اس آیت میں سمجھا دیا کہ تم پر میرا حکم ماننا لازم ہے کیونکہ میں تمہارا معبود ہوں اور تم میرے بندے۔ (مفہوم تفسیر کبیر)

نکتہ

ارشاد فرمایا کہ (اے مسلمانو) اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تمہارا کوئی یار ہے نہ مددگار...... یہ بہت عجیب حکمت سمجھائی کہ جب تم مسلمان ہوگئے اور سچے مسلمان بن گئے تو اب زمانے بھر کے کافر تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور وہ کبھی بھی تمہارا غلبہ، تمہاری عزت اور تمہاری ترقی برداشت نہیں کریں گے، اس لئے تم ان سے دوستیاں یاریاں کر کے خود کو دھوکے میں نہ ڈالو، وہ اوپر اوپر سے تمہارے ہمدرد بن کر تم میں گھسیں گے تاکہ تمہیں نقصان پہنچا سکیں، اس لئے ہوشیار رہو اور دین کے ہر دشمن سے اعلان براءۃ کرو، جہاد کے میدان میں ثابت قدم رہو اور ایک اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ رکھو، کیونکہ اس کے علاوہ تمہارا کوئی حقیقی یار ومددگار نہیں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچو

”اللہ تعالیٰ تو زمین وآسمان کا بادشاہ ہے اس لئے اس کے حکم کی تعمیل کو فرضِ اہم سمجھا جائے۔ اور اگر خدائے تعالیٰ ناراض ہو تو پھر کوئی مددگار نہیں مل سکے گا“۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۱۷

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

اللہ تعالیٰ نے نبی کے حال پر رحمت سے توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے

فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ

ایسی تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے بعض کے دل پھر جانے کے قریب

مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

تھے پھر اپنی رحمت سے ان پر توجہ فرمائی بیشک وہ ان پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ

(از بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر توجہ فرمائی (یعنی خوب مہربانی فرمائی) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور امامت جہاد اور تمام خوبیاں عطاء فرمائیں اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی توجہ فرمائی کہ ان کو ایسی مشقت کے جہاد میں ثابت قدم رکھا جنہوں نے ایسے تنگی کے وقت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اس کے بعد کے ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا اور وہ جہاد میں جانے سے ہمت ہارنے کو تھے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کے حال پر توجہ فرمائی کہ ان کو سنبھال لیا اور آخر ساتھ ہو ہی لیے۔ پس بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے کہ اپنی مہربانی سے ہر ایک کے حال پر کس کس طرح سے توجہ فرمائی۔ (بیان القرآن تسہیل)

توبہ کا ایک معنیٰ اللہ تعالیٰ کا فضل

”اللہ تعالیٰ کا فضل فرمانا، توبہ کی توفیق دینا، توبہ کو قبول فرمانا، معاملہ میں آسانی فرمادینا، تاب اللّٰه علیه ان سب کو شامل ہے۔

قال صاحب القاموس تاب الله عليه، وفقه للتوبة ورجع به من التشديد الى التخفيف او رجع عليه بفضله وقبوله وهو توّاب على عباده

صاحب قاموس کہتے ہیں تاب الله علیه کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق دی اور اس سے سختی کو ہٹا کر آسانی کردی یا اپنے فضل و قبولیت کے ساتھ اس پر توجہ فرمائی اور وہ اپنے بندوں کے لیے تواب ہے۔

لفظ تَابَ کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے اس میں اس مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے، لہٰذا اب یہ اشکال نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان مہاجرین اور انصار سے کون سا گناہ ہوا تھا جنہوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت کی اور گناہ

کی وجہ سے توبہ کی اور وہ توبہ قبول ہوئی، تَابَ کے مفہوم میں فضل فرمانا۔ معاملہ میں آسانی دینا، توبہ کی توفیق فرمانا یہ سب کچھ آتا ہے۔ اس لئے تاب کا ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی)۔" (انوار البیان)

جہاد میں شمولیت اور اس پر استقامت اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر خاص توجہ اور مہربانی فرمائی کہ ان کو جہاد میں نکالا پھر جب حالات کی سختی کی وجہ سے ان کے دلوں میں وساوس آنے لگے اور پیچھے ہٹنے کا خیال آنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے پھر خاص توجہ اور مہربانی فرمائی اور ان کو جہاد پر استقامت نصیب فرما دی پس اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

1. جو لوگ جہاد میں نکلے ہوئے ہیں اور ڈٹے ہوئے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے وہ اس کا شکر ادا کریں
2. جو لوگ جہاد سے محروم ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں اور خاص مہربانی کا سوال کریں وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایثار وفداکاری کا عجیب جذبہ

"مشکل گھڑی سے مراد "غزوۂ تبوک" کا زمانہ ہے جس میں کئی طرح کی مشکلات جمع تھیں۔ سخت گرمی، طویل مسافت، کھجور کا موسم، اس زمانہ کی عظیم الشان سلطنت کے مقابلہ پر فوج کشی، پھر ظاہری بے سروسامانی ایسی کہ ایک ایک کھجور روزانہ دو دو سپاہیوں پر تقسیم ہوتی تھی، اخیر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ بہت سے مجاہدین ایک ہی کھجور کو یکے بعد دیگرے چوس کر پانی پی لیتے تھے۔ پھر پانی کے فقدان سے اونٹوں کی آلائش نچوڑ کر پینے کی نوبت آگئی۔ سواری کا اتنا قحط کہ دس دس آدمی ایک ایک اونٹ پر اترتے چڑھتے چلے جا رہے تھے، یہی وہ جذبہ ایثار وفداکاری تھا جس نے مٹھی بھر جماعت کو تمام دنیا کی قوموں پر غالب کر دیا۔ فللہ الحمد والمنہ۔

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ خدا کی مہربانیاں پیغمبر علیہ السلام پر بے شمار ہیں اور آپ ﷺ کی برکت سے مہاجرین وانصار پر بھی حق تعالیٰ کی مخصوص توجہ اور مہربانی رہی ہے کہ ان کو ایمان وعرفان سے مشرف فرمایا۔ اتباع نبوی، جہاد فی سبیل اللہ اور عزائم امور سرانجام دینے کی ہمت وتوفیق بخشی، پھر ایسے مشکل وقت میں جبکہ بعض مؤمنین کے قلوب بھی مشکلات اور صعوبتوں کا ہجوم دیکھ کر ڈگمگانے لگے تھے اور قریب تھا کہ رفاقت نبوی ﷺ سے پیچھے ہٹ جائیں۔ حق تعالیٰ نے دوبارہ مہربانی اور دستگیری فرمائی کہ ان کو اس قسم کے خطرات ووساوس پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور مؤمنین کی ہمتوں کو مضبوط اور ارادوں کو بلند کیا۔" (تفسیر عثمانی)

پیاس سے گردنیں کٹنے کو تھیں

قرطبی، ابن کثیر اور دیگر مفسرین حضرات نے یہ روایت بیان فرمائی ہے:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سختی کی وہ کیا گھڑی تھی جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے، سخت گرمی کا زمانہ تھا ایک منزل پر

اترے تو ہمیں سخت پیاس لگی۔ پیاس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہماری گردنیں ابھی کٹ کر گر پڑیں گی۔ اگر کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے بھی جاتا تو واپس آنے میں پیاس کی شدت کی وجہ سے یہ سمجھ لیتا کہ میری گردن کٹ کر گر جانے والی ہے، پیاس کی شدت کی وجہ سے بعض اشخاص نے یہاں تک کیا کہ اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھری کو نچوڑ کر پیا اور ترائی حاصل کرنے کے لیے اسے اپنے پیٹ پر رکھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعاء کا عمل عطاء فرمایا ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعاء کی۔ ابھی آپ نے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ بارش ہونی شروع ہوگئی اور خوب بارش ہوئی۔ جس سے حاضرین نے اپنے سارے برتن بھر لیے، پھر ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ بارش کہاں تک ہے تو معلوم ہوا کہ وہ لشکر کی حدود سے آگے نہیں بڑھی۔ (ذکرہ الهیثمی فی مجمع الزوائد ص۔۱۴۹ ج ۲) وقال رواہ البزاز والطبرانی فی الاوسط ورجال البزاز ثقات)

شیطان کا ایک بڑا حربہ

جہاد میں جب مشکل حالات آجائیں تو شیطان دلوں میں خوب وسوسہ ڈالتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کہاں ہے؟...... اگر ہم سچے ہوتے تو اتنی مشکلات ہم پر کیوں پڑتیں؟ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد برحق ہوتے تو اللہ تعالیٰ فوراً مدد فرماتا (نعوذ باللہ)۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر حالات بہت ہی زیادہ سخت تھے ان حالات میں بعض لوگوں کے دلوں میں وسوسے کا آجانا لازمی تھا۔ تب اللہ پاک نے ان پر توبہ یعنی مہربانی فرمائی اور ان کو تھام لیا۔

اس نکتے کی طرف حضرت شاہ صاحبؒ اور بعض دیگر مفسرین نے اشارہ فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے جلالین، روح المعانی، موضح القرآن۔

حضرات صحابہ کرامؓ بار بار رحمت کے مستحق

”اس کرۂ ارضی کی پشت پر بہترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے سخت تکلیف کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، غزوۂ تبوک کے واقعات کو یاد کیجئے جس کو مسلمانوں کی غربت کی وجہ سے جیش العسرۃ اور غزوۃ العسرۃ بھی کہتے ہیں، قتادہؒ کہتے ہیں کہ سامانِ خوراک کی یہ کیفیت تھی کہ دو دو صحابہ میں ایک کھجور تقسیم ہوتی تھی اور بعض اوقات یہاں تک نوبت پہنچی کہ صرف گٹھلی چوسنے پر قناعت کرنی پڑی، دوران سفر میں ایک جگہ پانی ختم ہوگیا، قریب تھا کہ لوگ اونٹ ذبح کریں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں دعاء کے لیے عرض کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دعاء کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اس قدر پانی برسا کہ سب سیراب ہوگئے۔ ثم ذھبنا ننظر فلم نجدھا تجاوزت العسکر پھر ہم یہ دیکھنے کو لشکر سے باہر گئے کہ کہاں تک بارش ہوئی ہے تو دیکھا کہ لشکر سے باہر اس کا اثر تک نہ تھا، ان حالات میں جن لوگوں نے ساتھ دیا وہ یقیناً بار بار رحمت کے مستحق ہیں“۔ (تفسیر الفرقان)

برحق جہاد میں بھی مشکلات آتی ہیں

اس طرح کی آیات اور غزوۂ تبوک کے پورے بیان سے یہ سبق بار بار ملتا ہے کہ وہ جہاد جو بالکل برحق اور خالص شرعی ہو اس میں بھی تکلیفیں، مشقتیں اور پریشانیاں آتی ہیں، یہ سبق ذہن میں رہے تو بہت سے اشکالات ختم ہو سکتے ہیں، غزوۂ تبوک میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود کمان اور قیادت فرما رہے تھے اور ساتھ ساتھ مشکلات اور تکلیفیں بھی آرہی تھیں...... تو کیا یہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت موجود نہیں تھی؟ بے شک موجود تھی مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت مختلف رنگوں اور صورتوں میں نازل ہوتی ہے۔ مثلاً کبھی اسباب کی فراوانی کی صورت میں اور کبھی صبر و استقامت نازل کرنے کی صورت میں۔ یہاں نصرت کا رنگ یہ تھا کہ اللہ پاک نے اس قدر تکلیفوں کے باجود ان کو ثابت قدم رکھا اور اپنے راستے پر ان کو چلاتا رہا اور ہر قدم پر ان کو اجر و رحمت سے نوازتا رہا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ

اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ

بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ

ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالی سے کوئی پناہ نہیں سوا اسی کی طرف

اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

آنے کے پھر اپنی رحمت سے ان پر متوجہ ہوا تا کہ وہ توبہ کریں بے شک اللہ تعالی تو بہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ

اور اللہ تعالی نے ان تین شخصوں کے حال پر بھی مہربانی فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان کی پریشانی اس حد تک پہنچ گئی کہ زمین باوجود کشادہ ہونے کے ان پر تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جان سے بھی تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالی کی پکڑ سے انہیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے، اس وقت وہ اللہ تعالی کی خاص توجہ کے قابل ہوگئے پھر اللہ تعالی نے ان کے حال پر خاص مہربانی فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی ہر مصیبت اور معصیت کے موقع پر اللہ تعالی کی طرف رجوع رہا کریں بے شک اللہ تعالی بہت توجہ فرمانے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (بیان القرآن تسہیل)

یہ تینوں انصاری صحابہ تھے

اخّر الرسول صلى الله عليه وسلم امرهم وهم كعب بن مالك، مرارة بن ربيعة العامرى وهلال بن امية الواقفى وكلهم من الانصار

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین حضرات کا معاملہ اللہ تعالی کے حکم پر ملتوی رکھا تھا وہ حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت مرارہ بن ربیعؓ اور حضرت ہلال بن امیہؓ تھے یہ سب انصاری صحابی تھے۔ (قرۃ العینین)

جہاد سے رہ جانا مؤمن کی شان نہیں

یہ تینوں مخلص اور پرانے صحابی تھے، غزوۂ تبوک سے رہ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ قطع تعلق کا حکم فرمایا۔ ان حضرات نے کوئی بہانے اور کوئی تاویلیں پیش نہیں کیں اور نہ اپنی ماضی کی قربانیوں کو جتلایا اور نہ ہی انہوں نے یہ کہا کہ جہاد تو کئی قسم کا ہوتا ہے اور جہاد کا لفظ جہد سے مشتق ہے اور اس میں ہر طرح کی محنت شامل ہے اور ہر طرح کی دینی محنت کرنے سے فریضۂ جہاد ادا ہو جاتا ہے۔ بلکہ ان حضرات نے ندامت کا اظہار کیا،

سچے دل سے توبہ کی، جب ان کو سزا دی گئی تو انہوں نے اس سزا کو قبول کیا اور برابر اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی فرمائی، اور توبہ قبول فرمائی۔ اس میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑا سبق ہے کہ وہ جہاد کے بارے میں اپنا نظریہ اور عمل ٹھیک کریں، ضد اور تاویلات سے کام نہ لیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دو مناظر

پیچھے غزوہ تبوک کے بیان میں ان تین حضرات کا واقعہ گزر چکا ہے یہاں صرف اس واقعہ کے دو مناظر بیان کیے جارہے ہیں:

''حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس مقاطعہ کے زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے بہ نسبت اور لوگوں کے سب سے زیادہ محبت تھی، میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں، یہ سن کر وہ خاموش ہوگئے میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی وہ پھر خاموش ہوگئے، میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی تو انہوں نے اتنا کہہ دیا اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والا ہے) یہ بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور میں واپس ہوگیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا۔

اور دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میں مدینہ منورہ کے بازار میں جارہا تھا کہ شام کے کاشتکاروں میں سے ایک شخص جو غلہ بیچنے کے لیے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا، لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالکؓ کون شخص ہے؟ لوگ میری طرف اشارے کرنے لگے وہ میرے پاس آیا اور غستان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا، جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں گرا پڑا آدمی نہیں بنایا، لہٰذا تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری دلداری کریں گے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آگئی۔ میں نے اس خط کو لیکر تنور میں جھونک دیا۔'' (انوار البیان، بحوالہ صحیح بخاری)

اس واقعہ کے اسباق

حضرات مفسرین نے اس واقعہ کی روشنی میں مسلمانوں کے لیے کئی اسباق اور مسائل ذکر فرمائے ہیں، ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

اسلامی حکومت کا نظم وضبط اور صحابہ کرام کی اطاعت

''(اس واقعہ میں) سزا کیسے کیسے اکابر وابرار کو ملی اور خود ان ابرار واکابر نے اسے کس طرح خوشی خوشی انگیز (یعنی قبول) کیا یہ معنی ہیں نظامِ حکومتِ الٰہی میں ڈسپلن یا اطاعت کے''۔ (ماجدی)

سچ میں کامیابی جھوٹ میں ذلت

ان مخلص مسلمانوں نے سچ بولا تو توبہ قبول ہوگئی، منافق جھوٹ بول کر تباہ ہوئے، پس جو شخص اپنے اکابر اور متعلقین سے جھوٹ بولے چند دن ممکن ہے اس کا جھوٹ چل جائے لیکن پھر پول کھل جاتا ہے اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

دینی معاملات کی وجہ سے مقاطعہ جائز ہے

عام طور پر کسی مسلمان سے تین دن سے زائد مقاطعہ جائز نہیں ہے لیکن اگر دینی کوتاہی کا معاملہ ہو تو امیر المومنین اگر مناسب جانے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

جڑے رہنا چاہئے

حضرت کعب بن مالکؓ مسجد بھی آتے رہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے، یہ نہیں سوچا کہ وہ روٹھے تو ہم بھی روٹھ جائیں جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جن کا تعلق اصلی نہ ہو۔

خاندان اور قبیلے کی حیثیت

آج کل کوئی شخص بھی سزا کا مستحق ٹھہرے تو کچھ لوگ اس کے ہمدرد بن کر مسلمانوں میں تفریق کا باعث بن جاتے ہیں۔ جبکہ ان حضرات کے قریبی رشتہ داروں اور اہل قبیلہ نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی قرابت داری کو کوئی حیثیت نہیں دی اور ان تینوں کو اکیلا چھوڑ دیا۔

دینی نعمتوں پر خوشی اور مبارکباد

جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو حضرات صحابہ کرام نے بڑھ چڑھ کر ان کو مبارکباد دی اور جوق در جوق ان سے ملاقات کرتے رہے، معلوم ہوا کہ دینی نعمتوں کے ملنے پر مبارکباد دینی چاہئے۔ (مفہوم انوار البیان)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

خلاصہ

❶ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کی طرف بلائیں تو فوراً حاضر ہوں اور پیچھے نہ رہیں۔

❷ اور جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ نکلا کرو، یہ "صادقین" (یعنی سچے) ہیں اور منافقین کے ساتھ گھروں میں نہ بیٹھے رہا کرو۔

شانِ نزول

اس آیت سے پچھلی دو آیتوں میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اوران کے دو ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت بھی انہی آیات کے ساتھ نازل ہوئی، حضرت کعبؓ اوران کے ساتھیوں نے سچ بولا اور سچ ہی کی وجہ سے نجات ہوئی۔ (مفہوم انوار البیان)

ربط

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

جب ان تین صحابہ کرام کی توبہ قبول ہونے کا ذکر فرمایا تو اس آیت میں تنبیہ فرمادی کہ آئندہ ماضی والی غلطی نہیں ہونی چاہئے اور وہ غلطی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نہ نکلنا، پس اس سے روکا جارہا ہے۔

واعلم انه تعالىٰ لما حكم بقبول توبة هؤلآء الثلاثة ذكر مايكون كا الزاجر عن فعل ما مضىٰ وهو التخلف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الجهاد. (تفسیر کبیر)

آیت مبارکہ کے جہادی احکامات

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

یہاں تقویٰ کی اوّلین مراد جہاد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درست معاملہ رکھنا ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر نکلنا چاہئے)

اِتَّقُوا اللّٰهَ ويدخل فيه المعاملة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى امر المغازى دخولاً اوّلياً ايضاً (روح المعانی)

امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ فی مخالفة امر الرسول وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ یعنی مع الرسول واصحابه فی الغزوات، ولا تکونوا متخلّفین عنها وجالسین مع المنافقین فی البیوت

یعنی اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کرنے کے بارے میں۔ اور سچوں کے ساتھ رہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے ساتھ غزوات میں شریک رہو اور جہاد سے پیچھے رہنے والے اور منافقین کے ساتھ گھروں میں بیٹھنے والے نہ بنو۔ (تفسیر کبیر)

غزوۂ تبوک میں سرزد ہونے والی غلطی آئندہ نہ ہونے پائے

حضرت لاہوریؒ بھی امام رازیؒ کی تفسیر سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اے مسلمانو! تمہیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور ہر وقت حق پرستوں کا ساتھ دینا چاہئے، غزوۂ تبوک میں بعض لوگوں نے جو ساتھ نہیں دیا تھا وہ غلطی آئندہ نہ ہونے پائے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

آیت مبارکہ کے مضامین

❶ اس آیت مبارکہ میں ”تقویٰ“ کا حکم دیا گیا جو قرآن پاک کے اہم احکامات میں سے ایک ہے، کئی مفسرین حضرات نے ”تقویٰ“ پر مختصر تقریر فرمائی ہے۔

❷ اَلصّٰدِقِیْنَ سچے کون ہیں؟ اس پر حضرات مفسرین نے کئی اقوال ذکر فرمائے ہیں۔

❸ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچوں کے ساتھ رہو یا سچوں میں سے بنو۔ آیت مبارکہ میں دونوں معنیٰ کی گنجائش ہے۔ حضرات مفسرین نے اس پر بھی لکھا ہے۔

❹ سچ کی فضیلت اور جھوٹ کی مذمت کا مضمون اس آیت مبارکہ میں بیان ہوا ہے، حضرات مفسرین نے اس پر تفصیل سے لکھا ہے، ان تمام مضامین کے لیے ملاحظہ فرمایئے قرطبی، ابن کثیر، روح المعانی، تفسیر کبیر، انوار البیان وغیرہا

ایک اصلاحی مضمون

صاحب انوار البیان نے اس آیت مبارکہ کی روشنی میں ایک جامع اصلاحی مضمون رقم فرمایا ہے، مجاہدین کرام کے افادے کے لیے یہ مضمون یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور سچوں کے ساتھ ہوجانے کا حکم

اوپر کی دو آیتوں میں حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت بھی انہی آیات کے ساتھ نازل ہوئی۔ حضرت کعبؓ اور ان کے ساتھیوں نے سچ بولا اور سچ

ہی کی وجہ سے نجات ہوئی (جن کا حدیث شریف میں ذکر ہے) اس آیت میں سچائی کی اہمیت اور ضرورت بتانے کے لئے عامۃ المسلمین کو حکم فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ وارد ہوا ہے۔ اس آیت میں تقویٰ حاصل ہونے کا ایک طریقہ بتادیا اور وہ یہ ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ عربی میں صادق سچے کو کہتے ہیں اور سچائی کو صدق کہتے ہیں۔ دینِ اسلام میں صدق کی بہت بڑی اہمیت اور فضیلت ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی ایمان، اقوال اور اعمال سب میں ضرورت ہے۔ اس کی ضد کذب یعنی جھوٹ ہے۔ جھوٹ سے دین اسلام کو بہت سخت نفرت ہے اور اس کی شدید ممانعت ہے۔

مومن بندہ پر لازم ہے کہ ان وعدوں میں سچا ہو جو وہ مخلوق سے کرتا ہے۔ بندوں کے ساتھ جو رہنا سہنا ہو اس میں بھی سچائی کو سامنے رکھے، اگر سچائی پیش نظر نہ رہی تو جھوٹ بولے گا اور دھوکہ دے گا۔ سورۃ زمر میں فرمایا:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾

(اور جو شخص سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی سو یہ لوگ تقویٰ والے ہیں)

اس میں سچائی اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں صفتِ تقویٰ سے متصف بتایا ہے۔

سورۃ حجرات میں فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

(بلاشبہ مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں)

اس میں یہ بتادیا کہ ایمان میں سچائی ہونا لازم ہے۔ اگر دین کی کسی بات کو نہ مانا یا عقائدِ دینیہ کے کسی عقیدہ میں شک کیا تو گو یا وہ لوگوں کے سامنے بظاہر مسلمان ہونے کی وجہ سے مومن سمجھا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن نہ ہوگا کیونکہ اس کے ایمان میں سچائی نہیں ہے۔ پھر عملی طور پر بھی ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے دکھانا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مالوں سے، جانوں سے جہاد کریں اور یہ سب کچھ دل کی گہرائیوں سے پوری سچائی کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نہ جان جانے کی پرواہ ہو نہ مال خرچ ہونے سے نفس میں کوئی خلش اور چبھن محسوس ہوتی ہو۔

جو بھی عمل کریں اس میں نیت کی سچائی ہو یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو، بندوں کو معتقد بنانا، ان سے تعریف کروانا، اعمال صالحہ کے ذریعہ دنیا طلب کرنا اور شہرت کے لئے علم حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ جیسی عبادت مخلوق کے سامنے کرے جو خالص اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہو ایسی ہی عبادت تنہائی میں کرے۔ ایسا نہ کرے کہ لوگوں کے سامنے لمبی نماز اور اچھی نماز پڑھے اور تنہائی میں نماز پڑھے تو جلدی جلدی نمٹا دے، نہ رکوع سجدہ ٹھیک ہو، نہ تلاوت

صحیح ہو اور نہ خشوع و خضوع ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب بندہ ظاہر میں نماز پڑھتا ہے اور اچھی نماز پڑھتا ہے پھر لوگوں سے علیحدہ ہو کر تنہائی میں نماز پڑھتا ہے تب بھی اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ھذا عبدی حقا کہ سچ مچ یہ میرا بندہ ہے (رواہ ابن ماجہ کمافی المشکوۃ ص ۴۵۵)

حضرت شیخ سعدیؒ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب جو بزرگ سمجھے جاتے تھے اپنے ایک لڑکے کے ساتھ بادشاہ کے مہمان ہوئے، وہاں انہوں نے نماز لمبی پڑھی اور کھانا کم کھایا۔ جب گھر واپس آئے تو اہل خانہ سے کھانا طلب کیا۔ لڑکے نے کہا کہ ابا جان نماز بھی دوبارہ پڑھئے، کیونکہ جیسے وہاں کھانا کم کھانا اللہ تعالیٰ کیلئے نہ تھا ایسے ہی آپ کی نماز بھی اللہ تعالیٰ کے لئے نہ تھی۔

جب بندہ کہتا ہے کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کے الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے تو اُسے ظاہر سے اور باطن سے اللہ تعالیٰ ہی کا بندہ بننا لازم ہے۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کا دعویٰ اور عملی طور پر دنیا کا بندہ، خواہشوں کا بندہ، دینار اور درہم کا بندہ۔ یہ شان عبدیت کو زیب نہیں دیتا۔ دعوائے بندگی میں سچا ہونا لازم ہے۔

جب دعا کرے تو دعا میں بھی سچائی ہونی چاہیے یعنی جب یوں کہے کہ اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں تو پوری طرح متوجہ ہو کر حقیقی سوالی بن کر سوال کرے۔ زبان سے دعا کے الفاظ جاری ہیں لیکن دل غافل ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ کیا مانگ رہا ہوں؟ یہ سچ اور سچائی کے خلاف ہے، جب اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگے تو سچے دل سے حضور قلب کے ساتھ مغفرت طلب کرے۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے یوں کہہ رہا ہے کہ میں مغفرت چاہتا ہوں لیکن دل اور کہیں لگا ہوا ہے۔ یہ صدق اور سچائی کے خلاف ہے۔ اسی لیے حضرت رابعہ بصریہؒ نے فرمایا کہ استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر۔ کہ ہمارا استغفار کرنا بھی صحیح استغفار نہیں ہے، اس کے لیے بھی استغفار کی ضرورت ہے (ذکرہ ابن الجزری فی الحصن) اگر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے اور سچی قسم کھائے آئندہ کسی عمل کے کرنے پر قسم کھائے تو قسم پورا کرے۔ (بشرط یہ کہ گناہ کرنے کی قسم نہ کھائی ہو) اسی طرح سے اگر کوئی نذر مانے تو وہ بھی پورا کرے (شرط اس میں بھی وہی ہے کہ گناہ کی نذر نہ ہو) جب کسی نیک کام کرنے کا ارادہ اور وعدہ کرے تو سچا کر دکھائے۔

حضرت انسؓ کے چچا انس بن نضر غزوہ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے اس کا انہیں بہت رنج ہوا، کہنے لگے کہ افسوس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار مشرکین سے جنگ کی اور اس میں شریک نہ ہوا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین سے قتال کرنے کا موقع دیا تو میں جان جوکھوں میں ڈال کر دکھادوں گا۔ آئندہ سال جب غزوہ احد پیش آیا اور اس میں مسلمان شکست کھا گئے تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ میں مشرکین کے عمل سے براءت ظاہر کرتا ہوں

اور یہ جو مسلمانوں نے شکست کھائی ان کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ مجھے احد سے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور مشرکین سے بھڑ گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا تو ان کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے اسی سے کچھ اوپر زخم تھے۔

اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ
(مومنین میں ایسے افراد ہیں جنہوں نے اپنا عہد پورا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا)

حضرات صحابہؓ سمجھتے تھے کہ یہ آیت حضرت انس بن نضرؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی (ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ص ۱۹۱ ج ۵ و عزاہ الی الترمذی و النسائی والبیہقی فی الدلائل ورواہ البخاری مختصرا ص ۷۰۵ ج ۲)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے فارغ ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیرؓ پر آپ کا گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقتول پڑا ہوا دیکھا اور آیت رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ تلاوت فرمائی (درمنثور ص ۱۹۱ ج ۱ عن الحاکم و البیہقی فی الدلائل)

جو شخص عالم نہ ہو وہ طرز گفتگو سے یہ ظاہر نہ کرے کہ میں عالم ہوں۔ اگر کوئی شخص عالم بھی ہو اور مسئلہ معلوم نہ ہو تو اٹکل سے مسئلہ نہ بتائے کیونکہ اس میں اس کا دعویٰ ہے کہ میں جانتا ہوں اور یہ دعویٰ جھوٹا ہے پھر اٹکل سے بتانے میں غلطی ہو جاتی ہے اس میں اپنا بھی نقصان ہے اور سوال کرنے والے کو بھی دھوکہ دینا اور گمراہ کرنا ہے۔ اگر کسی کے پاس مال یا علم وعمل کا کمال نہ ہو تو اپنی حقیقی حالت کے خلاف ظاہر نہ کرے، کیونکہ یہ صدق وسچائی کے خلاف ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ایک سوتن ہے اگر میں جھوٹ موٹ (اسے جلانے کے لئے) یوں کہہ دوں کہ شوہر نے مجھے یہ یہ کچھ دیا ہے اور حقیقت میں نہ دیا ہو تو کیا اس میں کچھ گناہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زور (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۱ از بخاری و مسلم) کہ جس شخص نے جھوٹ یہ ظاہر کیا کہ مجھے یہ چیز دی گئی ہے حالانکہ اسے نہیں دی گئی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن لئے (یعنی سر سے پاؤں تک وہ جھوٹا ہی جھوٹا ہے)۔ اس حدیث کا مفہوم بہت عام ہے۔ ہر قسم کے جھوٹے دعویداروں کو شامل ہے۔ سچ اور جھوٹ اقوال میں منحصر نہیں، اعمال واحوال اور لباس اور دعاوی اور عزائم ان سب میں سچ اور جھوٹ کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔

ہر مومن بندہ اپنی نگرانی کرے اور سچ ہی کو اختیار کرے اور ہر طرح کے جھوٹ سے بچے۔ اصلاح بین الناس یا بعض دیگر مواقع میں جو جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے وہ مستثنیٰ ہے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کی

طرف سے مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں:

❶ جب بولو تو سچ بولو۔

❷ وعدوں کو پورا کرو۔

❸ جو امانتیں تمہارے پاس رکھی جائیں انہیں ادا کرو۔

❹ اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرو۔

❺ اپنی نظروں کو نیچا رکھو۔

❻ اپنے ہاتھوں کو (ظلم اور زیادتی سے) بچائے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

عبداللہ بن عامرؓ کا بیان ہے کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے کہا: آ میں تجھے دے رہی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے کھجور دینے کا ارادہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اسے کچھ بھی نہ دیتی تو تیرے اعمال نامہ میں ایک جھوٹ لکھا جاتا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶)۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو راضی کرنے کے لئے بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں، ان سے جو وعدہ کریں وہ بھی سچا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان برابر سچ اختیار کرتا ہے اور سچ ہی پر عمل کرنے کی فکر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہگاری کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ گاری دوزخ میں لے جاتی ہے اور انسان جھوٹ کو اختیار کرتا ہے اور جھوٹ ہی کے لئے فکرمند رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو ساری دنیا بھی اگر تجھ سے جاتی رہے تو کوئی ڈر نہیں:

❶ امانت کی حفاظت ❷ بات کی سچائی ❸ اخلاق کی خوبی ❹ لقمہ کی پاکیزگی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۵)

صادقین کی مصاحبت

ابھی صدق کی فضیلت اور اہمیت اور اس کے مقابل جو صفت کذب ہے اس کی مذمت اور شناعت وقباحت معلوم ہوئی۔ حضرات مفسرین کرام نے وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ کا ایک مطلب تو یہی لکھا ہے کہ کونوا مثلھم فی صدقھم جو لوگ صادقین ہیں انہیں کی طرح ہو جاؤ یعنی صدق ہی کو اختیار کرو اور ایمان اعمال واقوال میں

صادقین کی راہ پر چلو اور جس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اس کی مناسبت سے یہی زیادہ اظہر ہیں۔ کیونکہ حضرت کعبؓ اور ان کے دونوں ساتھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے ساتھ جانے سے رہ گئے تھے وہ ان کے ساتھ عمل صدق میں شریک نہ ہوئے تھے۔ لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بھی بتاتا ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اچھی صحبت اور بری صحبت دونوں بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ جو اچھوں کی صحبت اٹھائے گا اس میں خوبی پیدا ہوگی اور جو بروں کی صحبت میں رہے گا اس میں برائیاں آتی چلی جائیں گی اور اس کا نفس برائیوں سے مانوس ہو جائے گا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تصاحب الا مؤمنا ولا یاکل طعامك الا تقی۔ صرف مومن کی صحبت اختیار کر اور تیرا کھانا (یعنی طعام ضیافت) متقی کے سوا کوئی نہ کھائے (رواہ الترمذی)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ اس کی دوستی کس سے ہے (رواہ الترمذی) (اگر اچھے لوگوں سے دوستی ہے تو تو اچھا آدمی ہے، اور برے لوگوں سے دوستی ہے تو سمجھ لے کہ تو برا آدمی ہے)

پس ہر شخص کو معاشرت کے لئے، اٹھنے بیٹھنے کے لئے اور مصاحبت کے لئے صادقین کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے جیسے ساتھی ہوں گے ویسا ہی خود ہو جائے گا اور یہ ایسی چیز ہے جس کا عموماً مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سچوں کے ساتھ ہونے میں تقویٰ کی صفت سے بھی متصف ہوں گے۔ تقویٰ کا حکم دینے کے بعد سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے۔ اپنے لئے بھی صادقین اور صالحین کی مصاحبت کا فکر کریں اور اپنی اولاد کے لئے بھی اسی کو سوچیں، صادقین کے ساتھ بھی رہیں ان کی کتابیں بھی پڑھیں۔ کتاب بھی بہترین ساتھی ہے مگر کتاب اچھی ہو، اچھائی سکھاتی ہو اور اچھے لوگوں کی لکھی ہوئی ہو۔

☆......☆......☆

سُورَةُ التَّوبَةِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۲۰، ۱۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا

مدینہ والوں اور ان کے آس پاس دیہات کے رہنے والوں کو یہ مناسب نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول سے

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں یہ اس لیے ہے کہ انہیں

لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ

لَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا

چلتے ہیں جو کافروں کے غصہ کو بھڑکائے اور یا کافروں سے کوئی چیز چھین لیتے ہیں ہر بات پر

اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

ان کیلئے عمل صالح لکھا جاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا

اور جو وہ تھوڑا یا بہت خرچ کرتے ہیں یا کوئی میدان طے کرتے ہیں تو یہ سب کچھ ان کیلئے

كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے۔

خلاصہ

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں تشریف لے جائیں اور مدینہ منورہ اور آس پاس کے لوگ پیچھے رہ جائیں یہ کہاں جائز ہے؟

❷ کوئی مسلمان اپنی جان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ عزیز سمجھے یہ کہاں جائز ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سب سے افضل، انبیاء علیہم السلام کے سردار، اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں نکل رہے ہیں اور اپنی قیمتی جان مبارک کو تکلیف، مشقت اور خطرے میں ڈال رہے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کتنا اہم کام ہے۔ تو پھر پیچھے رہ جانے والوں نے کتنی بڑی محرومی اپنے سر لی۔ اور جو لوگ جہاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے انہوں نے اپنی جھولی بھر لی، اطاعت اور محبت کا حق بھی ادا کیا اور اپنے ہر

اختیاری اور غیر اختیاری عمل پر اجر بھی پایا۔ انہیں پیاس پر بھی اجر ملا، تھکاوٹ پر بھی اجر ملا، بھوک پر بھی اجر ملا، ان کے ہر اس قدم پر بھی انہیں اجر ملا جس کے اٹھانے سے کافروں کو تکلیف پہنچی، اور انہوں نے دشمن سے جو کچھ چھینا یا اسے نقصان پہنچایا اس پر بھی اجر ملا اور ان کا شمار ان محسنین میں ہوا جن کے اجر کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتا۔ معلوم ہوا کہ جہاد بھی احسان یعنی بھلائی ہے۔

❸ اور یہ مجاہدین جہاد میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں تھوڑا یا زیادہ اور جو میدان بھی آتے جاتے عبور کرتے ہیں وہ سب ان کی نیکیوں میں شامل کر کے لکھ لیا جاتا ہے تا کہ اللہ پاک انہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

ربط

پچھلی آیت میں اس بات کو لازم قرار دیا گیا تھا کہ سب لوگ جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت کیا کریں، اب اسی کی تاکید کرتے ہوئے اس بات سے روکا جا رہا ہے کہ کوئی مسلمان جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جائے۔

اعلم ان اللہ تعالیٰ لما امر بقولہ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ بوجوب الکون فی موافقة الرسول علیہ السلام فی جمیع الغزوات والمشاھد، اکد ذلک فنھی فی ھذہ الآیة عن التخلف عنہ فقال مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ (تفسیر کبیر)

ان دو آیات کے مضامین

یہ دو آیات بہت سے جہادی مضامین پر مشتمل ہیں مثلاً:

❶ مسلمانوں کو غیرت دلائی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود جہاد میں تشریف لے گئے تو کوئی مسلمان ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد کس طرح سے پیچھے رہ سکتا ہے۔ کئی مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ امام وقت کے حکم پر نکلیں اور اس کی اطاعت وحفاظت میں مستعد رہیں۔

❷ ان لوگوں کو جو اپنی جان کو قیمتی سمجھ کر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور دنیا کے ہر آرام اور راحت کو اپنا حق سمجھتے ہیں عار دلائی جا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی قیمتی جان مبارک کو تکلیف اور خطرے میں ڈالا اور جہاد کے حکم کو پورا کیا تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان مبارک سے بڑھ کر کس کی جان ہے۔

❸ جہاد کی عجیب ترغیب ہے کہ مسلمانو! یہ وہ عمل ہے جس میں خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان مبارک کو تکلیف میں ڈالا تو سمجھ لو کہ یہ کتنا بڑا اور افضل عمل ہے اور پھر اس عمل کے دوران مجاہد کو اپنی ہر چھوٹی بڑی تکلیف اور قربانی پر اجر ہی اجر ملتا ہے اور اس کا شمار محسنین میں ہوتا ہے تو پھر کیوں ایسے عظیم عمل سے محروم رہا جائے۔ حضرات مفسرین نے فضائل جہاد پر احادیث مبارکہ کی روشنی میں کلام فرمایا ہے۔

❹ جہاد چھوڑنے والوں کے لیے وعید ہے کہ یہ لوگ بہت بڑی محرومی کا شکار ہوتے ہیں۔

❺ اَلْمُحْسِنِیْنَ کے لفظ سے حضرات مفسرین نے یہ معنیٰ سمجھا ہے کہ جہاد ایک بڑی بھلائی ہے جس کا کرنے والا محسن یعنی بھلائی کرنے والا قرار پاتا ہے۔ صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں:

”اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ یہ جملہ گزشتہ حکم کی علت ہے اور اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ جہاد ایک بھلائی ہے (سب انسانوں کے حق میں) کافروں کے حق میں جہاد کا بھلائی ہونا تو اس وجہ سے ہے کہ کافروں کو جہنم سے رہا کرانے اور ان کی انسانیت کو مکمل کرنے کی یہ انتہائی کوشش ہے۔ جیسے پاگل کو مارنا (یعنی پٹائی کرنا) کبھی اس کے لیے علاج ہوتا ہے اور بچہ کو ادب سکھانے کے لیے مارنا (اس کے حق میں بھلائی ہوتا ہے) مؤمنوں کے حق میں جہاد کی بھلائی یہ ہے کہ جہاد ہی کے ذریعے سے اہل ایمان کافروں کی چیرہ دستی (یعنی ظلم)، اقتدار اور تسلط سے محفوظ رہتے ہیں، حضرت ابوعبسؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس کے قدم گرد آلود ہوں گے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جہنم حرام کر دی ہے“۔ (رواہ البخاری)

تفسیر مظہری میں اس موقع پر جہاد کے مزید فضائل اور احکامات بھی ذکر فرمائے ہیں۔

❻ جہاد بہترین عمل ہے، یہ مسئلہ بھی حضرات مفسرین نے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں بیان فرمایا ہے:

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نیک کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔

صاحب مظہریؒ لکھتے ہیں:

اچھے عمل سے مراد ہے جہاد یا ان کے اعمال کی اچھی جزاء، حضرت ابومسعود انصاریؓ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نکیل پڑی اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اس کے عوض تجھے سات سو نکیل پڑی اونٹنیاں ملیں گی۔ (رواہ مسلم)

حضرت زید بن خالدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے سامان تیار کر کے دیا، اس نے بھی جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے بیوی بچوں کی اس کے پیچھے خبر گیری کی اس نے بھی جہاد کیا۔ (بخاری، مسلم) (تفسیر مظہری)

❼ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے زمانے کے بعد جہاد کا کیا حکم ہے؟ کئی مفسرین کرام نے اس پر بحث فرمائی ہے۔

❽ آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو غم دلانا، ان کے دلوں کو جلانا اور ان کو نقصان پہنچانا یہ سب اچھے اور نیک اعمال ہیں۔

❾ جہاد کے دوران پہنچنے والی تکلیفیں اور مشقتیں دو قسم کی ہیں ایک اختیاری، جیسے مال خرچ کرنا، چلنا، لڑنا وغیرہ۔ اور دوسری غیر اختیاری جیسے بھوک، پیاس، تھکاوٹ وغیرہ۔ ان دو آیات میں بتلایا گیا کہ مجاہد کو ہر طرح کی تکلیف پر

اجر ملتا ہے وہ تکلیف اختیاری ہو یا غیر اختیاری، چنانچہ بعض مفسرین نے وہ روایت ذکر کی ہے جس میں مجاہد کو خوف پہنچنے پر بڑے اجر کا وعدہ ہے۔

۱۰ بعض مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں کچھ احکام جہاد بھی ذکر کیے ہیں مثلاً یہ کہ جو کمک مجاہدین تک پہنچتی ہے تو اگر یہ کمک والا دستہ جنگ کے بعد پہنچا تو اسے غنیمت میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

ان تمام مضامین کے لیے ملاحظہ فرمائیں، المدارک، مظہری، روح المعانی وغیرہا

جہاد کو آسان کرنی والی آیت

”اللہ کی راہ میں ہر قدم اٹھانے کے بے حساب اجر و انعام کا اگر استحضار رہے (یعنی یہ اجر و ثواب انسان کو یاد رہے) تو پھر جہاد و قتال کی سخت سے سخت کلفتوں کے پتھر بھی پانی ہو جائیں“۔ (یعنی آسان ہو جائیں) (ماجدی)

جہاد میں خرچ ہونے والے ہر مال کا اجر ملے گا

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

مدینہ منورہ یا اس کے قرب و جوار کے رہنے والوں کو یہ حق نہیں تھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) میدان جنگ میں تشریف لے جائیں اور یہ لوگ بیٹھے رہیں کیونکہ اس راستہ میں جو مصیبت بھی آئے وہ عمل صالح میں شمار ہوتی ہے اور انسان کو اجر کا مستحق ٹھہراتی ہے، (اور) اس راہ میں خرچ کرنے والوں کو کوڑی کوڑی کا اجر ملے گا۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ایمانی تقاضے کے خلاف

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، غزوات میں خود تشریف لے جاتے تھے، تمام تکلیفوں میں بنفس نفیس شریک ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کوئی آرام کی صورت نکالی ہو اور اپنے صحابہؓ کو تکلیف میں چھوڑ دیا ہو، ایسا ہرگز کبھی نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکلیف میں شریک تھے بلکہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ محنت کرتے تھے، تکلیف اٹھاتے تھے، ان حالات میں کوئی شخص خواہ اہل مدینہ میں سے ہو خواہ آس پاس کے رہنے والے دیہاتیوں میں سے ہو، کسی کے لیے یہ کہاں روا ہو سکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو غزوہ میں چلے جائیں اور وہ خود اپنی جان کو عیش، آرام اور حفاظت کے ساتھ اپنے گھر میں لیے ہوئے بیٹھا رہے، ایمانی محبت کا تقاضا یہی تھا کہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکل کھڑے ہوں اور البتہ جو معذور تھے وہ ساتھ نہ جائیں تو یہ دوسری بات ہے، جو لوگ غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ گئے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا، انہیں اور تمام صحابہؓ کو متنبہ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہنا ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے“۔ (انوار البیان)

☆☆☆

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ

اور ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ مسلمان سب کے سب کوچ کریں سو کیوں نہ نکلا ہر جماعت میں سے

مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا

ایک حصہ تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی طرف

رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

واپس آئیں تو ان کو ڈرائیں تاکہ وہ بچتے رہیں۔

خلاصہ

❶ عام حالات میں کافروں کے ملکوں اور علاقوں کی طرف جا کر جہاد کو قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے، یعنی کچھ لوگ جائیں اور کچھ پیچھے رہ کر علم سیکھیں اور دیگر انتظامات سنبھالیں۔

❷ جب مجاہدین واپس آجائیں تو وہ دین کا علم سیکھیں اور دوسرے لوگ جہاد میں نکل جائیں تاکہ فرض ادا ہوتا رہے۔

❸ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ جہاد ''فرض کفایہ'' ہو لیکن جب فرض عین ہو جائے اور کفار ان پر حملہ آور ہوں تو پھر سب مسلمانوں پر جہاد لازم ہو جائے گا۔

تقریر قرطبی رحمہ اللہ

''جہاد فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے، اس لئے کہ اگر تمام لوگ نکل گئے تو پیچھے ان کے اہل وعیال تباہ ہو جائیں گے پس ایک فریق ان میں سے جہاد کے لیے نکلے اور دوسرا فریق علاقے میں رہ کر دین سیکھے اور مجاہدین کے اہل وعیال کی حفاظت کرے، پھر جب مجاہدین واپس آجائیں تو مقیم رہنے والے ان کو شریعت کے وہ احکام سکھائیں جوانہوں نے پیچھے رہ کر سیکھے اور وہ جو کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نیا نازل ہوا وہ ان کو بتائیں''۔ (قرطبی)

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

یہ پوری ترتیب اس صورت میں ہے جب مسلمان کافروں تک اسلام پہنچانے کے لیے ان کے علاقوں اور ملکوں پر جہاد کر رہے ہوں لیکن اگر دشمن مسلمانوں کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرلے تو پھر ہر مسلمان پر اس سے دفاع کے لیے جہاد لازم ہو جائے گا۔

وهذا كله في الانبعاث الى غزو العدو على الدخول في الاسلام، واما اذا الم العدو بجهة

فیتعین علی کل احد القیام بذبه و مکافحته. (البحر المحیط)

تقریر رازی رحمہ اللہ

امام رازیؒ نے جو کچھ اس آیت مبارکہ پر لکھا ہے اس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

اس آیت کا تعلق یا تو احکام جہاد سے ہے یا یہ مستقل کلام ہے جس کا جہاد سے کوئی تعلق نہیں

❶ اگر اس کا تعلق پچھلی آیتوں کی طرح جہاد کے ساتھ ہو تو پھر اس کی تفسیر یوں ہوگی:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں تشریف لے جاتے تو منافقین اور معذور افراد کے علاوہ باقی سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلتے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کے عیوب غزوۂ تبوک کے موقع پر کھول کھول کر بیان فرمائے تو مسلمانوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم اب ہم نہ کسی غزوۂ سے پیچھے رہیں گے اور نہ کسی سریہ سے، تبوک کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ نے کفار کی طرف سرایا (جہادی لشکر) بھیجے تو تمام مسلمان ان میں نکل پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں اکیلا چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ سب ہی نکل پڑیں بلکہ انہیں چاہئے کہ دو جماعتیں بنالیں ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا کرے اور دوسری جہاد میں جایا کرے۔ دراصل اس وقت اسلام کو جہاد کی بھی ضرورت تھی اور دوسری طرف شریعت کے تازہ احکامات بھی نازل ہورہے تھے تو اس وقت ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے یہ تقسیم ضروری تھی۔ اب اس میں دو قول ہیں کہ آیت مبارکہ میں جو فرمایا گیا ہے کہ وہ دین کا علم سیکھیں تو یہ سیکھنے والے کون ہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود رہیں وہ دین کا علم سیکھیں اور پھر واپس آنے والوں کو سکھائیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ جہاد میں نکلنے والے وہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اسلام کی حقانیت اور غلبے کا جو مشاہدہ کریں وہ خود ایک بڑا علم ہے پس وہ واپس آکر اپنی قوم کے کافروں کو یہ باتیں بتائیں تاکہ وہ کفر چھوڑ دیں۔ (قاضی ابن العربی نے اس دوسرے قول پر رد کیا ہے مگر امام رازیؒ نے ان کے رد کا جواب دیا ہے)

❷ اور اگر اس آیت کا تعلق جہاد کے احکام سے نہ ہو بلکہ یہ مستقل حکم ہو تو پھر اس کی تفسیر یوں ہوگی:

یہ آیت علم دین سیکھنے کے لیے سفر کرنے کے بارے میں ہے، اس زمانے میں دین مدینہ منورہ میں اتر رہا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دین سیکھنے کے لیے سفر کرنا واجب تھا تو اس کی ترتیب بتادی گئی کہ سب لوگ نہ آئیں بلکہ ہر بڑے قبیلے یا علاقے میں سے چند لوگ آئیں اور وہ دین سیکھ کر اپنی قوم کو سمجھانے کے لیے واپس پہنچیں۔ اب جبکہ شریعت کامل ہو چکی ہے تو اس آیت کا کیا حکم ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ اگر سفر کیے بغیر دین کا علم سیکھنا ممکن ہو تو سفر واجب نہیں ہوگا لیکن چونکہ آیت مبارکہ میں ''سفر'' کا تذکرہ ہے اس لئے مبارک اور نافع علم سفر سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ (مفہوم تفسیر کبیر)

تقریر حضرت لاہوری رحمہ اللہ

”جذبۂ جہاد پیدا کرنے کے لیے پہلے تعلیم الٰہی کے عام کرنے کی ضرورت ہے، اس تعلیم کے لیے پہلے ہر جماعت میں سے چند آدمی نکل کر جائیں، وہ تعلیم پا کر آئیں اور پھر اپنی قوم کے بچہ بچہ کو ذہن نشین کرائیں تاکہ اعلان جہاد کے وقت مسلمان بخوشی میدان جہاد میں آجائیں“۔ (حضرت لاہوریؒ)

محاذ جنگ کبھی خالی نہ رہے

”جب جہاد ہمیشہ ہی فرض کفایہ ہے اور علوم دینیہ کو زندہ رکھنا بھی ضروری ہے اور مجاہدین کی خانگی حاجات اور ضروریات بھی ہیں تو ایسا کرنا ضروری ہوگا کہ فرض کفایہ کو قائم رکھنے کے لیے ایک جماعت جہاد میں چلی جایا کرے اور ان کی واپسی پر بلکہ ان سے پہلے ہی دوسری جماعت جہاد کے لیے روانہ ہو جایا کرے، جو لوگ علوم میں مشغول تھے وہ مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر والوں کی خیر خبر رکھیں اور جب وہ واپس آجائیں تو ان کو احکام شرعیہ بتائیں، قرآن وحدیث کی تعلیم دیں“۔ (انوار البیان)

اہل علم غور فرمائیں

فرض ایک بہت بڑی اور بھاری چیز ہے، اس کے ساتھ کفایہ کا لفظ لگنے سے اس کی اہمیت کم یا ہلکی نہیں ہو جاتی، بعض ناواقف لوگ فرض کفایہ کو سنت اور نفل سے بھی ہلکا سمجھتے ہیں، لیکن فرض تو ایک قطعی اور لازمی حکم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ”کفایہ“ کا لفظ لگنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں سے اتنے لوگ اس فرض کو ضرور ادا کریں کہ ”کفایت“ ہو جائے۔

حضرت مولانا عبدالحق حقانیؒ لکھتے ہیں:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں تو کسی کو جہاد سے باز رہنا (یعنی پیچھے رہنا) درست نہیں اور بعد میں (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) یہ بات حسب ضرورت ہے یعنی اگر سب کے جانے کی مقابلہ کے لیے ضرورت ہو تو سب، ورنہ بعض کا جانا کافی ہے۔ (تفسیر حقانی)

اب یہ دیکھا جائے کہ اس وقت امت مسلمہ کی طرف سے یہ فرض کفایہ کون ادا کر رہا ہے؟ یاد رہے کہ فرض کفایہ وہ جہاد ہے جو مسلمان خود جا کر قائم کرتے ہیں، کافروں کے علاقوں اور ملکوں کی طرف مسلمانوں کے لشکر جاتے ہیں، پہلے ان کو اسلام کی، پھر جزیے کی دعوت دیتے ہیں اور نہ ماننے کی صورت میں قتال کرتے ہیں۔ یہ جہاد جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کو دے کر گئے تھے آج کس علاقے میں ہو رہا ہے؟ اہل علم اس پر غور فرمائیں اور قرآن پاک کے جہادی احکامات اور فضائل مسلمانوں کو کھول کھول کر بتائیں تو کچھ بعید نہیں کہ یہ نعمت مسلمانوں کو واپس مل جائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت، طاقت اور نصرت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

اگر اللہ پاک کی نصرت سے یہ نعمت مسلمانوں کو واپس مل گئی تو ان پر سے ذلت اور مغلوبیت کا طوفان بھی ہٹ

جائے گا ان شاء اللہ...... (واللہ اعلم بالصواب)

کامل شریعت وہ ہوتی ہے جس میں جہاد کا حکم بھی ہو

’’گزشتہ آیت میں بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسلمانوں کو آرام طلب نہ ہونا چاہئے، باقی وہ اس کا خوف نہ کریں کہ انہیں ہمیشہ جنگ پر بھیجا جائے گا، کیونکہ خود مصلحت اس امر کی مقتضی ہے کہ کچھ لوگ ضرور پیچھے رہیں جو مجاہدین کے اہل وعیال کی نگرانی کریں، اور ممکن ہے وہ خدمت تمہارے ہی سپرد ہو جائے، بہر حال ہر جماعت میں سے کچھ لوگ ضرور اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں جو علم دین حاصل کرنے کی خاطر برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہیں اور پھر فارغ ہو کر اپنی قوم کو تعلیم دیں، ان آیات پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ اسلام میں جنگ وجدل کی تعلیم اور ترغیب ہے اور یہ اصول اخلاق کے منافی ہے، مگر انہیں سوچنا چاہئے کہ کیا دنیا میں شریر لوگ ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ایک کامل شریعت میں جہاد کی تعلیم ناگزیر (یعنی لازمی) ہے، اور جب جہاد واجب ہوا تو اس کے تمام متعلقات بھی واجب ہوئے، ایک نکتہ یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ جو فطرت انسانی کا خالق ہے ہمیشہ اس کی رعایت فرماتا ہے، پس جو چیز زیادہ گراں اور زیادہ ضروری ہوگی اس کی تاکید بھی نہایت ہی شدید ہوگی، یہی وجہ ہے کہ جہاد پر سب سے زیادہ زور دیا گیا‘‘۔ (تفسیر الفرقان)

اُلٹا معاملہ

اس آیت مبارکہ کے بارے میں اکثر مفسرین حضرات نے یہ شان نزول لکھا ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر خوب سختی کی گئی تو لوگوں میں جہاد کا جذبہ اپنے کامل عروج کو پہنچ گیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی جہادی مہم کا اعلان فرماتے تو ہر شخص اس میں نکلنے کے لیے بھاگ پڑتا، تب یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں روکا گیا کہ اس طرح نہ کریں اس سے تو اسلامی حکومت کا سارا نظم ونسق ہی ختم ہو جائے گا اور پیچھے مجاہدین کے اہل وعیال کی حفاظت اور دیکھ بھال کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ پس ’’فرض کفایہ‘‘ کا مسئلہ اس وقت سامنے آیا جب ہر کوئی جہاد کی طرف دوڑ رہا تھا، تب بعض لوگوں کو روکنے کے لیے یہ حکم فرمایا گیا۔ جبکہ آج ’’فرض کفایہ‘‘ کا لفظ جہاد سے جان چھڑانے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کسی کو بھی جہاد کی دعوت دی جائے تو وہ ’’فرض کفایہ‘‘ کا فتویٰ سنا کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے۔ اور کوئی یہ نہیں سوچتا کہ یہ کفایہ کون ادا کر رہا ہے؟ نماز جنازہ بھی تو فرض کفایہ ہے مگر میت کے قریبی رشتہ دار اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ وہ اس فرض کو ادا کریں، جن مسلمانوں کا اسلام سے قریبی رشتہ ہو تو وہ بھی ضروری سمجھیں کہ جہاد کا فرض کفایہ ہم ہی سب سے پہلے ادا کر لیں۔ اور اب تو فرض کفایہ والے حالات ہی نہیں رہے مسلمانوں کے ملکوں اور زمینوں پر کفار کا قبضہ ہے، بے شمار مسلمان ان کی قید میں ہیں، شعائر اسلام کا کھلم کھلا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور مسلمانوں پر ہر طرف سے کفار کے حملے ہیں۔ ان حالات کے بارے میں تو امت مسلمہ کے اہل علم کا اتفاق ہے کہ جہاد کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح جب فرض کفایہ کو ادا نہ کیا جائے تو اس کی فرضیت کا دائرہ بھی

وسیع ہوجاتا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

”یعنی ہر قوم میں سے چاہئے بعضے لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہیں تا (کہ) علم دین سیکھیں اور پچھلوں کو سکھاویں، اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں لیکن علم دین موجود ہے، طلب علم فرض کفایہ ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے۔(موضح القرآن)

جہاد اور علم دین

اگر مسلمانوں کو ”خلافت“ نصیب ہوجائے تو مسلمانوں کا خلیفہ (امیر المؤمنین) خود ان دونوں فرائض (یعنی علم اور جہاد) کی ترتیب قائم کرتا ہے، کچھ لوگوں کو جہاد پر بھیجتا ہے اور کچھ لوگوں کو علم دین میں کمال حاصل کرنے کے لیے بٹھاتا ہے اب اس وقت مسلمان خلافت سے اور امیر المؤمنین سے محروم ہیں ان کو چاہئے کہ وہ خود ان دونوں فرائض کو زندہ کریں اور قرآن پاک کی بتائی ہوئی ترتیب کو قائم کریں۔اسی طرح جہادی جماعتوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اس ترتیب کو قائم کریں، کچھ ساتھی محاذ پر لڑا کریں اور کچھ پیچھے رہ کر ان کے گھروں کی حفاظت کیا کریں اور دین کا علم سیکھا کریں پھر محاذ والے واپس آجائیں اور پیچھے والے محاذ پر چلے جائیں۔اس ترتیب میں بے حد فوائد ہیں کیونکہ یہ قرآن پاک کی بتائی ہوئی ترتیب ہے۔اسی طرح وہ حضرات جنہوں نے خود کو دین کا علم پڑھنے اور پڑھانے کے لیے وقف کیا ہوا ہے وہ بھی اس ترتیب کو قائم کریں، کچھ افراد کو اپنے میں سے جہاد پر بھیجا کریں اور کچھ پیچھے رہا کریں، تاکہ باری باری ہر کسی کو جہاد بھی نصیب ہو اور علم بھی، کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی کام ایسا نہیں جس سے غفلت جائز ہو۔(واللہ اعلم بالصواب)

آیت مبارکہ کی تفسیر میں ایک اور قول

امام ابوحیانؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق علم سے ہے (جہاد سے نہیں) اور مطلب یہ ہے کہ سب لوگ علم حاصل کرنے کے لیے نہ نکل پڑیں اسطرح تو مسلمانوں کے علاقے خالی ہوجائیں گے اور ان پر دشمن قبضہ کرلیں گے، پس کچھ لوگ تو علم سیکھنے کے لیے نکلیں اور کچھ دشمنوں سے قتال اور ملک کی حفاظت کے لیے پیچھے موجود رہیں۔(پس یہ آیت علم کے بارے میں ہے مگر اس میں بھی جہاد کی اہمیت کا بیان ہے کہ علم میں منہمک ہو کر جہاد اور دفاع سے غفلت ٹھیک نہیں ہے)

وہ تحریر فرماتے ہیں:

والذی یظهر ان هذه الآیة انما جاء ت للحض علی طلب العلم والتفقه فی دین الله وانه لا یمکن ان یرحل المؤمنون کلهم فی ذلک، فتعری بلادهم منهم، ویستولی علیها وعلی ذراریهم

اعدائهم...... فهلا نفر من كل جماعة كثيرة جماعة قليلة منهم، فكفوهم النفير وقام كل بمصلحة هذه بحفظ بلادهم وقتال اعدائهم وهذه لتعلم العلم وافادتها المقيمين اذا رجعوا اليهم۔ (البحر المحيط)

تقریر عثمانی رحمہ اللہ

''گزشتہ رکوعات میں ''جہاد'' میں نکلنے کی فضیلت اور نہ نکلنے پر ملامت تھی ممکن تھا کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ہر جہاد میں تمام مسلمانوں پر نکلنا فرض عین ہے، اس آیت میں فرمادیا کہ نہ ہمیشہ یہ ضروری ہے، نہ مصلحت ہے کہ سب مسلمان ایک دم جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں، مناسب یہ ہے کہ ہر قبیلہ اور قوم میں سے ایک جماعت نکلے، باقی لوگ دوسری ضروریات میں مشغول ہوں، اب اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس جہاد کے لیے تشریف لے جارہے ہوں تو ہر قوم میں سے جو جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے گی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر اور سینکڑوں حوادث وواقعات میں سے گزر کر دین اور احکام دینیہ کی سمجھ حاصل کرے گی اور واپس آ کر اپنی باقی ماندہ قوم کو مزید علم وتجربہ کی بناء پر بھلے برے سے آگاہ کرے گی اور فرض کیجئے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ میں رونق افروز رہے تو باقی ماندہ لوگ جو جہاد میں نہیں گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے مستفید ہو کر دین کی باتیں سیکھیں گے اور مجاہدین کی غیبت (یعنی غیر حاضری) میں جو وحی ومعرفت کی باتیں سنیں گے ان سے واپسی کے بعد مجاہدین کو خبردار کریں گے۔ آیت کے الفاظ میں عربی ترکیب کے اعتبار سے دونوں احتمال ہیں، کمافی روح المعانی وغیرہ''۔ (تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا

اے ایمان والو اپنے نزدیک کے کافروں سے لڑو اور چاہئے کہ وہ

فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

تم میں سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

خلاصہ

(اس سورۃ مبارکہ میں) پہلے اعلان جنگ کیا گیا اس کے بعد میدان جنگ میں جانے کا قانون بتلایا گیا اور متخلفین (یعنی نفاق کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں) کو وعید سنائی گئی۔ اب بتلایا جاتا ہے کہ مرکز ایک رہے اور دائرہ جنگ وسیع ہوتا جائے تاکہ ترتیب وار ’’اقرب فالاقرب‘‘ کو صاف کیا جائے، اے مسلمانو! پہلے اپنے قریب والوں سے لڑو۔ اس طرح لڑنے میں بھی آسانی ہوگی اور طاقت اسلامی بھی مجتمع رہے گی، مرکز کے ساتھ مجاہدین کا تعلق بلا روک ٹوک رہے گا اور مرکز سے ہر ایک قسم کی مدد بآسانی پہنچ سکے گی۔ (حاشیہ مفہوم حضرت لاہوریؒ)

ربط

❶ ’’ان قوانین آسمانی کا ذکر فرما کر اور مسلمانوں کو آئندہ تخلف (یعنی جہاد چھوڑ کر گھر بیٹھنے) سے منع کر کے عام جہاد کا حکم دیتا ہے اور قریب والوں سے شروع کرتا ہے کہ پہلے پاس والوں سے پھر اوروں سے رفتہ رفتہ سب سے لڑو۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ اور چونکہ اس کام کے لیے سختی اور بہادری بھی شرط ہے اس لئے فرماتا ہے وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً کہ ذرا کرارا پن بھی دکھاؤ‘‘۔ (تفسیر حقانی)

❷ امام ابوحیانؒ کے نزدیک چونکہ پچھلی آیت کا تعلق ’’علم‘‘ سے ہے چنانچہ اسی کے مناسب یہ ربط بیان فرماتے ہیں: لما حضّ تعالیٰ علی التفقه فی الدین، وحرض علی رحلة طائفة من المؤمنین فیه، امر تعالیٰ المؤمنین کافة بقتال من یلیهم من الکفار۔

یعنی پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین کا علم سیکھنے کی ترغیب دی اور اس بات کی تاکید فرمائی کہ ایک جماعت علم سیکھنے کے لیے نکلے تو اس آیت میں تمام مسلمانوں کو اپنے قریبی کافروں سے قتال کا حکم فرمایا (پس تحصیل علم ہو یا کوئی اور کام کوئی بھی چیز جہاد فی سبیل اللہ کے بند ہونے کا ذریعہ نہ بنے)۔ (البحر المحیط)

فائدہ

حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے قرآن پاک کی

اسی ترتیب کے مطابق جہاد کو جاری فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنی قوم سے قتال فرمایا، پھر پورے عرب کو صاف فرمایا پھر روم کا رُخ فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے شام اور پھر عراق کی خبر لی۔ یہ مضمون امام رازیؒ، امام قرطبیؒ نے بھی بیان فرمایا ہے مگر زیادہ تفصیل سے امام ابن کثیر نے اس موضوع کو لیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور تک کے جہاد کا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے، طلبہ علم تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمالیں۔

فرضیت جہاد کی ترتیب

''اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ کافروں سے جہاد کا آغاز الاقرب فالاقرب کے طریقے پر کیا جائے، رہائشی اور نسبی قرابت کے اعتبار سے جو کافر قریب ترین ہوں ان سے جہاد شروع کیا جائے، قریب ترین کافروں کو اصلاح طلبی اور شفقت کا سب سے زیادہ حق ہے (پس ان سے شفقت کا تقاضا یہی ہے کہ ان سے جہاد کیا جائے تاکہ وہ کفر اور سرکشی سے باز آنے کا راستہ پائیں) اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اپنے قریب ترین خاندان والوں کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا، اور ہجرت کے بعد بنی قریظہ، بنی نضیر اور خیبر کے یہودیوں سے جہاد کرنے کا حکم سب سے پہلے دیا گیا جب عرب سے جہاد ختم ہوگیا اور ضرورت نہ رہی تو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا، اس آیت میں (ایک روایت کے مطابق) رومیوں سے جہاد کرنے ہی کا حکم دیا گیا۔ رومی شام میں رہتے تھے اور عراق کی بہ نسبت شام مدینہ منورہ سے قریب تھا، اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی طرف رومیوں سے جہاد کرنے کیلئے خروج کیا جیسا کہ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ اس آیت کے مقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے علماء فقہ نے صراحت کی ہے کہ کفار کی سرحد کے قریب جو مسلمان رہتے ہوں ان پر سرحدی کافروں سے جہاد کرنا واجب ہے اگر وہ کافی نہ ہوں اور زیادہ طاقت کی ضرورت ہو یا وہ سستی کریں اور حکم جہاد کی پروا نہ کریں تو ان سرحدی مسلمانوں کے متصل جو مسلمان رہتے ہوں، ان پر سرحدی کافروں سے جہاد کرنا واجب ہوجاتا ہے اور ان میں بھی اگر بقدر ضرورت طاقت نہ ہو یا سستی کی وجہ سے وہ جہاد ترک کر بیٹھیں تو ان سے پیچھے والے مسلمانوں کا وہی فریضہ ہوجاتا ہے جو سستی کرنے والوں کا تھا۔ اسی ترتیب کے ساتھ مشرق، مغرب کے تمام مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت ہوجاتی ہے، میت کی تجہیز و تکفین کا سامان مہیا کرنا اور میت کی نماز پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے''۔ (مظہری)

اگر کفار حملہ آور ہوں

''جہاد (عام حالات میں) فرض کفایہ ہے جو ترتیب طبعی کے موافق اوّل ان کفار سے ہونا چاہئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں بعدہ ان کے قریب رہنے والوں سے، اسی طرح درجہ بدرجہ حلقۂ جہاد کو وسیع کرنا چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے جہاد اسی ترتیب سے ہوئے ''دفاعی جہاد'' میں بھی فقہاء نے یہی ترتیب

رکھی ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں، وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے، اگر وہ کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو ان کے متصل رہنے والوں پر، وہ کافی نہ ہوں تو پھر جو ان سے متصل ہیں، اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائے گا"۔ (عثمانی)

قریب والوں سے زیادہ لازم ہے

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

القتال واجب مع جميع الكفرة قريبهم وبعيدهم، ولكن الاقرب فالاقرب اوجب. (المدارك)

یعنی قتال کرنا تمام کافروں سے لازم ہے وہ قریب ہوں یا دور لیکن قریب والوں سے زیادہ لازم ہے۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

فقہاء مفسرین نے یہ بھی تصریح کردی ہے کہ جہاد واجب "نفس کفار" کے مقابلہ میں ہے، خواہ وہ کہیں بھی ہوں البتہ جو قریب تر ہیں ان کے مقابلہ میں واجب تر ہے۔

فاوجب قتال جميع الكفار ولكنه خصّ بالذكر الذين يلوننا من الكفار اذ كان معلوما انه لا يمكننا قتال جميع الكفار فى وقت واحد وان الممكن منه هو قتال طائفة فكان من قرب منهم اولى بالقتال ممن بعد (جصاص، ماجدی)

روایات میں تطبیق

قریب کے کفار سے بعض مفسرین نے بنو قریظہ، بنو نضیر اور خیبر کے یہودی مراد لیے ہیں جبکہ بعض حضرات نے شام کے اہل کتاب مراد لیے ہیں، ان دونوں اقوال کے بارے میں صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

"آیت کی تفسیر میں یہ دونوں قول اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر تھے، جیسے جیسے مسلمان مختلف علاقوں میں بڑھتے گئے ان کے حالات کے اعتبار سے آیت شریفہ کا حکم شامل ہوتا چلا گیا، جس زمانہ میں جہاں کہیں بھی مسلمان ہوں ان کافروں سے قتال کریں جو ان سے قریب تر ہیں، قریب والے دبے رہیں گے تو اس کا دور والے کافروں پر بھی اثر پڑے گا"۔ (انوار البیان)

پوری دنیا پر اسلام غالب آ جائے

"مسلمانوں کی مرکزی جماعت کا فرض ہے کہ ان کافروں سے جنگ کریں جو ان کے بالکل متصل ہیں اور اس سختی کے ساتھ لڑیں کہ آخر دشمنان دین بالکل مقہور ہو جائیں اور سختی کی ضرورت اس لئے ہے کہ کوئی شخص تم میں سستی نہ پیدا کر سکے، تا آنکہ وہ ملک مسلمانوں سے آباد ہو، پھر اس جگہ کے مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ اپنے قریب کے کافروں سے جنگ کریں، وھلم جرّا تا آنکہ دنیا کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں قرآن کی حکومت قائم ہو، اس وقت مرکزی جماعت کا فرض یہ ہوگا کہ ان مجاہدین کے اہل وعیال کی خبر گیری کرے اور ان کی ہمت افزائی کے لیے ہر قسم کے

ضروری سامان فراہم کرتی رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے عرب کو پاک کیا پھر عیسائیوں کی جانب توجہ کی“۔ (تفسیر الفرقان)

حضرت شاہ صاحبؒ کا علمی کارنامہ

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اس آیت کے ترجمے ہی سے اس کی مکمل تفسیر واضح فرمادی ہے، ترجمہ کرنے والے اکثر حضرات نے اس آیت میں قاتلوا کا ترجمہ ”قتال کرو یا لڑو“ کیا ہے جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ یوں ترجمہ فرماتے ہیں:

”اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے“

لڑتے جاؤ کے لفظ سے قتال کا جاری رہنا اور قریبی دشمن کے بعد اگلے دشمن سے قتال کا لازم ہونا سمجھ میں آتا ہے جو اس آیت کا اصل مفہوم ہے۔

سختی کا مطلب

ارشاد فرمایا: وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً

اور وہ کافر تم میں سختی پائیں۔ اس سختی سے کیا مراد ہے؟ عام طور پر مفسرین کے دو قول ہیں: ❶ سختی سے مراد معاملے کی سختی، شدّت اور غصہ ہے۔ ❷ سختی سے مراد جنگی قوت، مقابلہ میں بہادری اور ثابت قدمی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے چند عبارتیں:

❶ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

سختی معلوم کریں یعنی قوت جنگ یا سختی یعنی معاملت میں بے رُخی، پس کافر سے الفت و ملائمت نہ کرے مگر جب دیکھے کہ دین کا راغب ہے“۔ (موضح القرآن)

❷ فان المؤمن الكامل هو الذي يكون رفيقا لاخيه المؤمن غليظا على عدوه الكافر یعنی کامل مؤمن وہ ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے نرم اور اپنے کافر دشمن پر بہت سخت ہو۔ (ابن کثیر)

❸ "وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً اس کے بارے میں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں "شدة وحمية" کہ کافر لوگ تمہارے اندر شدت اور حمیت اور قوت محسوس کریں (یعنی دینی غیرت اور طاقت) پھر حضرت حسنؒ سے غِلْظَةً کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ صبرا على جهادهم یعنی جب کافروں سے مقابلہ و مقاتلہ ہونے لگے تو جم کر مقابلہ کرو وہ تمہارے اندر نرمی اور کمزوری محسوس نہ کریں، بلکہ انہیں یہ محسوس ہو کہ تم لوگ قوت اور شوکت والے ہو دبنے والے اور راہِ فرار اختیار کرنے والے نہیں“۔ (انوار البیان)

❹ ”مؤمن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کے حق میں نرم اور دشمنان خدا ور سول کے معاملہ میں سخت و شدید ہوتا کہ اس کی نرمی اور ڈھیلا پن دیکھ کر دشمن جری نہ ہو جائے۔

أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ (المائدة) وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح) جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ) وفی الحديث انه صلى الله عليه وسلم قال انا الضحوك القتال (عثمانی، ابن کثیر)

❺ ''یعنی تم ہمیشہ اپنی جگہ پر مضبوط، آمادۂ جہاد، مستعد اور کیل کانٹے سے درست رہو کہ دشمن کی ہمت ہی تمہاری طرف نظر بد ڈالنے کی نہ پڑے...... غِلْظَةً یہاں خشونت کے معنیٰ میں اس قدر نہیں جس قدر شدت، مضبوطی اور پختگی کے معنیٰ میں ہے، یعنی ان کا رعب ہم پر نہ پڑنے پائے، بلکہ الٹا ہمارا رعب ان کے دلوں میں بیٹھ جائے۔

غِلْظَةً ای شدة وقوة وحمية (قرطبی) اذ كان ذلك بوقع المهابة لنا فی صدورهم والرعب فی قلوبهم (جصاص) وشدة وحمية (معالم)۔ (تفسیر ماجدی)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ

❶ ''اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی امداد متقی لوگوں کے ساتھ ہے پس ان (کافروں) سے ڈرو، دبو مت۔ (بیان القرآن)

❷ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ بالنصرة والغلبة

یعنی اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کی نصرت فرماتا ہے اور ان کو غلبہ عطاء فرماتا ہے۔ (المدارک)

❸ مطلب یہ ہے کہ جہاد مال اور جاہ کی طلب میں نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے سبب سے ہو۔ (مفہوم تفسیر کبیر)

❹ ''یہاں ایک طرف تو لفظ ''متقین'' لا کر جہاد و قتال میں اخلاص کامل کی تعلیم دے دی، اور طمع مال، حصول شہرت وغیرہ کے راستے بند کر دیئے، تو دوسری طرف ان لوگوں (یعنی مجاہدین) کا ''علاقۂ معیت'' اللہ تعالیٰ سے جوڑ کر یہ بتلا دیا کہ تمہیں اب خوف و ہراس کی بات ہی کیا ہے، تمہاری نصرت کے لیے تو وہ ناصر و حافظ موجود ہے، جو ہر قوی سے قوی تر ہے۔

ای ايقنوا عند قتالكم اياهم ان الله معكم وهو ناصركم عليهم (ابن جرير)

(یعنی ان سے لڑتے وقت اس بات کا یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ان کے مقابلہ میں تمہارا مددگار ہے)

فان الله ناصر من اتقاه ومعينه (ابن جرير)

(بے شک اللہ تعالیٰ اس کا ناصر و مددگار ہے جو اس سے ڈرے)

واعلموا ان الله معكم اذا اتقيتموه واطعتموه (ابن كثير)

(یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اگر تم اس سے ڈرتے رہے اور اس کی اطاعت کرتے رہے)

ابن کثیرؒ نے جو مفسر ہونے کے ساتھ مؤرخ بھی تھے، لکھا ہے کہ جن مسلمان فرمانبرداروں نے یہ تقویٰ والی شرط پوری رکھی اور احکام شریعت پر عمل جاری کیا، ان کے زمانہ میں فتوحات برابر ہوتی رہیں، اور جوں جوں وہ شرط تقویٰ سے ہٹتے گئے فتح مندی ان سے کنارہ کرتی گئی۔ اور یہ عین حقیقت ہے۔ (ماجدی) ☆☆☆

سُوْرَةُ التَّوْبَة مَدَنِيَّة آیت ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو بڑھایا ہے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

سو جو لوگ ایمان والے ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو بڑھایا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ

اور جن کے دلوں میں مرض ہے سو ان کے حق میں نجاست پر نجاست بڑھادی اور وہ

مَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً

مرتے دم تک کافر ہی رہے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال میں ایک دفعہ یا

اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ

دو دفعہ آزمائے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اور جب کوئی

اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

سورۃ نازل ہوتی ہے تو ان میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتا ہے کہ کیا تمہیں کوئی مسلمان دیکھتا ہے

ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

پھر چل نکلتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پھیر دیئے ہیں اس لیے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

خلاصہ

❶ منافقین چونکہ کسی حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے تیار نہیں اس لئے حکم الٰہی نازل ہونے سے ان کی قوت ارادی میں کوئی طاقت اور ہمت پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں وہ حکم مؤمنین میں ایک نئی زندگی کی روح پھونک دیتا ہے ان کی قوت ایمانی میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

❷ منافقین اور زیادہ غیظ وغضب میں پیچ وتاب کھاتے ہیں کہ مسلمانوں میں نئی زندگی کی روح آ گئی، ہماری سازشوں کا پختہ سدّ باب ہو گیا اور اسلام سے دشمنی کرنے اور مٹانے کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ (حضرت لاہوریؒ)

قرآن پاک میں آیات جہاد کے نزول کے وقت منافقین کے کفر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ (امام رازیؒ)

❸ کیا یہ منافق لوگ نہیں دیکھتے کہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، امراض میں مبتلا

ہوتے ہیں، جہاد میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو پیچھے رہ جاتے ہیں جس سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے اور اس کی وجہ سے رُسوا ہوتے ہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نصیحت بھی حاصل نہیں کرتے۔ (انوار البیان)

❷ جب کبھی ایسی سورت نازل ہوتی ہے جس میں منافقین کے عیوب ونقائص بیان ہوں تو شرمندہ ہوکر ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں پھر یہ کہتے ہوئے نظر بچا کر چل دیتے ہیں کہ کہیں تمہیں کوئی دیکھتا تو نہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ربط

حضرات مفسرین نے ان آیات کا ماقبل کے ساتھ کئی طرح کا ربط بیان فرمایا ہے، ان میں سے صرف ایک کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

تفسیر حقانی کے مطابق ربط یہ ہے کہ پچھلی آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے، یعنی وہ ایمان والوں کی نصرت فرماتا ہے۔ پس ایمان والے اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت کے بھروسے پر بے خوف ہوکر جہاد کریں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت متقی لوگوں کے ساتھ ہے اور متقی اسے کہتے ہیں جو ہر برائی سے بچتا ہو۔ اب ان آیات میں سمجھایا گیا کہ جن برائیوں سے بچنا ضروری ہے ان میں سب سے بڑی برائی ''نفاق'' کا مرض ہے۔ خصوصاً جہاد کے دوران نفاق کے مرض سے بہت نقصان ہوتا ہے چنانچہ منافقین کے کچھ حالات بیان فرما دیئے۔

وہ تحریر فرماتے ہیں:

''اور تقویٰ ایک بڑا ''وسیع المعنیٰ'' لفظ ہے جس میں ہر قسم کی منہیات سے بچنے کی طرف اشارہ ہے لیکن ان سب میں بڑھ کر نفاق ہے، خصوصاً لشکر میں شمار (یعنی شامل) ہوکر اور اس (جہاد کے) دفتر (یعنی رجسٹر) میں نام لکھوا کر۔ اس لئے واذا ما انزلت سے لے کر بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ تک نفاق اور منافقین کی مذمت اور ان کی بے ہودہ حرکات ذکر فرما کر لوگوں کو متنبہ کر دیا''۔ (تفسیر حقانی)

آیات جہاد کے نزول سے منافقین کا کفر بڑھ جاتا ہے

پہلی دو آیات ۱۲۴ اور ۱۲۵ میں اشارہ فرمایا گیا کہ قرآن پاک کی سورۃ نازل ہوتی ہے تو وہ ایمان والوں کے ایمان میں ترقی کرتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے ان کی گندگی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اس پر امام رازیؒ لکھتے ہیں:

اذا سمعت هذه السورة المشتملة على الجهاد وتعريض النفس للقتل والمال للنهب ازداد كفرا على كفره

یعنی جب (منافق کا فانی دنیا سے محبت کرنے والا نفس) ایسی سورۃ سنتا ہے جو جہاد کے حکم پر مشتمل ہوتی ہے اور اس میں جان کو موت کے لیے اور اپنے اموال کو لٹنے کے لیے پیش کرنے کا حکم ہوتا ہے تو اس کے کفر میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

جبکہ مؤمن تو حکم جہاد سے خوش ہوتے ہیں کہ اگر شہید ہوئے تو آخرت کے مزے اور اگر فتح پائی تو غلبے کی خوشی

والثانی ما یحصل لهم منا الاستبشار فمنهم من حمله علی ثواب الآخرة ومنهم من حمله علی ما یحصل فی الدنیا من النصر والظفر۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر الفرقان میں ہے:

’’جب قرآن حکیم کی کسی سورت میں لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دی جائے تو اہل ایمان اس حکم کے سنتے ہی مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ ایمان کا بقا ضروری ہے اور یہ نہیں باقی رہ سکتا جب تک مرکزی قوت کو تمام بیرونی حملوں سے محفوظ نہ کر دیا جائے، اور اس کے لیے جہاد ضروری ہے، مگر یہی حکم منافقین کے لیے موت ثابت ہوتا ہے، ان کی خباثت میں اور ترقی ہوتی ہے، وہ جہاد کی مصلحتوں سے واقف نہیں۔ (تفسیر الفرقان)

منافقین کی سالانہ آزمائش سے مراد حکم جہاد ہے

تیسری آیت ۱۲۶ میں فرمایا گیا کہ ان منافقین کو سال میں ایک دو بار آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ اس آزمائش سے کیا مراد ہے؟ حضرات مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ حضرت قتادہؒ اور حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک اس سے مراد حکم جہاد ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ان کو جہاد میں نکلنے کا حکم دیا جاتا ہے پھر اگر وہ نہیں نکلتے تو لوگوں کے درمیان ان کی بہت رسوائی اور ذلت ہوتی ہے اور اگر نکلتے ہیں تو کفر کی حالت میں خود کو بلا فائدہ خطرے میں ڈالتے ہیں۔

قال قتادة: یفتنون بالغزو والجهاد فانه تعالیٰ امر بالغزو والجهاد فهم ان تخلفوا وقعوا فی السنة الناس باللعن والخزی والذکر القبیح، وان ذهبوا الی الغزو مع کونهم کافرین کانوا قد عرضوا انفسهم للقتل واموالهم للنهب من غیر فائده (تفسیر کبیر)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قتادہؒ، حسنؒ اور مجاہدؒ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکلنے کے ذریعے آزمائے جاتے ہیں اور جہاد میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے وعدوں کو سچا ہوتا دیکھتے ہیں مگر پھر بھی توبہ نہیں کرتے، نصیحت نہیں پکڑتے۔

وقال قتادة والحسن ومجاهد: بالغزو والجهاد مع النبی صلی الله علیه وسلم ویرون ما وعدالله من النصر ثُمَّ لَا یَتُوبُونَ لذلك وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُونَ۔ (القرطبی)

حضرت شاہ صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اکثر جنگ وجہاد کے وقت منافق معلوم ہو جاتے تھے (موضح القرآن) یعنی جب حکم جہاد کے ذریعہ آزمائش ہوتی تو منافقین کا پتہ چل جاتا تھا۔

اللہ پاک نے ان کے دلوں کو پھیر دیا

آیت ۱۲۷ میں ان منافقین کی محرومی کا حال بیان فرمایا گیا، ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

’’جس وقت وحی نازل ہوتی اور منافقین مجلس میں موجود ہوتے تو کلام الٰہی کا سننا ان پر بہت شاق گزرتا تھا، خصوصاً وہ آیات جن میں ان کے عیوب کھولے جاتے تھے۔ (مثلاً جہاد سے پیچھے رہ جانا وغیرہ) اس وقت ایک دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے اشارے کرتے اور ادھر ادھر دیکھتے کہ مجلس میں کسی مسلمان نے ہم کو پرکھا نہ ہو پھر نظر بچا کر شتاب (یعنی فوراً) مجلس سے کھسک جاتے تھے۔ صرف الله قلوبهم یعنی مجلس نبوی سے کیا پھرے خدا نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کہ وہ اپنی جہل وحماقت سے ایمان وعرفان کی باتوں کو سمجھنا اور قبول کرنا نہیں چاہتے۔ (تفسیر حقانی)

فائدہ

کئی مفسرین کرام نے ان چار آیات کی عمومی تفسیر بیان کی ہے یہاں خاص طور سے جہادی معارف اور اقوال کو بیان کر دیا گیا ہے۔ واللہ الموفق للصواب

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲۸، ۱۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آیا ہے اسے تمہاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

تمہاری بھلائی پر وہ حریص ہے مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ

تو کہہ دو مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور وہی

الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

عرش عظیم کا مالک ہے۔

خلاصہ

① سورۃ التوبہ میں مشکل احکامات کا بیان ہے، آخر میں ایسی بات فرمادی کہ جس سے یہ مشکل احکامات (جہاد، کافروں سے قطع تعلق وبرائت وغیرہ) میٹھے لگنے لگیں اور ان پر عمل کرنا آسان ہوجائے

② یہ تمام احکامات تمہارے پاس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ چھ صفات موجود ہیں:

❶ وہ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان رسول ہیں، یعنی کمال کے سب سے اونچے درجے پر فائز ہیں اور جو کچھ لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں۔

❷ وہ تم میں سے ہیں یعنی بنی آدم میں سے ہیں۔ پس تمہارے خیر خواہ ہیں اور تمہارے مزاج، طبیعت اور دکھ سکھ کو سمجھتے ہیں۔

❸ وہ تمہارے مشقت میں پڑنے کو گوارا نہیں کرتے بلکہ ہر وقت تمہارے لئے بھلائی اور آسانی کے طلبگار رہتے ہیں۔

❹ وہ تمہاری ہدایت اور تمہارے لئے دنیا آخرت کی ہر بھلائی کے خواہشمند رہتے ہیں۔

❺ وہ ایمان والوں کے لیے بہت شفیق ہیں

❻ وہ ایمان والوں کے لیے بڑے مہربان ہیں

اب خود سوچو کہ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ تمام صفات موجود ہوں تو وہ تمہارے لئے کوئی تکلیف اور نقصان کی

بات کہاں کرسکتے ہیں، پس وہ جو احکامات لائے ہیں ان میں تمہارے لئے خیر ہی خیر اور برکت و کامیابی ہے۔

③ اگر یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانیں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو اللہ تعالیٰ کافی ہے جو عرش عظیم کا رب ہے۔ پس اگر یہ لوگ نہیں مانیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، یہ دین آگے بڑھتا چلا جائے گا اور اس کا ساتھ نہ دینے والے پیچھے رہ جائیں گے۔

تقریر لاہوریؒ

اے انسانو! خطاب عام ہے (خواہ مسلمان ہوں یا کافر و منافقین) تم سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم سے کیوں جی چراتے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ تم پر رحمت اور برکت نازل ہو، تمہاری تکلیف سے ان کو صدمہ ہوتا ہے وہ تو فقط تمہاری بھلائی پر حریص ہیں لہٰذا تم ان کا کہا مانو گے تو اپنا بھلا کرو گے۔ اگر اتنے صاف اعلان کے بعد بھی یہ لوگ مخالفت سے باز نہ آئیں تو انہیں کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ میرا حامی و مددگار کافی ہے، میرا اسی پر بھروسا ہے۔ (پھر دیکھ لینا کہ کون کامیاب ہوتا ہے) اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ربط

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

اعلم انه تعالیٰ لما امر رسوله علیه السلام ان یبلغ فی هذه السورة الی الخلق تکالیف شاقة شدیدة صعبة یعسر تحملها الا لمن خصه الله تعالیٰ بوجوه التوفیق والکرامة ختم السورة بما یوجب سهولة تحمل تلك التکالیف.

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ اس سورۃ کے ذریعے مخلوق تک مشکل احکامات پہنچائیں، وہ احکامات جن پر عمل کرنا بہت مشکل ہے سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ پاک توفیق عطاء فرمائے۔ تو اس سورۃ کا اختتام ایسی بات پر کیا جو ان مشکل احکامات کو قبول کرنا آسان بنا دیتی ہے۔ (تفسیر کبیر)

عجیب نکتہ

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر زیادہ محبت ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر زیادہ پہچان ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر تعلق زیادہ ہوگا اسی قدر جہاد سمیت پورے دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ان دو آیات کے مضامین

ان دو آیات پر حضرات مفسرین نے خوب دل کھول کر لکھا ہے، جن مضامین پر تفاسیر میں روشنی ڈالی گئی ہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

❶ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ وہ رسول تم ہی میں سے ہیں یہ خطاب عرب کو ہے یا تمام بنی آدم کو؟

❷ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ یہ اَنْفُسِكُمْ فا پر ضمہ (پیش) کے ساتھ ہے یا اَنْفَسِكُمْ فا پر فتحہ (یعنی زبر) کے ساتھ ہے، زبر کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ رسول تم میں سے سب سے زیادہ نفیس ومعزز ہیں۔

❸ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ وہ تمہارے لئے کس بات کے حریص ہیں، ہدایت کے؟ دنیا وآخرت کی ہر بھلائی کے؟ ان کی امت کی تعداد زیادہ ہو اس بات کے؟

❹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور مہربانی صرف ایمان والوں کے لیے ہے اس پر حضرات مفسرین نے مدلل اور مفصل بحث فرمائی ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فکر مند تو ساری امت کے لیے تھے مگر خاص رحمت وشفقت امتِ اجابت کے لیے ہیں۔

❺ فَاِنْ تَوَلَّوْا پھر اگر وہ نہ مانیں۔

ایمان نہ لائیں؟ اس سورۃ کے احکامات نہ مانیں؟ جہاد میں آپ کی نصرت سے روگردانی کریں؟ ان تمام اقوال پر مفسرین نے کلام فرمایا ہے۔

❻ حَسْبِيَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی ہے۔ اس کا مفصل مطلب

❼ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ کی وسعت اور بڑائی پر مفسرین نے خوب عبارتیں لکھی ہیں، علامہ آلوسیؒ نے تو اعداد وشمار بھی پیش کیے ہیں کہ جب معلوم چیزوں کے اعداد وشمار یہ ہیں تو عرش تو ان سے بھی بڑا ہے۔

❽ مفسرین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک، خاندان اور اس خاندان کی پاکیزگی پر بھی روایات جمع فرمائی ہیں۔

❾ امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کو کئی مفسرین حضرات نے مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

❿ کئی مفسرین نے سورۃ توبہ کی آخری آیت کا مسنون عمل بھی ذکر فرمایا ہے، (جو تھوڑا آگے چل کر ذکر کیا جائے گا)

ان تمام مضامین پر تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ فرمایئے: قرطبی، البحر المحیط، ابن کثیر، روح المعانی، تفسیر کبیر، بیان القرآن، انوار البیان، موضح القرآن وغیرہا۔

جہاد رحمت ہے

"جو لوگ قلب سلیم رکھتے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ کا حکم بالکل فطرت انسانی کے مطابق ہے، جہاد کے احکام ایسی "ذات قدسی" کی طرف سے دیئے جاتے ہیں جو اجنبی نہیں کہ تم سے دشمنی کا اظہار کر رہا ہے، بلکہ تم ہی میں کا ایک عربی ہے، اور پھر یہی نہیں بلکہ اسے تمہارے ساتھ بے انتہا الفت ومحبت ہے، تمہاری ہر تکلیف اس کے لیے پریشانی کا باعث بن جاتی ہے اور اسے برابر یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ تمہیں ہر قسم کا فائدہ حاصل ہو، پس جو نبی اس درجہ رحم مجسم ہو اس کی نسبت تمہیں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی تمہیں ایسا حکم دے گا جو تمہاری تکلیف کا باعث ہو؟ ایسا ہونا غیر ممکن اور محال ہے، اس لئے جہاد کا حکم رحمت کے منافی نہیں۔ بلکہ تم غور کرو تو تمہاری حیاتِ اجتماعی ہے لہٰذا

تمہیں حکم ہے کہ جہاد کا عمل کیے بغیر تم غیروں کی دست بُرد سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتے، اس لئے دنیا میں جہاد کا حکم تمہارے لئے بے انتہا فوائد اپنے اندر رکھتا ہے۔ وَعَسٰٓی اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو عجب نہیں وہی تمہارے لئے رحمت کا موجب بن جائے۔ لیکن اگر باوجود ان کھلے کھلے احکام کے پھر بھی تم نے غفلت سے کام لیا اور سرفروشان اسلام کی جماعت تیار نہ کی جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے نام پر سر دینے کو تیار ہو تو تمہیں یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف ایک اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ ان کا اعتماد کسی انسانی قوت پر نہیں، بلکہ اس ذات واحد پر ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے وہ ''اپنے قرآن'' اور کلمہ حق کی حفاظت کے لیے تم سے بہتر نفوس قدسیہ سارے عالم سے منتخب کرلے گا''۔ (تفسیر الفرقان)

جہاد اور آپ ﷺ کی شفقت ورحمت

اگر جہاد کا حکم نہ ہوتا تو ظالم کافر مسلمانوں کو ستاتے رہتے اور انہیں کفر اختیار کرنے پر مجبور کرتے۔

اگر جہاد کا حکم نہ ہوتا تو بہت سے افراد کی سمجھ میں اسلام نہ آتا۔

اگر جہاد کا حکم نہ ہوتا تو مکہ مکرمہ اور جزیرۃ العرب پر اسلام کی حکومت قائم نہ ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت پر خاص شفقت کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمانے پر اسے جہاد کا حکم دیا جس کی وجہ سے......

ان پر سے ظلم اور تکلیفیں دور ہوئیں

ان کو دنیا آخرت کی بھلائیاں ملیں

ملک فتح ہوئے اور قوموں کی قومیں مسلمان ہوئیں

اور مسلمانوں نے جہاد کے ذریعہ آخرت کی کامیابی اور دنیا کی خلافت پالی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دعوت جہاد کا اسلوب

سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ جہاد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان دو سورتوں میں جہاد کے بارے میں ہر بات موجود ہے۔ اب سورۃ کا اختتام بہت دلنشین انداز میں ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو جہاد سمجھانا ہو تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہوگی تو جہاد کو سمجھنے میں کچھ مشکل پیش نہیں آئے گی۔ مگر جہاد ہوگا کیسے؟ تو بالکل آخری آیت میں '' تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ '' کا حکم دیا گیا کہ جہاد تَوَكُّل سے ہوگا۔ عرش عظیم کے رب پر مکمل بھروسا اور تَوَكُّل رکھو گے تو تمہارے لئے جہاد بالکل آسان ہو جائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک بڑا ہتھیار

'' تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ نبیوں کا اور ان کے امتیوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اسی سے مشکل ترین کام آسان ہو جاتے ہیں''۔ (انوار البیان)

ایک عمل

ابوداؤد میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص صبح شام سات سات بار

حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام ہموم وغموم کو کافی ہوجائے گا۔ (عثمانی)

تمّ سورة التوبة بفضل الله ورحمته وتوفيقه......

حسبي الله لا اله الا هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم، اللهم يا توّاب يا رحيم تب علينا وارحمنا انك انت التواب الرحيم. اللهم صل على حبيبك سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه وبارك وسلم تسليما كثيرا كثيرا.

٢٦ ربيع الثاني ١٤٢٩هجرى

بمطابق ۳ مئی ۲۰۰۸ء يوم السبت

ضمیمہ

زکوٰۃ کے مصرف ”فی سبیل اللہ“ سے جمہور کے نزدیک مجاہدین ہی مراد ہیں

سورۃ التوبہ آیت ۶۰ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان فرمائے گئے ہیں

ان میں سے ایک مصرف ”فی سبیل اللہ“ کا بیان ہوا ہے۔

”فی سبیل اللہ“ سے کیا مراد ہے؟ اسی سوال کا جواب دینے والی ایک علمی اور تحقیقی تحریر

ماخوذ از جدید فقہی مسائل جلد دوم مؤلفہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (انڈیا)

قرآن مجید نے زکوٰۃ کے جو مصارف ہشتگانہ بیان کئے ہیں ان میں ایک ”فی سبیل اللہ“ ہے، فی سبیل اللہ سے متعلق تین اہم مباحث ہیں: ❶ اول یہ کہ فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ ❷ دوسرے اس مد میں بھی ”مالک بنانے“ کی شرط ہے یا نہیں؟ ❸ تیسرے اس مد میں بھی فقر واحتیاج ضروری ہے یا نہیں؟ پہلے نکتہ پر سلف صالحین میں بہت کم اختلاف ہے، لیکن دوسرے اور تیسرے نکات پر ائمہ مجتہدین کے دور سے اختلاف رہا ہے، اس وقت ان تینوں نکات پر گفتگو کی جاتی ہے۔

”فی سبیل اللہ“ میں کچھ لوگ مطلق توسع کے قائل ہیں، بعض حضرات ایک گونہ تحدید کے، اور جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک اس کا دائرہ نہایت محدود ہے؛ اس لئے اس سلسلہ میں سب سے پہلے اہل علم کی آراء پیش کی جائیں گی، پھر متوسعین اور جمہور کی دلیلیں، اس کے بعد ان دلائل کا تجزیہ کیا جائے گا تاکہ کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے۔

جمہور فقہاء کی رائے

ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ ”فی سبیل اللہ“ سے مجاہدین فی سبیل اللہ مراد ہیں، حنفیہ کی رائے طحاویؒ نے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

”قوله فی سبیل الله هو منقطع الغزاة والحاج“ (طحطاوی: ۴۷۲/۲)

یہی بات "مجمع الانهر" میں کہی گئی ہے (مجمع الانهر: ۲۲۱/۱)......شوافع کے نقطۂ نظر کی ترجمانی سیوطیؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

”القائمین بالجهاد لمن لا فئ لهم ولو اغنیاء“ (جلالین: ۱۶۱)

کار جہاد انجام دینے والے، جن کا وظیفہ مقرر نہ ہو، گو وہ مالدار ہوں، قرطبی نے مالکیہ کی رائے نقل کی ہے کہ:

”فی سبیل الله وهم الغزاة“ (الجامع لاحکام القرآن: ۱۸۵/۸)

حنابلہؒ کے یہاں بھی مجاہدین اس کا مصداق اولین ہیں

"أما فی سبیل اللہ فمنهم الغزاة الذین لا حق لهم فی الدیوان عند الامام احمد" (تفسیر ابن کثیر: ۳۸۰/۲)

یہاں تک کہ امام مالکؒ نے فرمایا، "فی سبیل اللہ" کا لفظ گو اپنے معنی کے اعتبار سے عام ہے، مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس آیت میں مجاہدین ہی اس کا مصداق ہیں:

"سبل اللہ کثیرة ولکنی لا أعلم خلافا فی أن المراد بسبیل اللہ ههنا الغزو من جملة سبل اللہ" (احکام القرآن لا بن العربی: ۹۶۹/۲)

ترجمہ: "اللہ کے راستے بہت ہیں۔ لیکن میرے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں اللہ کے راستے سے جہاد مراد ہے، جو من جملہ اللہ کے راستوں کے ہے۔"

علامہ عینیؒ نقل فرماتے ہیں:

"وقال السکاکی: منقطع الغزاة وهو المراد من قوله فی سبیل اللہ عند أبی حنیفة وأبی یوسف والشافعی ومالک و عند أحمد و محمد منقطع الحاج." (عینی علی الهدایه: ۲۵/۱)

ترجمہ: سکاکیؒ کہتے ہیں کہ "فی سبیل اللہ" سے مراد امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک وہ مجاہدین ہیں، جن کے پاس سامان سفر نہ ہو۔ امام احمدؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے سامان سفر سے محروم حاجی مراد ہے۔"

ائمہ مجتہدین تک ہمیں "فی سبیل اللہ" کے مصداق کی تعیین میں صرف دو مواقع پر توسع نظر آتا ہے، ایک یہ کہ مالکیہ کے یہاں مجاہدین کی مد کے علاوہ آلات جہاد کی فراہمی اور دفاعی تیاریوں پر بھی اس کے خرچ کی اجازت ہے (دیکھئے صاوی علی الجلالین: ۱۵۴/۲)...... جس کا ذکر آگے آئے گا اور امام احمدؒ کے ایک قول کے مطابق نیز امام محمدؒ کے نزدیک ایسے حاجی کو بھی اس مد سے دیا جا سکتا ہے جو حج فرض ہونے کے بعد استطاعت حج سے محروم ہو گیا ہو، لیکن حنفیہ نے عام طور پر امامؒ کے اس قول کو قابلِ ترجیح نہیں کہا ہے، اکثر متون میں اس کو صیغۂ تمریض (قیل) کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، نسفی، حصکفی، اسبیجابی رحمہم اللہ تعالیٰ اور اکثر فقہاء نے اس رائے کو معتمد نہیں مانا ہے (دیکھئے: رد المحتار: ۲۸۹/۳)...... لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان زکوٰۃ کے مسئلہ میں "فی سبیل اللہ" کے مصداق میں یہ وسعت اور تنگی محض لفظی اختلاف کا درجہ رکھتی ہے، کہ حنفیہ کے یہاں مجاہد ہو یا حاجی، اس کے مصرف زکوٰۃ ہونے کے لئے "فقر" ضروری ہے اور "فقر" بجائے خود استحقاق زکوٰۃ کے لئے کافی ہے (البحر الرائق: ۲۴۲/۲)...... امام احمد سے بھی ایک قول "فی سبیل اللہ" سے حجاج مراد ہونے کا منقول ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہی ان کی معروف و "اظہر" رائے ہے:

وقال أحمد فی أظهر الروایتین: الحج من سبیل اللہ. (رحمة الامة: ۱۱۲)

متوسّعین

بعد کے فقہاء میں ایک گروہ ہمیں ایسا نظر آتا ہے جس نے ''فی سبیل اللہ'' کے معنی میں عموم و وسعت کی راہ اختیار کی ہے ان میں سرفہرست چھٹی صدی کے نامور فقیہ و عالم ملک العلماء علامہ کاسانیؒ کا نام نامی آتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''و فی سبیل اللہ عبارة عن جمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة اللہ و سبیل الخیرات'' (بدائع الصنائع: ۴/۲)

ترجمہ: ''فی سبیل اللہ'' تمام نیکیوں سے عبارت ہے اور اس میں اللہ کی اطاعت اور نیکیوں کے راستہ میں کی جانے والی ہر کوشش داخل ہے''۔

مگر علامہ کاسانیؒ نے ایک ہاتھ سے ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں جو وسعت برتی تھی، دوسرے ہاتھ سے اسے یہ قید لگا کر واپس بھی لے لیا ہے کہ:

''اذا کان محتاجاً''

ترجمہ: ''بشرطیکہ وہ محتاج ہو''

جب حاجت اور فقر کی شرط پر زکوٰۃ دی جائے گی، تو عملاً اس مصرف میں وہی تحدید باقی رہے گی جو دوسرے فقہاء کے یہاں ہے، تاہم شاید کاسانیؒ کی اس تشریح سے فائدہ اٹھا کر صاحب فتاویٰ ظہیریہ نے ''طلبۂ علوم دینیہ'' کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ (تاتارخانیہ: ۲/۲۷۰)......لیکن عام طور پر فقہاء نے ''طلبہ'' کے لئے بھی فقر و احتیاج کی قید برقرار رکھی ہے، اسی لئے عملاً زکوٰۃ کی اس مد کے سلسلہ میں ان حضرات کی آراء سے کوئی حقیقی توسع پیدا نہیں ہوتا، اس لئے حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ تعبیر و مراد کا یہ فرق صرف وصیت و اوقاف کے باب میں ظاہر ہوگا۔

''وثمرة الاختلاف فی نحو الاوقاف''. (در مختار علی هامش الرد: ۲۸۹/۳)

جن فقہاء کے ہاں ''فی سبیل اللہ'' والی مد میں فقر و احتیاج کی شرط نہیں، ان کے ہاں البتہ ''فی سبیل اللہ'' کے معنی میں توسع حقیقی طور پر اثر انداز ہوگا......اس سلسلہ میں غالباً سب سے پہلے مشہور شافعی عالم قفال رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض فقہاء سے توسع نقل کیا ہے اور کہا کہ:

''انهم أجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتی و بناء الحصون و عمارة المسجد لأن قوله و فی سبیل اللہ عام فی الکل.'' (مفاتیح الغیب: ۱۶/۱۱۳)

ترجمہ: فقہاء نے تمام کارہائے خیر جیسے مردہ کو کفن، قلعوں اور مسجدوں کی تعمیر میں صدقات کے خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''فی سبیل اللہ'' ان سب میں عام ہے''۔

تفسیر مواہب الرحمٰن میں بھی صاحب رائے کی وضاحت کے بغیر بعض فقہاء سے اس طرح کی رائے نقل کی گئی ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اسی قول کو نقل کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دبے لفظوں میں انہوں نے اس کی تائید بھی کی ہے:

"اعلم أن ظاهر اللفظ فی قوله و فی سبیل الله لا یوجب القصر علی کل الغزاة." (حوالہ مذکور)

افسوس کے قفال رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان فقہاء کا نام بھی ذکر نہ کیا جو لغوی معنی کے اعتبار سے اس مد میں وسعت کے قائل تھے، شاید ایسا اس لئے ہوا ہو کہ اس زمانہ میں یہ قول "شذوذ" کا درجہ رکھتا تھا اس لئے انہوں نے اس کو قابل ذکر بھی نہ سمجھا ہو، اس کے بعد تین سو سال سے زیادہ عرصہ تک اس رائے کی کوئی تائید ہوتی نظر نہیں آتی، سوائے اس کے کہ بعض مصنفین نے مذاہب و آراء کی نقل کے ذیل میں ایک ایسی رائے کی حیثیت سے اس کا ذکر کر دیا، جس کے حاملین اور قائلین بھی پردہ ابہام میں ہوں، پھر گیارہویں صدی کے مشہور محقق اور محدث علامہ مرتضیٰ زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) نے اس کی تائید میں چند سطریں لکھیں، فرماتے ہیں:

"یمکن أن یرید المجاهدین و الانفاق منها فی الجهاد لأنه یطلق علیه هذا الاسم عرفاً ویمکن أن یرید سبیل الخیر کلها المقربة الی الله." (اتحاف: ۲۵۰/۴)

ترجمہ: "ممکن ہے کہ مجاہدین پر اور جہاد میں خرچ کرنا مراد لیا جائے، اس لئے کہ عرف میں اس نام (فی سبیل اللہ) کا اطلاق اسی پر کیا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خیر کے وہ تمام راستے جو اللہ کے نزدیک کرنے والے ہوں، وہ مراد ہوں۔"

پھر اپنے مذاق متصوفانہ کی وجہ سے اس میں وہ عموم برتا کہ مجاہدین کارزار سے لے کر مجاہدۂ نفس کرنے والوں تک اس کا دائرہ وسیع کر دیا اور پیاسے جانوروں اور درختوں کی بھی اس مد زکوٰۃ سے محرومی گوارا نہ کی، لکھتے ہیں:

"بل ما تقتضیه المصلحة العامة لکل انسان بل لکل حیوان حتی الشجرة یراها تموت عطشا فیکون عنده بما یشتری لها ما یستقیها به من مال الزکاة فیسقیها بذالک فانه من سبیل الله و ان أراد المجاهدین فالمجاهدون معلومون بالعرف من هم و المجاهدون أنفسهم أیضا فی سبیل الله فیعانون بذالک علی جهاد أنفسهم." (اتحاف: ۱۲۵۰/۴)

ترجمہ: بلکہ ہر انسان، بلکہ ہر جانور یہاں تک کہ وہ درخت جو پیاس سے سوکھ رہا ہو، کے لئے مصلحت عامہ کا جو تقاضہ ہو وہ سب فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ کہ اگر اس کے پاس مال زکوٰۃ میں ایسا مال ہو جس کے ذریعہ وہ اس کی آبیاری کا سامان کر سکے، تو اس کو اس سے سیراب کرے۔ اس لئے کہ اس کا شمار بھی فی سبیل اللہ میں ہے۔ اور اگر اس سے مجاہدین مراد لیں تو جو لوگ اپنے نفس سے جہاد کرنے میں مشغول ہوں وہ بھی فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں کہ زکوٰۃ کے ذریعہ وہ مجاہدۂ نفس میں مدد لیتے ہیں۔"

اس کے بعد نسبۃً کم درجہ کی توسیع علامہ صنعانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملتی ہے، انہوں نے مجاہدین پر قیاس

کرتے ہوئے قضاۃ، مفتیین اور مدرسین کو بھی اس زمرہ میں رکھا ہے:

"ویلحق به من کان قائماً بمصلحة عامة من مصالح المسلمین کالقضاء و الافتاء و التدریس و ان کان غنیاً." (سبل السلام: ۲/۶۳۴)

ترجمہ: اسی سے وہ لوگ بھی ملحق ہیں جو مسلمانوں کی مصالح میں سے کسی عام مصلحت کو انجام دینے میں مشغول ہوں۔ جیسے: قضاء، افتاء، تدریس اگرچہ وہ غنی ہوں۔"

سترہویں صدی کے صنعتی اور فکری انقلاب کے بعد مغرب بڑی قوت سے اسلام پر حملہ زن ہوا اور اس نے عالم اسلام پر استقلال کے ساتھ ساتھ اسلام پر بھی فکری اور نظری یلغار اپنے تمام وسائل کے ساتھ شروع کردی۔ دوسری طرف اسلام کے خادمین اور اس کے فکری و علمی محافظین کا رشتہ حکومت و سلطنت سے کٹ کر رہ گیا اور وسائل و ذرائع سے محرومی ان کے سامنے ایک سوالیہ نشان بن گئی کہ ان حالات میں کہ باطل پورے مادی وسائل کے ساتھ علم و قلم کی شمشیر بے نیام لے کر بڑھ رہا ہے، اسلامی سلطنتیں مغربی تہذیب کے سامنے سپر انداز ہو چکی ہیں اور ان کے بیش قدر ذرائع میں ثقافت و تہذیب کے نام پر "بد دینیوں" کے لئے تو وافر حصہ ہے لیکن حفاظت اسلام کے لئے نہ صرف کوئی حصہ نہیں، بلکہ وہ ایک جرم کا درجہ رکھتا ہے، ان حالات میں وہ اسلام کی فکری مورچہ بندی اور اہل باطل کی صف شکنی اور مدافعت کے لئے کہاں سے وسائل لائیں؟

اس صورت حال نے پورے جذبۂ اخلاص کے ساتھ ان کو راہ بتائی کہ "فی سبیل اللہ" کے معروف مفہوم کی بجائے اس کے لغوی معنی کو اختیار کرتے ہوئے زکوۃ سے اس ضرورت کی تکمیل کی جائے، اسی لئے اس صدی سے پہلے جہاں محقق علماء کے یہاں اس رائے کو ایسا "شذوذ" سمجھا جاتا تھا کہ یہ تک کسی نے نہیں لکھا کہ اس وسعت کا قائل کون ہے؟ اس صدی میں عالم اسلام کے وہ علماء جو اسلام کے قلب و جگر اور زبان و دہن بن کر اسلام کی فکری سربلندی کا اثبات کرتے رہے اور "**کلمة اللہ تعلو و لاتعلیٰ**" کا ذریعہ بننا ان کو نصیب ہوا، انہوں نے ہی اس مد میں وسعت و کشائش کا آوازہ بلند کیا، یہ ہیں: صاحب المنار علامہ رشید رضا مصری رحمہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے غالباً سب سے پہلے اس نقطۂ نظر کو دلائل و براہین کے پیرہن کے ساتھ پیش کیا (تفسیر المنار: ۱۰/۵۰۶، ۵۰۵)...... علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ (سیرۃ النبی: ۵/۱۲۶)...... مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ (ترجمان القرآن: ۳/۳۱۹)...... نواب صدیق حسن خان (الروضۃ الندیہ: ۱/۲۰۷، ۲۰۶)...... ماضی قریب کے علماء میں مولانا سید احمد عروج قادری رحمہ اللہ تعالیٰ (دیکھئے عشر و زکوۃ اور سود کے چند مسائل ...... مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ تعالیٰ (تدبر قرآن: ۳/۱۹۲)...... اور بعض دوسرے علماء۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی۔ جن کی "فقہ الزکوۃ" اسلامی کتب خانہ میں ایک گرانقدر اضافہ ہے...... نے اس تحدید و توسیع کے درمیان ایک درمیانی راہ نکالی کہ فی سبیل اللہ سے مراد گو "مجاہدین" ہی ہیں، لیکن جہاد سے صرف "جہاد

بالسیف'' ہی مراد نہیں ہے، جہاد بالقلم اور جہاد باللسان وغیرہ بھی اس میں داخل ہے (فقہ الزکوۃ:۲/۵۸۰۔۶۵۷) ہر چند کہ قرضاوی صاحب نے رشید رضا کی بے روک ٹوک توسیع پر نقد کرکے یہ راہ وسط نکالی ہے، لیکن ''جہاد'' کے مفہوم میں اس عموم کے بعد حقیقت یہی ہے کہ رشید رضا اور قرضاوی صاحب کی رائے میں عملاً کوئی فرق باقی نہیں رہ پاتا۔

جمہور کے دلائل

جمہور فقہاء جو اس مد کو ''مجاہدین'' اور ''غزاۃ'' تک محدود مانتے ہیں، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

❶ ''انما'' کا لفظ عربی زبان میں حصر کو بتلاتا ہے اور ''فی سبیل اللہ'' کو لغوی معنی کے اعتبار سے عام رکھا جائے تو پھر مصارف زکوۃ میں کوئی تحدید باقی نہیں رہتی۔

❷ زکوۃ کے آٹھ مصارف کی تعیین اس بات کی متقاضی ہے کہ ان تمام مدات میں نوعیت کا اختلاف پایا جائے، لیکن ''فی سبیل اللہ'' میں اگر اس درجہ عموم روا رکھا جائے تو ادنیٰ تکلف کے بغیر بقیہ ساتوں مصارف بھی ''فی سبیل اللہ'' کے تحت آجاتے ہیں۔

❸ احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ مصارف میں تحدید اور انحصار ہی شارع کا منشاء ہے اور ''فی سبیل اللہ'' میں عموم کے بعد اس منشاء کی تکمیل ممکن نہیں ابوداؤد شریف میں مروی ہے:

''عن زیاد بن حارث الصدائی قال: أتیت رسول اللہ فبا یعتہ و ذکر حدیثاً طویلاً فأتاہ رجل فقال أعطنی من الصدقۃ، فقال لہ رسول اللہ ﷺ: ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتیٰ حکم فیھا ھو فجزء ھا ثمانیۃ أجزاء فان کنت من تلک الأجزاء أعطیتک حقک.'' (ابو داؤد: ۱/۲۳۰ کتاب الزکوۃ، نیز ملاحظہ ہو: درمنثور:۲/۲۲۰)

ترجمہ: زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے بیعت کی، زیاد نے ایک طویل حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا: مجھے صدقہ دیجئے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ صدقات کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ نے نبی یا کسی اور کی مرضی پر نہیں رکھا ہے۔ بلکہ اس کے بارے میں خود فیصلہ فرمادیا اور آٹھ صنفیں مقرر کردیں۔ اگر تم ان میں سے ہو تو میں تم کو تمہارا حق دے دوں۔''

❹ ''فی سبیل اللہ'' کی حیثیت ایک اصطلاح شرع کی ہے، لہٰذا جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے ''مجاہدین فی سبیل اللہ'' ہی مراد ہوں گے، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

'' سبل اللہ کثیرۃ ولکن لا أعلم خلافاً فی أن المراد بسبیل اللہ ھھنا الغزو فی سبیل اللہ.''

(احکام القرآن لا بن عربی: ۲/۹۶۹)

ترجمہ: ''اللہ کے راستے تو بہت ہیں؛ لیکن میرے علم کے مطابق اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں ''سبیل اللہ'' سے جہاد فی سبیل اللہ مراد ہے۔''

اس طرح کی تصریحات دوسرے اہل علم کے یہاں بھی موجود ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

❺ غور کیا جائے تو چوتھی صدی ہجری تک ''فی سبیل اللہ'' کے مصداق میں دو کے سوا کوئی تیسرا قول نہیں ملتا، ایک مجاہدین اور متعلقات جہاد، دوسرے حجاج۔ گویا ائمہ مجتہدین کے دور میں اس پر اجماع منعقد ہو چکا، اس کے بعد کسی اور رائے کا اظہار گویا خرق اجماع کے مترادف ہے۔

❻ مصارف زکوٰۃ کی آیت سے پہلے قرآن مجید میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے، اور ''**انفرو خفافاً و ثقالاً**'' (التوبۃ: ۴۱) کی ترغیب دی گئی ہے، قرآن مجید کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ایک مسئلہ کے ذکر کے بعد جب دوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو ان دونوں میں کوئی مناسبت اور باہمی ربط ہوا کرتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے ''مجاہدین فی سبیل اللہ'' مراد ہیں۔ (**الاساس فی التفسیر للشیخ السید حوصی**: ۲۳۱۲/۴)

متوسعین کی دلیلیں

❶ ''فی سبیل اللہ'' اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے عام ہے اور کتاب وسنت میں جو عام وارد ہوں، وہ اپنے عموم پر باقی رہتے ہیں، سوائے اس کے کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ موجود ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی عموم سے استدلال کیا ہے۔ (تفسیر کبیر: ۱۱۳/۱۶ نیز ملاحظہ ہو: **اتحاف السادۃ المتقین للزبیدی**: ۲۵۰/۴)

❷ اگر ''فی سبیل اللہ'' سے مجاہدین ہی مراد ہوں تو ان پر ان دوسرے لوگوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے، جو مسلمانوں کی مصالح عامہ کو انجام دیتے ہوں جیسے قضاۃ، اہل افتاء، مدرسین وغیرہ۔ علامہ صنعانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے (سبل السلام: ۶۳۴/۲) اور صنعانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال ہے کہ اسی طرف امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی ''صحیح'' میں ایک عنوان اس طرح قائم فرمایا ہے:

''**باب رزق الحاکم و العاملین علیہا**'' (**بخاری شریف**: ۱۰۶۱/۲)

(قاضی اور عاملین زکوٰۃ کے کفاف کا بیان)

غرض اعلاء کلمۃ اللہ کی علت میں اشتراک کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی اس زمرہ میں رکھ کر ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

❸ قرآن مجید نے بعض مصارف پر لام داخل کیا ہے جو ''تملیک'' کے معنی میں ہوتا ہے۔ گویا ان مصارف میں افراد واشخاص کی حاجت روائی اور ان کو مالک بنانے کی طرف اشارہ ہے، جب کہ بعض مصارف پر ''فی'' داخل کیا گیا ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس مد سے اشخاص وافراد بذاتِ خود مراد نہیں ہیں، بلکہ شریعت کی کچھ خاص مصلحتیں پیش نظر ہیں کہ زکوٰۃ کے ذریعہ ان کی تکمیل کی جائے۔ لہٰذا ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی مصلحت اور مقصود کی جن ذرائع سے بھی تکمیل ہوتی ہو، تکمیل کی جائے گی۔

❹ مصارف زکوٰۃ پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر اس کے دو مقاصد ہیں، ایک مقصد فقراء کی حاجت کو پورا کرنا ہے، دوسرا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ فقراء و مساکین، ابن سبیل، غارمین اور عاملین وغیرہ پہلے مقصد کو پورا کرتے ہیں جب کہ مؤلفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ سے دوسرے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ فی زمانہ چوں کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد بالسیف سے بڑھ کر جہاد بالقلم کی ضرورت ہے اور آج کارگاہِ مقابلہ صحافت، ادب، تصنیف و تالیف اور علم و فن بن چکا ہے، اس لئے شریعت کے اس منشاء و مصلحت کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں وسعت برتی جائے۔

❺ قرن اول میں ''فی سبیل اللہ'' سے بعض صحابہ نے ''حج'' مراد لیا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد حجاج اور عمرہ کرنے والے ہیں، اسی طرح کا قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی منقول ہے، نیز امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابولاس سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ان کو صدقہ کا اونٹ عطا فرمایا تھا (ملاحظہ ہو احکام القرآن للقرطبی: ۱۸۵/۸ نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب قولہ تعالیٰ و الغارمین و فی سبیل اللہ و ابن السبیل) اس سے معلوم ہوا کہ ''فی سبیل اللہ'' کی مد مجاہدین میں منحصر نہیں ہے۔

❻ فقہاء متاخرین کے یہاں اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ انہوں نے طلبۂ علوم دینیہ کو بھی اس مد میں شمار کیا ہے، فقہاء مالکیہ نے تو بیانگ دہل غنی طلبہ کو بھی اس مد میں شامل رکھا اور وجہ بتائی ہے کہ وہ بھی مجاہدین ہیں، چنانچہ علامہ صاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے:

''مذهب مالک أن طلبة العلم المنهمكين فيه لهم الأخذ من الزكوة ولو غنيا اذا انقطع حقّهم من بيت المال لأ نّهم مجاهدون.'' (حاشيه صاوى على تفسير جلالين: ۱۵۴/۲)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ طلبہ جو علم میں منہمک ہوں، ان کے لئے زکوٰۃ لینا درست ہے۔ گو وہ مالدار ہوں، بشرطیکہ بیت المال سے ان کا حق مسدود ہو گیا ہو؛ اس لئے کہ وہ مجاہدین ہیں۔''

لیکن خود فقہاء حنفیہ کے یہاں بھی ایسی صراحتیں مل جاتی ہیں کہ غنی طلبہ کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صاحب واقعات سے نقل کیا ہے:

''ان طالب العلم يجوزله أخذ الزكوة ولو غنيا اذا فرّغ نفسه لافادة العلم و استفادته لعجزه عن الكسب.'' (در مختار على هامش الرد: ۲۸۵/۳ نیز ملاحظہ ہو مراقی الفلاح: ۴۷۵)

ترجمہ: ''طالب علم گو غنی ہو، اگر وہ اپنے آپ کو علم کے افادہ اور استفادہ کے لئے فارغ کر لے تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ کیوں کہ وہ کسب معاش سے عاجز ہے۔''

❼ مصارف صدقات کی آیت میں ''انّما'' حصرِ حقیقی کے لئے نہیں بلکہ حصرِ اضافی کے لئے ہے، چوں کہ

منافقین آرزومند تھے کہ صدقات میں سے ان کو دیا جائے، جیسا کہ اس آیت سے پہلے کی آیت میں مذکور ہے، قرآن ان کے استحقاق کی نفی کرنا چاہتا ہے تو قرآن مجید کا منشاء صرف منافقین کے استحقاق کی نفی کرنا ہے، مطلق حصر وتحدید مقصود نہیں۔ (ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۱۰۶ مصارف زکوٰۃ)

جمہور کی دلیل پر ایک نظر

اب ہم ایک نظر ان دلائل پر ڈالیں گے جو فریقین کی جانب سے پیش کئے گئے ہیں۔ جمہور کی طرف سے ’’فی سبیل اللہ‘‘ میں مجاہدین کی تخصیص پر یہ استدلال کہ اس سے پہلے جہاد کا مضمون آیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ یہاں بھی ’’فی سبیل اللہ‘‘ سے جہاد ہی مراد ہو، محض ایک قرینۂ بعید کا درجہ رکھتا ہے، منافقین گو نماز و روزہ بظاہر کر لیتے تھے، لیکن سب سے زیادہ ’’جہاد‘‘ سے راہ فرار اختیار کرتے تھے، اس لئے ترغیب جہاد کے بعد روئے سخن منافقین کی طرف ہوا اور چوں کہ منافقین مفت خوری کے متمنی رہتے تھے، اس لئے ایک طرف ان کے اس مزاج و مذاق کی مذمت کی گئی اور دوسری طرف یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ زکوٰۃ و صدقات کے مصرف کون لوگ ہیں؟ اس طرح ’’فی سبیل اللہ‘‘ کے مفہوم میں تحدید و حصر کے بغیر بھی آیت کے سیاق و سباق سے اس کا ربط قائم رہتا ہے۔ اس کے سوا جمہور نے اپنے نقطۂ نظر پر جو نکات پیش کئے ہیں وہ کافی قوی ہیں!

متوسعین کے دلائل پر ایک نظر!

❶ دوسرے گروہ کی سب سے قوی دلیل ’’فی سبیل اللہ‘‘ کا لفظی اعتبار سے عموم و اطلاق ہے۔ لیکن اگر جمہور کے نقطۂ نظر کے مطابق اس کو ایک شرعی اصطلاح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس دلیل میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ اصطلاحات شرعیہ میں الفاظ کے عموم و اطلاق اور اس کے حقیقی و لغوی معنی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

❷ ’’مجاہدین‘‘ پر مصارف زکوٰۃ کے باب میں دوسروں کو قیاس کرنا اس لئے قرین صواب نہیں کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادت میں اصل ’’تعبد‘‘ ہے اور تعبدی احکام میں اصولی طور پر قیاس کو دخل نہیں۔

❸ ’’لام‘‘ اور ’’فی‘‘ سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قسم کے مدات میں شارع نے صرف اشخاص کی ضرورت کو سامنے رکھا ہے، دوسری قسم کی مدات میں مصالح بھی پیش نظر ہیں؛ لیکن خود قرآن مجید کی تعبیر سے واضح ہے کہ ان مدات میں بھی مجرد مصلحت مقصود نہیں ہے بلکہ افراد کے واسطہ سے مصلحت کی تکمیل مقصود ہے، غور کیا جائے کہ فک رقاب کا مسئلہ ہو، ابن سبیل کی مد ہو یا غارمین کا، ہر جگہ افراد و اشخاص کے ذریعہ مصلحت کی تکمیل ہوتی ہے، اس لئے ’’فی سبیل اللہ‘‘ والی مصلحت بھی افراد و اشخاص کے واسطہ سے مکمل کی جائے گی محض رفاہی اور دینی افعال و اعمال کے ذریعہ نہیں، اسی لئے جو لوگ ’’فی سبیل اللہ‘‘ سے مجاہدین مراد لیتے ہیں، ان کے ہاں اصل عبارت ’’فی سبیل الغزاۃ فی سبیل اللہ‘‘ قرار پائے گی۔ علامہ زمخشری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعبیر میں ’’لام‘‘ سے ’’فی‘‘ کی طرف عدول کی اچھی عقدہ کشائی کی ہے، فرماتے ہیں:

"فان قلت: لم عدل عن اللام الی فی فی الأربعة الاخیرة قلت: للایذان بأنهم أرسخ فی استحقاق التصدق علیهم من سبق ذکره لان "فی" للوعاء فنبه علی انهم احقاء بأن توضع فیهم الصدقات و یجعلوا مظنة لها و مصبا و ذالک لما فی فک الرقاب من الکتابة أو الرق أو الاسر و فی فک الغارمین من الغرم من التخلیص و الانقاذو نجمع الغازی الفقیر والمنقطع فی الحج بین الفقر او العبادة و کذالک ابن السبیل جامع بین الفقر و الغربة عن الأهل والمال و تکریر "فی" فی قوله و فی سبیل الله و ابن السبیل فیه فضل ترجیح لهذین علی الرقاب و الغارمین." (الکشاف: ۲/۵۹، ۱۵۸)

ترجمہ: اگر تم کہو کہ آخری چار مصارف میں "لام" سے "فی" کی طرف کیوں رجوع کیا گیا تو میں کہوں گا کہ یہ بتانے کے لئے کہ وہ بہ مقابلہ سابق الذکر مدات کے صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں؛ اس لئے کہ "فی" ظرف کے لئے ہے۔ تو اس بات پر متنبہ فرمایا گیا کہ وہ لوگ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان میں زکوۃ رکھی جائے۔ "فک رقاب" یعنی غلام مکاتب یا مطلق غلام یا قیدیوں کو آزاد کرنے اور مقروضوں کی قرض سے گردن چھڑانے میں ان کو نجات دلانا اور غلامی سے نکالنا ہے اور محتاج مجاہد یا حج میں جس کا سامان سفر ختم ہو گیا ہو، وہ فقر و محتاجی اور عبادت دونوں کو جمع کئے ہوئے ہے۔ اسی طرح مسافر میں محتاجی نیز اہل وعیال اور مال سے دوری دونوں جمع ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فی سبیل اللہ" اور "ابن السبیل" میں "فی" کے تکرار سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں مدات کو "رقاب" (غلام آزاد کرنے) اور "غارمین" (مقروضوں کی مدد) پر زیادہ ترجیح حاصل ہے۔"

آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اس نکتہ کا اضافہ کیا ہے کہ پہلے چار مصارف میں خود ان کو مالک بنایا جاتا ہے، جب کہ بعد کے چاروں مصارف میں خود اس کو مالک بنانا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس کی مصلحتوں کی تکمیل مقصود ہوتی ہے، تو اس لئے "لام تملیک" پہلے چاروں مصارف کے لئے زیادہ مناسب و موزوں تھا۔ (روح المعانی: ۱۰/۱۲۴)

❹ اس میں شبہ نہیں کہ مصارف زکوۃ پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقراء کی حاجت روائی اور اعلاء کلمۃ اللہ زکوۃ کے دوگانہ مقاصد ہیں اور جہاد بالسیف کے علاوہ بھی اظہار دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے مختلف ذرائع ہیں، لیکن ظاہر ہے "اعلاء کلمۃ اللہ" کی حیثیت ایک حکمت و مصلحت کی ہے اور احکام کی بنیاد "حکمت" پر نہیں ہوتی، علت پر ہوتی ہے، علت جیسے "عاملین" میں "عملِ عامل" اور "غارمین" میں مقروض ہونا یا بعض فقہاء کی رائے پر دو مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لے مالی بار کو برداشت کرنا ہے، اسی طرح "فی سبیل اللہ" جہاد ہے اور جہاد کا اصطلاحی مفہوم "جہاد بالسیف" ہے، اس لئے حکم کی بنیاد واساس اسی پر رہے گی۔

❺ "فی سبیل اللہ" میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک قول کے مطابق حجاج کو داخل کرنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر پر مبنی ہے، لیکن خود ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو اس سے

مصرف زکوٰۃ والے ”فی سبیل اللہ“ میں عموم قرین صواب نظر نہیں آتا، قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو اپنی تفسیر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، اصل میں ایک شخص نے اپنے مال کے ایک حصہ کی ”فی سبیل اللہ“ وصیت کی تھی، خاتون نے آ کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا، انہوں نے فرمایا: ”**فھو کما قال فی سبیل اللہ**“، اس مجمل جواب سے خاتون کی الجھن دور نہ ہوئی۔ اس لئے عبدالرحمان بن ابی نعیم نے جوان کے ساتھ تھے۔ مکرر توجہ دلائی، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ میں اسے کہوں کہ ان فوجیوں کو دے دے جو زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں اور راہگیروں کو لوٹتے ہیں؟ عبدالرحمٰن نے دریافت کیا: پھر آپ اس کو کس مد میں خرچ کرنے کا حکم دیتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: صالحین کے حوالہ کرنے کا، یعنی حجاج بیت اللہ کو وہ اللہ کے مہمان ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن: ۱۸۵/۸)

غور کیا جائے کہ یہاں زکوٰۃ کے مصرف ”فی سبیل اللہ“ کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ یہ ”نذر“ ہے، اس میں جہاد اور دوسرے کار خیر دونوں کی گنجائش تھی، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ کے فوجیوں کی بے راہ روی دیکھتے ہوئے ان کو مشورہ دیا کہ حجاج پر خرچ کر دیا جائے، ”نذر“ کی بنیاد اصل میں عرف پر ہوتی ہے، جس میں دونوں معنی کی گنجائش ہے اور ”فی سبیل اللہ“ کی حیثیت مصارفِ زکوٰۃ میں اصطلاح شرعی کی ہے، اس لئے دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کے بعض تلامذہ نے اس قول سے رجوع نقل کیا ہے (ارشاد الساری: ۵۷/۳)...... گو بعض دفعہ ائمہ کا مرجوع عنہ قول ہی معروف ہو جاتا ہے اور قبول عام حاصل کر لیتا ہے، اس کی واضح مثال ”آمین“ کے جہر و سر میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے، آمین میں جہر آپ کا مرجوع عنہ قول ہے، مگر یہی فقہاء شوافع کے ہاں معمول و معتمد ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس طرح کے نذر کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جو عہد نبوی ﷺ میں پیش آیا (الاتحاف: ۲۲۸/۴)۔ لیکن فقر و احتیاج کی قید کے بعد جیسا کہ ذکر ہوا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف محض تعبیر کے اختلاف کا درجہ رکھتا ہے۔

❻ ”طلبہ“ کے سلسلہ میں جہاں تک حنفیہ کی بات ہے، تو قول صحیح و معتمد یہی ہے کہ ان کے مستحق زکوٰۃ ہونے کے لئے بھی فقر و حاجت کی شرط ہے، گو بعض مصنفین نے ”غنی طلبہ“ کو بھی زکوٰۃ کی اجازت دی؛ لیکن اس کو کبھی بھی فقہ حنفی میں اعتبار و قبول حاصل نہ ہو سکا، یہ ان کے اس اصول کے خلاف ہے جو صراحۃً فقہ حنفی کی تمام ہی متون و شروح میں منقول ہے کہ سوائے ”عاملین“ کے تمام ہی مدات میں فقر و حاجت کی شرط کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا استحقاق ثابت ہوتا ہے، شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

”**وھذا الفرع مخالف لا طلاقھم الحرمة فی الغنی ولم یعتمدہ أحد...... والأ وجه تقییدہ بالفقیر.**“ (ردالمحتار: ۲۸۶/۳)

ترجمہ: یہ جزئیہ غنی کے بارے میں فقہاء نے مطلقاً زکوٰۃ کی حرمت کا جو حکم لگایا ہے، اس کے مخالف ہے۔ کسی

صاحب علم نے اس قول پر اعتماد نہیں کیا اور صحیح یہی ہے کہ یہ صورت بھی محتاج کے ساتھ مقید ہے۔"

رہ گیا مالکیہ کا طلباء علوم دینیہ کو غناء کے باوجود زکوٰۃ کا مستحق قرار دینا، تو ان کے ہاں واقعی اس میں توسع معلوم ہوتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں اس مسئلہ میں نسبتہً مالکیہ کے یہاں ایک گونہ وسعت نظر آتی ہے۔

مسئلہ کی اصل اور بنیاد

اصل میں اس مسئلہ میں جو بات اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن کی تعبیرات عام طور پر اس کے لغوی معنی میں استعمال ہوتی ہیں اور یہی اس کے "عربی مبین" (الشعراء ۱۹۵) ہونے کا تقاضہ ہے، لیکن بیسیوں اصطلاحات ہیں جن کو قرآن مجید ایک خاص معنی و مفہوم میں استعمال کرتا ہے، صلوٰۃ و صوم، زکوٰۃ و حج، طہارت، معروف و منکر، دین و شریعت وغیرہ۔ یہ اس کی خاص اصطلاحات ہیں، جب سیاق و سباق، صلات، اس سے متعلق افعال اور اس کے لغوی معنی اس کی شہادت نہ دیتے ہوں تو ان کو خاص انہیں اصطلاحی معنوں پر محمول کیا جائے گا، اب سوال یہ ہے کہ "فی سبیل اللہ" کی حیثیت کیا ہے؟ جن لوگوں نے اس کا عموم برتا ہے، انہوں نے اس کو سادہ لغوی معنی پر محمول کیا ہے اور جن حضرات نے "مجاہدین فی سبیل اللہ" کی تحدید کی ہے، انہوں نے اس کو ایک شرعی اور قرآنی اصطلاح کی نظر سے دیکھا ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی، قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے کے مطابق مجاہدین کے ساتھ اس کی تخصیص پر یہی استدلال کرتے ہیں کہ

"لأن سبیل اللہ اذا أطلق فی عرف الشرع یرادبہ ذلک" (بدائع الصنائع: ۸۰۴/۲)

ترجمہ: کیونکہ شریعت کے عرف کے مطابق جب مطلق "سبیل اللہ" بولا جائے تو اس سے مجاہد فی سبیل اللہ ہی مراد ہوتا ہے"۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"لأن "فی سبیل اللہ" عند الاطلاق انما ینصرف الی الجہاد فان کل مافی القرآن من ذکر سبیل اللہ انما یر یدبہ الجہاد الا الیسیر فیجب ان یحمل مافی الأیۃ علی ذلک." (المغنی: ۴۷۰/۶)

ترجمہ: اس لئے کہ "سبیل اللہ" جب مطلق ہو تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے کیونکہ قرآن میں چند جگہوں کو چھوڑ کر جہاں بھی "سبیل اللہ" کا ذکر آیا ہے اس سے جہاد ہی مراد ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس آیت میں بھی "فی سبیل اللہ" کو اسی معنی پر محمول کیا جائے۔"

لغت کی مشہور کتابوں میں بھی یہی بات کہی گئی ہے...... علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ ناقل ہیں:

"واذا أطلق فھو فی الغالب واقع علی الجہاد حتی صار لکثرۃ الاستعمال کأنہ مقصور

علیه." (تاج العروس: ۳۶۶/۷، نیز ملاحظہ ہو ابن اثیر کی النهایه: ۱۵۶/۲)

ترجمہ: "جب "فی سبیل اللہ" کا لفظ مطلق ہو تو اکثر اس سے جہاد ہی مراد لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کثرت استعمال کی وجہ سے یہ لفظ ایسا ہو گیا کہ گویا اس کا صرف یہی معنی ہے۔"

لسان العرب میں کہا گیا ہے:

"واذا أطلق فهو فی الغالب واقع علی الجهاد حتی صار لکثرة الاستعمال کأنه مقصور علیه." (لسان العرب: ۳۲۰/۱۱)

ترجمہ: جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے، یہاں تک کہ کثرت استعمال کی وجہ سے یہ لفظ ایسا ہو گیا کہ گویا اس کا صرف یہی معنی ہے۔"

شارح ہدایہ عینی کا بیان ہے:

"سبیل اللہ عبارة عن جمیع القرب لکن عند الاطلاق یصرف الی الجهاد." (البنایه علی الهدایه: ۱۲۵۸/۲)

ترجمہ: "سبیل اللہ" میں تمام نیکیاں شامل ہیں؛ لیکن جب یہ لفظ مطلق ہو تو اس سے جہاد مراد ہو گا۔"

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"الطاعات کلها فی سبیل اللہ ولکن عند اطلاق هذا اللفظ المقصود بهم الغزاة عندالناس." (المبسوط: ۱۰/۳)

ترجمہ: "تمام طاعتیں فی سبیل اللہ میں داخل ہیں؛ لیکن جب یہ لفظ مطلق ہو تو ان سے مقصود مجاہدین ہیں۔"

ان تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں "فی سبیل اللہ" کے لئے معنی جہاد سے انحراف کا قرینہ موجود نہ ہو، وہاں "فی سبیل اللہ" سے یہی معنی مراد ہوتا ہے۔ ہاں کسی خاص فعل کے سیاق میں یا صلات کی تبدیلی کی وجہ سے کہیں اس سے مختلف معنی مراد لیا گیا ہو تو وہ اس کے مغائر نہیں، جیسے: صلوٰۃ ایک اصطلاح شرعی ہے، لیکن بعض جگہ لغوی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے" وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ "(التوبۃ ۱۰۳) کہ یہاں صلوٰۃ بہ معنی "دعا" وارد ہوا ہے۔

جہاد بھی ایک شرعی اصطلاح ہے!

یہی بات ان حضرات سے بھی کہنی ہے جو "فی سبیل اللہ" سے جہاد مراد لے کر خود جہاد کے معنی میں توسع برتتے ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ "جہاد" کے لغوی معنی مطلق سعی و کوشش کے ہیں، اس لحاظ سے دین کی سربلندی کی ہر کوشش فی الجملہ "جہاد فی سبیل اللہ" میں داخل ہے، اسی مادۂ اشتقاق کی رعایت سے نصوص میں بعض مقامات پر زبان وقلم کے ذریعہ ہونے والی دینی مساعی پر بھی جہاد کا اطلاق کیا گیا ہے (التوبۃ ۸۳، عنکبوت ۶۹) لیکن یہ صورتیں اصطلاحی جہاد

بہر حال نہیں ہیں، یہ ویسے ہی ہے کہ جیسے آپ ﷺ نے ''مسلم'' کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده." (بخاری: ۶/۱)

ترجمہ: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔''

اور ''مؤمن'' کے بارے میں فرمایا گیا:

"لا يؤمن من لا يأمن جاره بوائقه." (بخاری: ۸۸۹/۲)

ترجمہ: وہ مؤمن نہیں جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔''

یا ارشاد ہوا:

"المهاجر من هجر مانهى الله عنه." (بخاری: ۶/۱)

ترجمہ: ''مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی بات سے باز رہے۔''

ظاہر ہے کہ ان روایات میں اسلام اور ہجرت کے بعض تقاضوں کی طرف کمال لطافت کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، یہی حال ان روایات کا ہے جن میں قلم ولسان کی مساعی اور سلطان جائر کے ساتھ کلمۂ حق کی جرأت اظہار کو جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''اسماء شرعیہ'' کے متعلق صحیح لکھا ہے کہ اس میں گو معنی لغوی سے مکمل عدول وانحراف نہیں ہوتا؛ لیکن شریعت اس کے مصداق میں تصرف بھی ضرور ہی کرتی ہے اور بعض دفعہ اُس کے عموم واطلاق میں تخصیص سے کام لیتی ہے:

"والمختار عندنا أنه لا سبيل الى انكار تصرف الشرع في هذه الأسامي ولا سبيل الى دعوى كونها منقولة عن اللغة بالكلية كما ظنه قوم ولكن عرف اللغة تصرف في الأسامي من وجهين: أحدهما التخصيص ببعض المسميات كما في الدابة فتصرف الشرع في الحج والصوم والايمان من هذا الجنس اذ للشرع في الاستعمال كما للعرب." (المستصفى: ۲۳۰/۱، الفصل الرابع في الاسماء الشرعيه)

ترجمہ: ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شریعت نے ان الفاظ میں تصرف کیا ہے نیز یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ الفاظ بالکلیہ لغت سے منقول ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ناموں کی بابت عرف لغت نے دو طریقوں پر تصرف کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو افراد نام کے مصداق ہیں ان میں سے بعض کے ساتھ یہ نام مخصوص کر دیا گیا، جیسے ''دابۃ'' کا لفظ، اسی طرح شریعت میں بھی حج، صوم ایمان وغیرہ کے مصداق میں جو تصرف کیا ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس لئے کہ جیسے اہل زبان کا عرف ہے، اسی طرح شریعت کا بھی ایک عرف ہے۔''

پس جہاں کہیں شارع نے ''جہاد'' کی اصطلاح استعمال کی ہی، وہاں ضروری ہے کہ جہاد بالسیف ہی مراد ہو،

سوائے اس کے کہ اس کے خلاف کوئی صراحت یا ایسا واضح قرینہ موجود ہو، جو یہاں کنایہ واستعارہ کا متقاضی ہو؛ اس لئے اس آیت میں بھی ''جہاد'' کے معنیٰ میں عموم صحیح نظر نہیں آتا اس لئے بہت سے فقہاء نے جہاد فی سبیل اللہ کی بجائے ''غزو فی سبیل اللہ'' کی اصطلاح استعمال کی ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول گزر چکا ہے:

''المراد بسبیل اللہ ھھنا الغزو فی سبیل اللہ'' (احکام القرآن لابن العربی:۹۶۹/۲) ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے: ''الغزاة الذین لا حق لھم فی الدیوان'' (تفسیر ابن کثیر:۳۸۰/۱) زمخشری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''فقراء الغزاة'' (کشاف:۱۵۸/۱) قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قتال کا لفظ استعمال کیا ہے۔

قرطبی کہتے ہیں:

''وھم الغزاة و موضع الرباط یعطون ماینفقون فی غزوھم کانوا أغنیاء أو فقراء.''

(الجامع لاحکام القرآن: ۱۸۵/۸)

ترجمہ: ''اس کا مصداق مجاہدین اور سرحدات پر رہنے والے ہیں، ان کو دیا جائے گا تا کہ یہ جہاد میں خرچ کریں۔ چاہے وہ مالدار ہوں یا محتاج۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

''فالا کثر علی أنه یختص بالغازی.'' (فتح الباری: ۳۳۲/۳)

ترجمہ: ''اکثر حضرات کے نزدیک یہ غازی کے لئے مخصوص ہے۔''

خود حدیث میں بھی ''غازی'' ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے، ارشاد ہے:

''لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة: لغاز فی سبیل اللہ أو لعامل علیھا أو لغارم أو لرجل اشتراھا بماله أو لرجل له جار مسکین فتصدق علی المسکین فأھدی المسکین الی الغنی.''

(ابو داؤد: ۲۳۱/۱)

ترجمہ: ''سوائے پانچ اشخاص کے مال دار کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں۔ مجاہد فی سبیل اللہ، عامل زکوٰۃ، مقروض، جس شخص نے اپنے مال سے کوئی زکوٰۃ کی چیز خریدی ہو، جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو، مسکین پر صدقہ کیا جائے اور مسکین اس مالدار کو ہدیہ کر دے۔''

نصوص میں جہاد بالقلم، جہاد باللسان اور جہاد بالنفس وغیرہ پر ''لغوی جہاد'' کا اطلاق کیا گیا ہے؛ لیکن میرے حقیر علم کے مطابق ''غزوہ'' کا اطلاق اس قسم کی مساعی پر نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے واقعہ ہے کہ مذکورہ آیت میں ''فی سبیل اللہ'' سے جہاد اصطلاحی ہی مراد ہے، نہ کہ مطلق دین کے لئے مساعی اور جہد وجہد۔

زکوٰۃ کی اس مد میں تملیک؟

زکوٰۃ کے سلسلہ میں اس بات پر قریب قریب ائمہ کے یہاں اتفاق ہے کہ رفاہی کاموں، مدارس ومساجد کی تعمیر

اور ریلوں کی مرمت، مردوں کی تجہیز و تکفین اور اس طرح کے کاموں میں زکوٰۃ کی رقم صرف نہیں کی جاسکتی، فقہاء حنفیہ کے علاوہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی صراحت کی ہے (ملاحظہ ہو البحر الرائق: ۲/ ۲۴۳، المغنی: ۲/ ۲۸۰، در مختار علی هامش الرد: ۲/ ۶۲) البتہ مالکیہ غالباً مقصد جہاد کے لئے تملیک کو ضروری نہیں سمجھتے محمد بن عبد الحکم نے مال زکوٰۃ سے زرہ، ہتھیار اور آلات حرب کی خریداری وغیرہ کی اجازت دی ہے (الجامع لاحکام القرآن: ۸/ ۱۸۶) علامہ محمد علیش مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مد سے جاسوس کو بھی دینے کی اجازت دی ہے اور گو عام فقہاء نے دفاعی تعمیرات، فصیل بندی، اور کشتی سازی وغیرہ کے لئے اس مد سے خرچ کرنے کو منع کیا ہے مگر ابن عبد الحکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ (منح الجليل على مختصر الخليل: ۱/ ۳۷۵، ۳۷۴)

فقہاء نے زکوٰۃ میں تملیک کی شرط کتاب وسنت کی تعبیرات کو سامنے رکھ کر لگائی ہے، اس سلسلہ میں یہ نکات قابل ذکر ہیں:

❶ قرآن مجید نے مصارف زکوٰۃ کا آغاز ''لام'' سے کیا ہے، جو تملیک کے لئے آتا ہے۔

❷ قرآن نے متعدد مواقع پر: وَآتُوا الزَّكٰوةَ ...... ''ایتاء'' اعطاء (دے دینے) کے معنی میں ہے (الايتاء والاعطاء، مفردات القرآن للاصفهانی: ۸)...... جو اس بات کا متقاضی ہے کہ مال زکوٰۃ کا مالک بنادیا جائے، جیسے مہر سے متعلق ارشاد ہوا وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء: ۴) یہاں بھی ''ایتاء'' تملیک کے معنی میں ہے۔

❸ رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''تو خذ من اغنياء هم وترد فی فقراء هم.'' (بخاری: ۱/ ۱۸۷)

ترجمہ: ''ان کے مال داروں سے لی جائے اور ان کے فقراء پر خرچ کی جائے۔''

''تقسیم'' کا لفظ تملیک کو مستلزم ہے۔

یہ تمام قرائن بتاتے ہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' والی مد میں بھی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے اور دفاعی امور و مصالح پر یہ رقم ''مجاہدین'' کے واسطہ سے خرچ کی جائے گی۔

رہ گئی یہ بات کہ اس مد خاص میں ''لام'' کی بجائے ''فی'' کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے؟ تو علامہ زمخشری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ ''فی'' عربی زبان میں ظرف پر داخل ہوتا ہے اور ظرف مظروف کا احاطہ واستیعاب کر لیتا ہے، اس طرح ''ظرف'' کے ساتھ تعبیر تاکید بلیغ اور اہتمام خاص کو بتاتی ہے، چونکہ پہلے چاروں مدات کے مقابلہ بعد کے چاروں مدات کی نوعیت زیادہ اہم تھی؛ اس لئے ان پر ''فی'' داخل کیا گیا ہے خصوصیت سے ''سبیل اللہ'' میں تو محض عطف پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ''غارمین'' کے ذکر کے بعد مستقل طور پر ''فی

سبیل اللہ“ فرمایا گیا۔ (ملخص از: الکشاف: ۵۹/۲، ۱۵۸)

فی سبیل اللہ میں فقر کی شرط

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ اس بات پر متفق ہیں کہ غنی مجاہدین کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ (شرح مھذب: ۲۱۲/۶) شوافع یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ وہ مجاہدین مستقل تنخواہ دار نہ ہوں، بلکہ رضا کارانہ خدمت کرتے ہوں (المنهاج القویم للهیثمی: ۱۵۵، فتح المعین: ۵۳) حنفیہ کے یہاں مجاہدین کے لئے بھی فقر شرط ہے (ہدایہ و فتح القدیر: ۲۶۴/۲) جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے گذری کہ پانچ اشخاص کے لئے باوجود غنی ہونے کے زکوٰۃ حلال ہے اور انہیں میں آپ نے ”غازی فی سبیل اللہ“ کو بھی شمار فرمایا۔ (ابو داؤد: ۲۳۱/۱)...... حنفیہ کی دلیل وہ روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے غنی کے لئے زکوٰۃ کو حرام قرار دیا ”لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی“ (ترمذی کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء من لاتحل له الصدقة) ایک اور روایت میں ہے:

”لا حظ فیها لغنی ولا لقوی مکتسب“ (ابو داؤد: ۲۳۱/۱)

ترجمہ: ”زکوٰۃ میں مال دار اور کمانے پر قادر طاقت ور شخص کے لئے کوئی حصہ نہیں۔“

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے یمن بھیجتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ اغنیاء سے زکوٰۃ لی جائے اور فقراء میں تقسیم کردی جائے۔ (بخاری: ۱۸۷/۱) پس، گویا ”فقر“ استحقاق زکوٰۃ کے لئے بنیادی شرط ہے۔

حنفیہ نے اس روایت کا مختلف طریقوں سے جواب دینے کی کوشش کی ہے جس میں ”مجاہد“ کو غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے (دیکھئے مرقاة المفاتیح: ۴۵۰/۲، اتحاف سادة المتقین: ۲۴۹/۴، فتح القدیر: ۲۰۹/۲) مگر قوی تر جواب وہ ہے جو امام ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ”حضری“ زندگی کے اعتبار سے غنی ہو، اس کی مکان میسر ہو، اثاثہ جات ہوں، خادم ہوں، سواری ہو، دو سو درہم سے زیادہ رقم ہو، لیکن اب جب وہ سفر جہاد پر کمربستہ ہو تو سفر اور بالخصوص سفر جہاد کے اعتبار سے حاجت مند ہو جاتا ہے، ذرائع سفر مطلوب ہیں، آلات حرب کی ضرورت ہے، توشہ سفر بھی درکار ہے تو ایسے شخص کو جو اپنے وطن میں رہتے ہوئے ”غنی“ تھا، حاجت وفقر کی وجہ سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ (احکام القرآن: ۳۲۹/۴)

جمہور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ”فی سبیل اللہ“ اور دوسری مدات میں بھی فقر کی شرط پر ہی زکوٰۃ دینی جائز ہو تو مصارف ہشتگانہ کا ذکر بے معنی ہوگا، ایسی صورت میں تو صرف ”فقراء“ اور ”عاملین“ کا ذکر کافی ہو جاتا۔ (حنفیہ عاملین کو غنی ہونے کے باوجود مال زکوٰۃ سے اجرت کا حقدار قرار دیتے ہیں) لیکن اس سوال کا جواب زکوٰۃ کے دوسرے ہی مصرف ”مساکین“ میں موجود ہے کہ اگر تمام مصارف میں کھلی ہوئی ”مغایرت“ ہی ضروری ہو، تو یہ ”فقراء“ و ”مساکین“ کے درمیان بھی نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ ”فقر و حاجت“ زکوٰۃ کی بنیادی مصلحت ہے، لیکن چوں کہ بعض صورتوں میں کوئی خاص وصف پایا جاتا ہے، اس لئے اس کا خصوصیت سے ذکر کردیا گیا، مسکین کے پاس

کچھ مال ہوتا ہے لیکن ناکافی، اس لئے اس کا ذکر کیا گیا کہ استحقاقِ زکوۃ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بالکل ہی مال و جائیداد سے محروم ہو، غلام کا ذکر کیا گیا کہ ایک مکاتب یا قیدی فی نفسہ غنی ہو، لیکن اپنی گلوخلاصی کے لئے حاجت مند ہو، ''غارمین'' کی صراحت کی گئی کہ بعض اوقات ایک شخص مالک نصاب ہوتا ہے، لیکن ادا قرض میں فقیر ومحتاج ہوتا ہے، مسافر اپنی جائے سکونت کے اعتبار سے غنی ہوتا ہے لیکن سفر کی عارضی حالت میں مبتلاء فقر ہوتا ہے۔ پس، غور کیا جائے تو سوائے عاملین و مؤلفۃ القلوب کے تمام مصارف میں شریعت نے فقر کو بنیاد بنایا ہے، البتہ چوں کہ ان صورتوں میں فقر کی ایک خاص کیفیت پائی جاتی ہے یا زکوۃ کے ذریعہ فقر کا مداوا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک مصلحت دینی کی تکمیل بھی پیش نظر ہوتی ہے، اس لئے قرآن نے ان کا مستقل ذکر مناسب سمجھا، اب ان تمام مصارف کی طرح احناف ''مجاہدین'' کی صورت میں بھی ''فقر'' کی قید لگا دیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو منشاء ربانی کے خلاف سمجھا جائے!

تاہم حنفیہ پر ابھی یہ بار جواب باقی رہتا ہے کہ وہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں ''**لاتحل الزکوۃ لغنی ولا لقوی مکتسب**'' وہاں غنی کے ساتھ اس شخص کے لئے بھی زکوۃ حلال قرار نہیں دی گئی، جو توانا اور کمانے پر قادر ہو، مگر احناف ایسے محتاج شخص کے لئے زکوۃ جائز قرار دیتے ہیں اور ''لاتحل'' کو اس کے حق میں زجرو توبیخ پر محمول کرتے ہیں، تو کیا دوسرے فقہاء کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ دونوں قسم کی حدیثوں کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کی غرض سے وہ ''غنی'' کے حق میں بھی اس کو اسی پر محمول کریں، یا اس حدیث کے عموم میں دوسری حدیث سے تخصیص واستثناء کریں؟

بہر حال یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں بحث ونظر کی گنجائش موجود ہے!!!

خلاصہ بحث

پس ان مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1. ''فی سبیل اللہ'' سے مجاہدین فی سبیل اللہ ہی مراد ہیں اور یہ قریب قریب اجماعی رائے ہے۔
2. ''مجاہدین'' سے اصطلاحی جہاد کرنے والے مراد ہیں، نہ کہ زبان وقلم وغیرہ کے ذریعہ دعوت اسلام اور حفاظت اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والے علماء۔
3. ''فی سبیل اللہ'' کی مد میں بھی ائمہ اربعہ کے نزدیک تملیک ضروری ہے، صرف مالکیہ سے اس میں قدرے توسع منقول ہے۔
4. ''فی سبیل اللہ'' میں بھی حنفیہ کے یہاں ''فقر'' کی قید ملحوظ ہے، اکثر فقہاء کو اس سے اختلاف ہے اور طرفین کے پاس اپنے نقطۂ نظر کے لئے معقول دلیلیں موجود ہیں۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم

سُوْرَةُ

الحَجّ

مَدَنِيَّةٌ
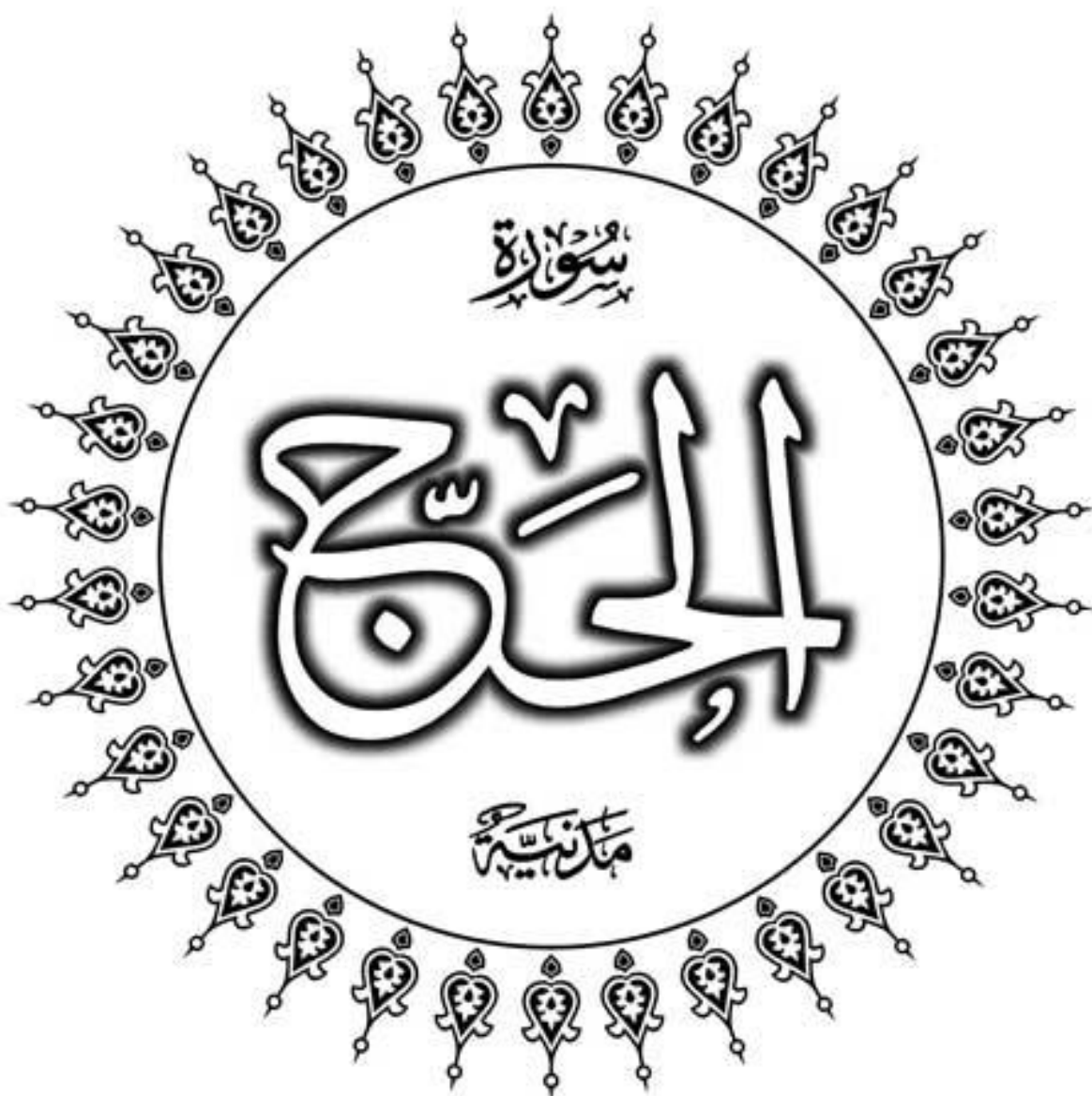
ابتدائیہ

اس تالیف میں "سورۃ الحج" کی درج ذیل

۱۷ آیات کے مضامین جہاد کو بیان کیا گیا ہے

آیات ۱۹ تا ۲۴

آیات ۳۸ تا ۴۱

آیت ۵۵

آیات ۵۸ تا ۶۲

آیت ۷۸

ابتدائیہ

سترہ آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ

آیت۔ ۱۹ تا ۲۲ اپنے اپنے دین کی خاطر لڑنے والے دو فریق۔ اور آخرت میں ان کا انجام (مبارزین غزوہ بدر)

آیت۔ ۳۸ اللہ تعالیٰ کی نصرت آنے والی ہے، جہاد کی اجازت ملنے والی ہے، حرم شریف سے کافروں کا غلبہ اور اقتدار ختم ہونے والا ہے۔

آیت۔ ۳۹ جہاد کی اجازت دے دی گئی، نظر اللہ تعالیٰ کی نصرت پر رکھو۔ (جہاد میں ظلم کا توڑ ہے)

آیت۔ ۴۰ جہاد ہی میں حق والوں کا اور انکی عبادت گاہوں کا تحفظ ہے، (جہاد میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا پکا وعدہ ہے) (جہاد میں عبادت گاہوں کی حفاظت ہے)

آیت۔ ۴۱ آیت تمکین یعنی حضرات مہاجرین سے تمکین فی الارض کا وعدہ۔ اسلامی حکومت کا نقشہ۔ مجاہدین کے لیے اہم سبق۔

آیت۔ ۵۵ یَوۡمٍ عَقِيۡمٍ بے برکت دن، غزوہ بدر کا دن کافروں کے لیے بہت سخت دن تھا۔

آیت۔ ۵۸ تا ۵۹ اللہ تعالیٰ کی خاطر ہجرت اور جہاد میں نکلنے والے شہید ہوں یا طبعی موت مریں ہر حال میں کامیاب ہیں انہیں بہترین روزی اور عمدہ رہائش جنت کی نصیب ہوگی۔

آیت۔ ۶۰، ۶۱، ۶۲ مظلوم نے بدلہ لیا پھر اُس پر دوبارہ ظلم ہوا تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسکی مدد فرمائے گا، اللہ تعالیٰ قادر، غالب، برحق کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں۔

آیت۔ ۷۸ اللہ تعالیٰ کے راستے میں بھرپور جہاد کرو۔

اختتام ابتدائیہ و آغاز معارف آیات الجہاد

سُورَةُ الحَجِّ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ

یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں پھر جو منکر ہیں

لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ط یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾

ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کیے گئے ہیں اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔

یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾

جس سے جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے اور کھالیں جھلس دی جائیں گی۔ اور ان پر لوہے کے گرز پڑیں گے۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ق وَذُوْقُوْا

جب گھبرا کر وہاں سے نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور جلنے کا

عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

عذاب چکھتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ

باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہاں انہیں سونے کے کنگن اور

ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ط وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَی الطَّیِّبِ

موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ اور انہوں نے عمدہ بات کی راہ پائی

مِنَ الْقَوْلِ صلے ج وَهُدُوْٓا اِلٰی صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ﴿۲۴﴾

اور تعریف والے اللہ تعالیٰ کی راہ پائی۔

خلاصہ

دو فریق ہیں: ایک اہل ایمان کا اور دوسرا کافروں کا۔

ان دونوں میں اختلاف ہے اور اسی اختلاف کی وجہ سے آپس میں جنگ ہے قتل وقتال ہے اور جھگڑے ہیں...... دنیا میں اپنے اپنے دین کی خاطر لڑنے والوں کا آخرت میں انجام یہ ہوگا کہ کافروں کو جہنم میں ڈالا اور جلایا جائے گا، جہاں ان کے لیے طرح طرح کے سخت عذاب تیار ہیں اور ایمان والوں کو جنت اور اسکی نعمتیں نصیب ہونگی۔

ان آیات کا شان نزول

صحیح مسلم میں قیس بن عباد کی روایت ہے وہ کہتے ہیں:

سمعت اباذرّ یقسم قسمان إن ﴿هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِىۡ رَبِّهِمۡ﴾ انها نزلت فی الذین برزوا یوم بدر حمزةُ و علی وعبیدة بن الحارث رضی الله عنهم و عتبة و شیبة ابنا ربیعة والولید بن عتبة.

میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ یہ آیت (یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب کے بارے میں لڑے) غزوہ بدر کے ابتدائی مقابلے میں نکلنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہ حضرت علی حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم اور کافروں کی طرف سے عتبہ اور شیبہ اور ولید نکلے تھے۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اسی روایت پر امام مسلم نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا ہے (القرطبی)

”تفسیر ابن کثیر میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے دو ساتھیوں...... اور اُن کے مقابلے میں بدر کے دن جو کافر آئے تھے عتبہ اور اُس کے دو ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔(بخاری، مسلم)

صحیح بخاری میں ہے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قیامت کے دن میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حجت ثابت کرنے کے لیے گھٹنوں کے بل بیٹھوں گا۔ حضرت قیسؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بدر کے دن ایک دوسرے کے سامنے مقابلے کے لیے اُترے تھے۔ حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم اور شیبہ، عتبہ اور ولید (بخاری) (تفسیر ابن کثیرؒ)

فائدہ

تفسیر قرطبی اور تفسیر مظہری میں ان آیات کا یہ شان نزول دیگر کئی سندوں سے بھی بیان ہوا ہے اور امام قرطبیؒ نے اسی شان نزول کو ترجیح دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں والقول الاوّل اصح

یعنی پہلا قول کہ یہ آیت غزوہ بدر کے مبارزین کے بارے میں نازل ہوئی زیادہ صحیح ہے۔ (القرطبی)

نکتہ

سورۃ الحج آیت (۱۷) میں چھ فریق یا جماعتیں بیان کی گئیں: ❶ اہل ایمان ❷ یہودی ❸ نصاریٰ ❹ مجوس ❺ مشرکین ❻ صابئین

اب اس آیت (۱۹) میں ان چھ جماعتوں کو دو فریق قرار دیا گیا ❶ اہل ایمان ❷ کافروں کے تمام گروہ اور فرمایا گیا کہ ان دو فریقوں میں جھگڑا اور جنگ ہوتی ہے...... مسلمان اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑتے ہیں اور کافر اپنے باطل

ادیان کی خاطر لڑتے ہیں...... اِس عقیدے اور لڑائی پر اِن دونوں فریقوں کو کیا ملے گا تو پہلے کافروں کا انجام بتایا کہ ❶ انہیں آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے ❷ اُن کے سروں پر حمیم یعنی سخت کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس سے اُن کے پیٹ میں موجود سب کچھ نکل جائے گا اور اُنکی کھال جل جائے گی ❸ جب آگ کے شعلے اُن کو اوپر اُٹھائیں گے اور وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے تو لوہے کے گرز مار کر اُن کو واپس پھینک دیا جائے گا ❹ وہ ہمیشہ جلنے کا عذاب بھگتیں گے۔

جبکہ ایمان والے

❶ حسین وخوبصورت جنتوں میں ہونگے

❷ اُن کو سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے

❸ ان کا لباس ریشم کا ہوگا

❹ اُن کو دنیا میں کلمہ طیبہ، قرآن پاک اور دین اسلام نصیب ہوا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے شکر کی توفیق اور جنت نصیب ہوگی۔ اور فرشتوں کا سلام نصیب ہوگا (واللہ اعلم بالصواب)

آغاز معرکۂ بدر سے ہوا

ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

”یہ دونوں فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارہ میں جھگڑا کیا۔ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کیا اور باقی پانچ مذکورہ فرقوں نے یعنی یہود نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین نے دین اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور باہم (یعنی دونوں فریقوں کے درمیان آپس میں) جنگ وجدال اور قتل قتال کا سلسلہ شروع ہوا جس کا آغاز معرکۂ بدر سے ہوا۔ چنانچہ بدر کے میدان میں حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم، عتبہ اور شیبہ اور ولید کے مقابلہ پر نکلے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت دی اور کافروں کو ذلیل کیا“۔ (معارف کاندھلویؒ)

عمومی تفسیر

ان آیات کے شان نزول میں دیگر کئی اقوال بھی ہیں ملاحظہ فرمائیے القرطبی، تفسیر کبیر اور روح المعانی وغیرہ۔

اور امام مجاہدؒ کا قول عموم پر مشتمل ہے اسی قول کے مطابق ملاحظہ فرمائیے یہ دو عبارتیں

❶ ”یعنی پہلے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ الی آخرہ میں جن فرقوں کا ذکر ہوا ان سب کو حق و باطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق کہہ سکتے ہیں ایک مؤمنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من وعن تسلیم کرتا اور اس کے احکام کے آگے سربسجود رہتا ہے، دوسرے کفار کا مجمع جس میں یہود، نصاریٰ، مجوس، مشرکین، صابئین وغیرہ سب شامل ہیں جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کے لیے سر نہیں جھکاتے یہ دونوں فریق دعاوی (یعنی دعووں) میں بحث ومناظرہ میں اور جہاد وقتال کے مواقع میں بھی ایک دوسرے کے

مدمقابل رہتے ہیں جب کہ بدر کے میدان مبارزہ میں حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم تین کافروں عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کے مقابلہ پر نکلے تھے آگے (آیتوں میں) دونوں فریق کا انجام بتلاتے ہیں"۔ (عثمانی)

❷ سبب نزول خواہ انہیں دو جماعتوں کا مقابلہ ہو جن کا ذکر اوپر گذرا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا لیکن آیت کا عموم یہ بتا رہا ہے کہ اہل ایمان اور اہل کفر کی دونوں جماعتیں آپس میں اپنے اپنے دین وملت کے لیے لڑ رہی ہیں بدر کا مذکورہ واقعہ بھی اسی دینی دشمنی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے"۔ (انوار البیان)

نکتہ

پس یہ بشارت اُن تمام مجاہدین کے لیے ہے جو قیامت تک کافروں کے کسی بھی گروہ سے دین کی خاطر لڑیں گے، اللہ پاک جہاد کی مشقتوں کے بدلے اُنہیں جنت عطاء فرمائے گا، انہوں نے ہاتھ میں مؤمن کا زیور یعنی اسلحہ اٹھایا تھا اللہ پاک اُنہیں جنت کے زیور پہنائے گا، انہوں نے اپنے جسموں کو جہاد میں گردآلود کیا تھا اللہ تعالیٰ اُن کو ریشم کا لباس پہنائے گا۔ دنیا میں اُن کو سخت باتیں سننا پڑی تھیں اللہ پاک آخرت میں اُن کو فرشتوں کا سلام سلام سنائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

فائدہ

حضرات مفسرین نے ان آیات کے ذیل میں جہنم، اُس کے لباس، حمیم، مقامع یعنی جہنم کے ہتھوڑے اور جہنم کے دیگر عذابوں پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے نیز جنت کی نعمتوں وہاں کے زیورات اور کنگنوں، ریشم کے لباس پر بھی روایات لائی ہیں، اور اس مسئلے پر بھی بحث فرمائی ہے کہ مسلمان مردوں کے لیے دنیا میں ریشم اور سونے کا استعمال ممنوع ہے، اور اَلطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ اور صِرَاطِ الْحَمِيْدِ پر بھی کئی اقوال ذکر فرمائے ہیں شائقین طلبہ قرطبی، ابن کثیر، روح المعانی وغیرہ میں ملاحظہ کرلیں۔

اَلطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ

"دنیا میں بھی لا الہ الا اللہ کہا، قرآن پڑھا اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا اور آخرت میں بھی فرشتے ہر طرف سے سلام کریں گے اور جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ستھری باتیں کرتے ہونگے، بک بک جھک جھک نہ ہوگی اور نعمائے جنت پر شکر خداوندی بجالائیں گے، مثلاً کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ (زمر ۷۴) سورۂ فاطر میں ہے يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ○ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ :الآية اس سے آیت حاضرہ کی تفسیر ہوتی ہے۔ نبہ علیہ فی الروح" صِرَاطِ الْحَمِيْدِ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ پائی جس کا نام اسلام ہے یہ راہ خود بھی حمید ہے اور راہ والا بھی حمید ہے۔ یا راہ پائی اُس جگہ کی جہاں پہنچ کر آدمی کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے"۔ (عثمانی)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّة آیت ۳۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے دشمنوں کو ہٹا دے گا اللہ تعالیٰ کسی دغا باز ناشکر گزار کو پسند نہیں کرتا۔

خلاصہ

1. اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وعدہ
2. جہاد کی اجازت ملنے کا وعدہ
3. اسلام کے غلبے اور مکہ مکرمہ فتح ہونے کی بشارت
4. خیانت اور ناشکری شکست اور ذلت کے اسباب ہیں۔
5. جہاد میں مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت زوردار ہوگی، بار بار ہوگی

ربط

1. کئی مفسرین کے نزدیک اس آیت مبارکہ کا تعلق آیت **۲۵** سے ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ یہ کافر لوگ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں اس میں صلح حدیبیہ کے واقعہ کی طرف اشارہ تھا اُس آیت کے بعد حج اور قربانی کے بعض احکامات کا ذکر ہوا اور پھر اس آیت میں وعدہ فرمایا گیا کہ اللہ پاک عنقریب ایمان والوں کی ایسی نصرت فرمائے گا کہ انہیں کعبہ شریف سے روکنے والے کفار کی طاقت ٹوٹ جائے گی یہ نصرت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے ہوگی اور مسلمان حرم شریف کو کفار و مشرکین سے آزاد کرالیں گے اور اس میں امن و امان سے آیا جایا کریں گے۔

امام ابوحیان لکھتے ہیں:

ومناسبة هذه الآية لما قبلها: انه تعالىٰ لما ذكر جملة مما يفعل فى الحج وكان المشركون صدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الحديبية و آذوامن بمكة من المؤمنين انزل الله تعالىٰ هذه آلايات: مبشرة المؤمنين بدفعه تعالىٰ عنهم ومشيرة الى نصرهم، واذنه لهم فى القتال وتمكينهم فى الارض بردهم الى ديار هم وفتح مكة.

یعنی اس آیت کا ماقبل سے تعلق یہ ہے کہ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حج کے کئی افعال بیان فرمائے جبکہ

مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ والے سال حرم شریف سے روک دیا تھا اور مکہ میں موجود مسلمانوں کو ایذائیں پہنچائی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جو بشارت دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے اُن کے دشمنوں کو دور فرمائے گا اور یہ آیات اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو غلبہ دے گا اور انہیں قتال کی اجازت ملے گی اور انہیں زمین پر حکومت ملے گی اور مکہ مکرمہ فتح ہوگا۔ (البحر المحیط)

اسلام کے غلبے کی بشارت

"آغازِ کلام اس آیت سے ہوا تھا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الحج ۲۵)

یعنی کفارِ قریش مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اب آخر میں اہل اسلام کو تسلی فرماتے ہیں کہ تم ان احکام مذکورہ کو سن کر یہ خیال نہ کرنا کہ ہمیشہ غلبہ انہی کفار مانعین (حرم سے روکنے والوں) کا رہے گا عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ مسلمان بے خوف و خطر حج و عمرہ کیا کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مسلمانوں کے راستے سے ہٹا دے گا اے مسلمانو! تم فی الحال کافروں کے غلبہ سے یہ نہ سمجھنا کہ یہ کفار اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور معتوب ہیں، کیونکہ سر تا پا کفر اور خیانت ہیں ایسے (لوگ) کیسے محبوب ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر ان کو مہلت دے رکھی ہے گھبراؤ نہیں عنقریب راستہ بالکل صاف ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اہل اسلام کی مدد کرے گا اور اُن کو کافروں پر غلبہ عطاء فرمائے گا جیسا کہ اس کا وعدہ ہے إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا (مومن ۵۱) پس یہ آیت غلبہ اسلام کی بشارت ہے اور گزشتہ آیت وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ کا تتمہ اور تکملہ ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم"۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

اس آیت میں جہاد کی اجازت کا وعدہ ہے

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

اس نصرت کا طریق آیت آئندہ میں مذکور ہے (بیان القرآن)

یعنی اس آیت میں جس نصرت کا وعدہ ہے اُس کا طریقہ اگلی آیت میں مذکور ہے اور اگلی آیت میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس آیت میں "حدیبیہ" کی طرف اشارہ ہے اور حدیبیہ کا واقعہ تو ۶ ھ میں ہوا جبکہ جہاد کو فرض ہوئے کئی سال ہو چکے تھے اور مسلمان کئی غزوات بھی لڑ چکے تھے تو پھر اس آیت میں جہاد کی اجازت ملنے کی طرف اشارہ کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب اگلی آیت کی تقریر میں حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں بیان کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آیت مبارکہ کی ایک اور تقریر

بعض مفسرین حضرات اس آیت کو ”مکی“ مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں جب مشرکین نے مسلمانوں کو بہت ستایا تو بعض مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ وہ حیلے اور تدبیر سے مشرکین کو قتل کرنا شروع کر دیں تب یہ آیت نازل ہوئی اور دھوکہ دے کر قتل کرنے سے منع کیا گیا اور اشارہ دیا گیا کہ عنقریب جہاد کا حکم نازل ہونے والا ہے۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

رُوی انہا نزلت بسبب المؤمنین لما کثروا بمکۃ و آذاھم الکفار و ھاجر من ھاجر الی ارض الحبشۃ واراد بعض مؤمنی مکۃ ان یقتل من امکنہ من الکفار ویغتال و یغدر ویحتال، فنزلت ھذہ الآیۃ الی قولہ "کَفُوْرٍ" فوعد فیھا سبحانہ بالمدافعۃ ونھی افصح نھی عن الخیانۃ والغدر (القرطبی)

زوردار نصرت یا بار بار نصرت

یُدٰفِعُ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے کافروں کے شر اور نقصان کو دور فرما دے گا۔ یُدٰفِعُ کے لفظ میں مبالغہ بھی ہے اور تکرار بھی ہے یعنی اللہ پاک خوب زوردار نصرت فرمائے گا اور بار بار نصرت فرمائے گا۔

وصیغۃ المفاعلۃ اما للمبالغۃ أو للدلالۃ علی تکرر الدفع...... ای ان اللہ تعالیٰ یبالغ فی دفع غائلۃ المشرکین و ضررھم الذی من جملۃ الصد عن سبیل اللہ تعالیٰ والمسجد الحرام مبالغۃ من یغالب فیہ أو یدفعھا عنھم مرۃ بعد أخریٰ حسبمایتجدد منھم القصد الی الاضرار بھم کمافی قولہ تعالیٰ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (المائدہ ۶۴) (روح المعانی)

خیانت اور ناشکری شکست کے اسباب ہیں

آخر میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ : بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ جملہ پچھلی بات کی علت اور سبب ہے کہ چونکہ مشرک اور کافر بڑے خائن اور سخت ناشکرے ہیں اس لیے اللہ پاک اُن کو مغلوب کر دے گا اور اُن پر مسلمانوں کو غلبہ دے دے گا۔

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

ثم علّل ذلک بقولہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ فی امانۃ اللہ کفور لنعمۃ اللہ ای لانہ لا یحب اضدادھم و ھم الخونۃ الکفرۃ الذین یخونون اللہ والرسول ویخونون اماناتھم ویکفرون نعم اللہ ویغمطونھا۔ (المدارک)

انوار البیان میں ہے:

ہر کافر اور مشرک خیانت کرنے والا ہے اس کے ذمہ ہے کہ اپنے خالق و مالک وحدہٗ لاشریک لہ کی عبادت کرے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو مانے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا لہٰذا وہ بڑا خائن ہے اس لیے لفظ ''خَوَّانٍ'' مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے اور ہر کافر کَفُوْرٍ یعنی ناشکرا بھی ہے پیدا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور عبادت کرتا ہے غیر اللہ کی، اور ان دینوں کو اختیار کرتا ہے جنہیں لوگوں نے خود تراشا ہے یہ خالق جل مجدہ کی بہت بڑی ناشکری ہے کہ نعمتیں اس کی کھا کر اسی کے دین سے منحرف ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت نہیں فرماتا مشرک اور کافر سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں آخر یہ لوگ مغلوب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے مؤمن بندے ہی کامیاب ہوں گے۔ (انوار البیان)

کلامِ برکت

حضرت شاہ صاحبؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جہاد کی اجازت ملنے کی بشارت ہے ملاحظہ فرمائیے اُنکی جامع عبارت:

جب تک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں رہے حکم تھا کہ مسلمان صبر کریں کافروں کی بدی پر صبر کیا۔ جب مدینے میں آئے حکم ہوا کہ جو تم سے بدی کرتے ہیں تم بھی بدلا لو تب جہاد شروع ہوا اگلی آیت میں (اس کا) حکم ہے (موضح قرآن)

قرآن پاک کی حقانیت

یہ آیت اُس وقت نازل ہو رہی تھی جب مکہ مکرمہ پر مشرکوں کا مکمل قبضہ تھا اور دور دور تک اس بات کا امکان نہیں تھا کہ مسلمان اس کو آزاد کرا سکیں گے اور وہ کافروں کے نقصان اور شر سے بالکل محفوظ اور مامون ہو کر وہاں آیا جایا کریں گے۔ بے شک قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو سخت اندھیروں میں روشنی کا وعدہ کر رہا ہے اور یہ وعدہ پورا ہوا اور ساری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تفسیر ماجدی میں ہے:

''آیت کا زمانہ نزول وہ ہے جب مکہ کی مشرک ریاست ہر طرح غالب و چیرہ دست تھی اور مسلمان اقلیت اس کے مقابلہ میں ہر طرح کمزور اور بے بس''۔ (ماجدی)

جہاد میں دفاع ہے

اُس زمانے میں مسلمان کافروں کے ظلم و ستم کا شکار تھے تو یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا : بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے دور کر دے گا مشرکوں کے غلبہ اور اقتدار کو۔ اس کے فوراً بعد جہاد کا حکم دے کر سمجھایا کہ کافروں کے غلبے کو ختم کرنے اور اُن کے شر سے بچنے کا طریقہ جہاد ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت نازل ہوتی ہے۔ پس آج کے مسلمان بھی اس آیت پر عمل کر کے وہی فائدہ اُٹھائیں جو پہلے زمانے کے مسلمانوں نے اٹھایا قرآن پاک تو زندہ کتاب ہے اس کے بتائے ہوئے نسخے قیامت تک کے لیے کارگر ہیں آج بھی مسلمان کافروں کے غلبے، شر اور اقتدار کے سامنے مظلوم ہیں یہ اور اس کے بعد والی آیات انہیں آزادی کا طریقہ بتا رہی ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

جن سے کافر لڑتے ہیں انہیں بھی لڑنے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بیشک اللہ تعالیٰ

نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾

ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

خلاصہ

❶ مسلمانوں کو کفار سے جہاد کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

❷ مسلمان اپنی کمزوری اور قلت پر نظر نہ کریں اللہ تعالیٰ اُنکی مدد پر قادر ہے وہ اُنکی نصرت فرمائے گا۔

❸ جہاد کی ایک حکمت یہ ہے کہ اس میں ظلم کا توڑ اور مظلوم کی حفاظت ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ پر سب سے پہلی آیت

حضرات مفسرین میں سے اکثر کے نزدیک یہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے بارے میں نازل ہونے والی سب سے پہلی آیت ہے، اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں ستّر سے کچھ زائد آیات میں جہاد سے منع کیا گیا تھا اور مسلمانوں کے لیے یہی حکم تھا کہ وہ صبر سے کام لیں......اس آیت مبارکہ میں چار مضامین بہت اہم ہیں جنھیں مفسرین نے ذکر فرمایا ہے

❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے دی گئی۔

❷ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ''مکّی'' ہے جو ہجرت سے کچھ پہلے نازل ہوئی حضرات صحابہ کرامؓ جب ہجرت کر رہے تھے تو مشرکین اُن کو روکتے اور ستاتے تھے تب اُن کو اجازت دے دی گئی کہ وہ ہجرت سے روکنے والوں کے خلاف لڑیں اور ہجرت کے راستے کی رکاوٹ کو ''قتال'' کے ذریعہ دور کریں۔

❸ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ کہ اللہ تعالیٰ اُنکی نصرت پر قادر ہے اس میں ایک تفسیر یہ ہے کہ مسلمان اپنی کمزوری اور قلت پر نظر نہ کریں۔ جس اللہ تعالیٰ نے اُن کو جہاد کا حکم دیا ہے وہی اُنکی نصرت بھی فرمائے گا یعنی نصرت اور غلبے کا وعدہ ہے۔

❹ دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بغیر جہاد کے بھی اُنکی نصرت پر قادر ہے مگر وہ چاہتا ہے کہ اُس کے مخلص بندے اُس کے راستے میں جان و مال سے جہاد کریں اور وہ اُنکی نصرت فرمائے۔ پس جہاد اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل ہے اور وہ اس کے ذریعے سے اپنے بندوں کو بہت سی نعمتوں سے نوازتا ہے۔

یہ چار مضامین ذہن میں رہیں تو اس آیت مبارکہ پر حضرات مفسرین کی عبارات سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا اب ملاحظہ فرمائیے چند عبارات۔ سب سے پہلے امام ابن کثیرؒ کی تقریر جنہوں نے اس آیت پر جامع کلام فرمایا ہے۔

تقریر ابن کثیرؒ

قال العوفی عن ابن عباس: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی جب اُن کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا گیا۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، مقاتل بن حیان اور قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں ھذہ اوّل آیۃ نزلت فی الجھاد: یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی اور اسی آیت سے اس سورۃ کے مدنی ہونے کو ثابت کیا ہے۔ ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون انہوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے یہ ضرور ہلاک ہوں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں سمجھ گیا کہ اب ضرور جنگ ہوگی۔

ترمذی اور نسائی کی روایت میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا گیا ہے وھی اول آیۃ نزلت فی القتال کہ یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (اور اللہ تعالیٰ اُنکی مدد پر قادر ہے) یعنی وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے ایمان والے بندوں کی بغیر قتال کے بھی نصرت فرمائے مگر وہ چاہتا ہے کہ اُس کے بندے اُس کی فرمانبرداری میں اپنی پوری محنت صرف کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (ترجمہ) پس جب تم اُن کے مقابل ہو جو کافر ہیں تو اُنکی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب تم اُن کی خوب خونریزی کر چکو تو اُنکی مشکیں کس لو (یعنی اُن کو باندھ دو) پھر یا تو اس کے بعد احسان کر دیا تاوان لے لو یہاں تک کے لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے یہی (حکم) ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اُن سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال برباد نہیں کرے گا جلدی اُنہیں راہ دکھائے گا اور اُن کا حال درست کردے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی حقیقت انہیں بتا دی ہے (محمد ۴ تا ۶) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ترجمہ) اِن سے لڑو تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے اور انہیں ذلیل کرے اور تمہیں ان پر غلبہ دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے اور اُن کے دلوں سے غصہ دور کرے اور اللہ جسے چاہے توبہ نصیب کرے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے (التوبہ ۱۴، ۱۵) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جدا ہی نہیں کیا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی کو ولی، دوست نہیں بنایا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے (التوبہ ۱۶) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے

(ترجمہ) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تک اللہ تعالیٰ نے نہیں ظاہر کیا ان لوگوں کو جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور ابھی تک صبر کرنے والوں کو بھی ظاہر نہیں کیا (ال عمران ۱۴۲) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور ہم تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو معلوم کر لیں اور تمہارے حالات جانچ لیں (محمد ۳۱) اس موضوع پر آیات بہت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُس کے ایمان والے بندے جہاد کریں اور اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا یعنی اُنکی نصرت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے جہاد ایسے وقت پر شروع فرمایا جو جہاد کے لیے بہترین وقت تھا۔ اگر مکہ مکرمہ میں جہاد کا حکم دیا جاتا تو مشرکین کی تعداد بہت زیادہ اور مسلمان بہت تھوڑے تھے (دس مشرکوں کے مقابلے میں ایک مسلمان بھی نہیں تھا) ان حالات میں یہ حکم کافی مشکل پڑتا۔ لیلۃ العقبہ میں جب اسّی سے زائد انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو عرض کیا کہ ہم منیٰ میں موجود مشرکوں پر حملہ نہ کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ابھی (قتال) کا حکم نہیں دیا گیا پھر جب مشرکوں کی سرکشی حد سے بڑھ گئی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا، آپ کے صحابہ کرام کو بکھیر دیا کچھ حبشہ چلے گئے اور کچھ مدینہ منورہ۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ منورہ میں اکٹھے ہوئے اور جم گئے اور اُن کو ایک دارالاسلام اور پناہ مل گئی تو اللہ پاک نے اُن کے لیے جہاد کو شروع فرمایا اور اس کے بارے میں یہ پہلی آیت نازل فرمائی أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (ابن کثیر)

تفسیر نسفی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو جہاد کی اجازت دے دی گئی اس سبب سے کہ وہ مظلوم تھے، مشرکین مکہ اُن کو سخت ایذائیں پہنچاتے تھے صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ماریں کھا کر اور زخمی ہو کر آتے اور ان مظالم کی شکایت کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے صبر کرو، مجھے قتال کی اجازت نہیں ہے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وهى اول آية أذن فيها بالقتال بعد مانهى عنه فى نيف وسبعين آية: اور یہ پہلی آیت ہے جس میں قتال کی اجازت دی گئی یہ اُن ستر سے زائد آیات کے بعد نازل ہوئی جن میں قتال سے روکا گیا تھا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی نصرت پر قادر ہے یہ مسلمانوں کے لیے نصرت اور غلبے کی بشارت ہے اور یہ اس آیت کی طرح ہے إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (المدارک)

امام رازیؒ اور امام ابوحیان نے بھی یہی عبارت نقل کی ہے۔

اس آیت کا پچھلی آیت کے ساتھ ربط

پچھلی آیت میں جس نصرت کا وعدہ تھا یہ اُس کی تفصیل ہے کہ وہ نصرت یہ ہے کہ اللہ پاک نے مسلمانوں کو جہاد

کی اجازت دے دی ہے جس کے ذریعے سے وہ کفار پر غالب ہوں گے اور مکہ مکرمہ بھی آزاد ہوگا۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

اُوپر (یعنی پچھلی آیت میں) نصرت مؤمنین کا وعدہ تھا آگے (یعنی اس آیت سے) اس نصرت کے طریق (یعنی طریقے) کا بیان ہے، جس میں جہاد کی اجازت اور اُس پر نصرت کا وعدہ مذکور ہے اور ہر چند کہ آیت آئندہ (یعنی اجازت قتال والی آیت) واقعہ حدیبیہ سے مقدم ہے کیونکہ یہ آیت جہاد کی آیات میں سب سے اوّل ہے کما رواہ الحاکم فی المستدرک عن ابن عباسؓ کذافی الروح اور واقعہ حدیبیہ بعد چند غزوات کے ہوا ہے لیکن تلاوت کی ترتیب میں جو کہ توقیفی ہے اس آیت کا یہاں ہونا ارتباط مذکور کو مقتضی ہے، تقریر ارتباط کی یہ ہوگی کہ اُس نصرت کا طریق یہ ہے کہ اذن بالجهاد ہو ہی چکا ہے جس پہ نصرت موجود ہے پس جب اُس کا وقت آوے گا اُسی جہاد سے تم اُن پر غالب آجاؤ گے (بیان القرآن)

خلاصہ یہی ہے کہ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کفار کے شر اور نقصان کو دور فرمادے گا تو اس آیت میں اس کا طریقہ بیان فرمادیا کہ ایسا جہاد کے ذریعہ سے ہوگا کہ مسلمان جہاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس جہاد میں اُنکی نصرت فرمائے گا تو کفار مغلوب ہوجائیں گے اور اسلام اور مسلمان غالب آجائیں گے۔

یہ آیت مکّی ہے، ایک تفسیری قول

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

وقیل: نزلت فی قوم خرجوا مهاجرین فاعترضهم مشرکو مکّة فاذن لهم فی مقاتلتهم

یعنی ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اُن حضرات کے بارے میں نازل ہوئی جو مکّہ سے ہجرت کرنے کے لیے نکلے مشرکین نے اُن کو روکا تب انہیں اِن مشرکین سے لڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ (البحرالمحیط)

تفسیر مظہری میں ہے:

بغوی نے مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت اُن خاص لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو جانے کے خیال سے نکلے تھے اور کافر اُن کے راستے میں رکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو کافروں اور رکاوٹ پیدا کرنے والوں سے لڑنے کی اجازت دے دی (مظہری)

تفسیر ماجدی میں ہے:

یہ آیت احکام قتال وجہاد میں اوّلین آیت ہے اور...... ہجرت نبوی سے کچھ ہی قبل نازل ہوئی (ماجدی)

حضرات مفسرین کے اس قول کے مطابق جہاد کی اجازت کا ہجرت سے پہلے نازل ہونا ثابت ہوگا۔ بہر حال پہلا قول زیادہ مضبوط ہے (واللہ اعلم بالصواب)

اجازتِ جہاد کی پہلی آیت کونسی؟

اجازت جہاد کی پہلی آیت کونسی ہے؟ علامہ آلوسیؒ نے اس بارے میں تین قول نقل فرمائے ہیں:

❶ یہی سورۃ الحج کی آیت (۳۹) (جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے) ❷ ابن جریرؒ نے حضرت ابوالعالیہ سے نقل کیا ہے کہ جہاد کی پہلی آیت سورۃ البقرۃ کی آیت (۱۹۰) ہے وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ❸ حاکم نے ''الاکلیل'' میں نقل کیا ہے کہ جہاد کی سب سے پہلی آیت سورۃ التوبہ کی آیت (۱۱۱) اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ ہے۔ (روح المعانی)

پہلا قول راجح اور مضبوط ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صرف اجازت نہیں حکم

''جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے حکم تھا کہ کفار کی سختیوں پر مسلمان صبر کریں اور ہاتھ روکے رکھیں چنانچہ انہوں نے کامل تیرہ سال تک سخت زہرہ گداز مظالم کے مقابلہ میں بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا جب مدینہ ''دارالاسلام'' بن گیا اور مسلمانوں کی قلیل سی جمعیت ایک مستقل مرکز پر جمع ہوگئی تو مظلوم مسلمانوں کو جن سے کفار برابر لڑتے رہتے تھے اجازت ہوئی بلکہ حکم ہوا کہ ظالموں کے مقابلہ پر تلوار اٹھائیں اور اپنی جماعت اور مذہب کی حفاظت کریں اس قسم کی کئی آیتیں اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہیں وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ یعنی اپنی قلت و بے سروسامانی سے نہ گھبرائیں اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کرسکتا ہے فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کی نصرت و امداد کا وعدہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ آیت ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا

وہ لوگ جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے صرف اس کہنے پر

رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ

کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو

صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ

تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نام کثرت سے

كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی مدد کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ زبردست غالب ہے۔

خلاصہ

❶ جن کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے اور سوائے توحید کے اُن کا اور کوئی جرم نہیں تھا۔

❷ جہاد و قتال کی ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ ہر زمانے میں جہاد اللہ تعالیٰ کے سچے دین اور اُس دین کی عبادتگاہوں کا محافظ رہا ہے، اور اس دین اسلام اور اسکی مساجد کا محافظ بھی جہاد ہے۔

❸ جو بھی اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے جہاد میں نکلے گا اللہ تعالیٰ اُسکی ضرور نصرت فرمائے گا

❹ اللہ تعالیٰ قوی ہے، غلبے والا ہے۔

اگر جہاد نہ ہوتا تو حق ہر زمانے میں مغلوب رہتا

امام قرطبیؒ اس آیت کا خلاصہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

لولا القتال والجهاد لتغلّب على الحق في كل أمة

یعنی اگر قتال و جہاد نہ ہوتا تو ہر اُمت میں حق مغلوب ہو جاتا۔ آگے فرماتے ہیں عیسائیوں اور صابئوں میں سے جن لوگوں نے جہاد کو بے فائدہ سمجھا ہے وہ اپنے مذہب کے خلاف بات کرتے ہیں کیونکہ اگر جہاد کے ذریعے دین کا دفاع نہ ہو تو پھر دین ہی باقی نہ رہے۔

فمن استبشع من النصارىٰ والصّابئين الجهاد فهو مناقض لمذهبه اذلولا القتال لمابقى الدين الذى يذبّ عنه (القرطبی)

جہاد ہی سے شریعت جمتی ہے

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

اگر اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام اور ایمان والوں کو جہاد کا حکم نہ فرماتا تو اہل شرک غالب آ جاتے اور اُن عبادتگاہوں کو تباہ کر دیتے جو اہل توحید نے قائم کی تھیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کو اس کام سے روک دیا اور اسطرح کہ اُس نے جہاد کو فرض فرمایا تا کہ اہل توحید با آسانی عبادت کر سکیں پس جہاد کا حکم پہلی امتوں میں بھی تھا اور اسی کے ذریعے سے تمام سچی شریعتوں کا فائدہ عام ہوا (کیونکہ جہاد رکاوٹوں کو دور کرتا ہے) اور عبادتگاہیں مضبوط رہیں۔

لولا ماشرعه الله تعالیٰ للانبياء والمؤمنين من قتل الاعداء لاستولی اهل الشرك وعطّلوا ما بيّنته ارباب الديانات من مواضع العبادات ولكنه دفع بأن اوجب القتال ليتفرّغ اهل الدين للعبادة فالجهاد امر متقدم فی الامم وبه صلحت الشرائع واجتمعت المتعبدات (القرطبی)

آیت مبارکہ کی آسان تفسیر

”مشرکین مکہ نے جو اہل اسلام سے دشمنی کی اور اُن کو تکلیفیں دیں اور مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے تھے، دین توحید قبول کر لیا تھا، کسی کا بگاڑا کچھ نہیں تھا، کسی قسم کا جرم نہیں کیا تھا، کافروں کے نزدیک اُن کا صرف یہ جُرم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہو گئے اسی کو فرمایا اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (اور آگے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ فرما کر) اس میں جہاد اور قتال کی حکمت بیان فرمائی اور یہ بتایا کہ قتال اور جہاد صرف اسی اُمت کے لیے مشروع اور مامور نہیں ہے اس اُمت سے پہلے جو مسلمان تھے ان کے لیے بھی قتال مشروع تھا، بات یہ ہے کہ کفر اور اسلام کی ہمیشہ دشمنی رہی ہے اسی وجہ سے کافروں اور مؤمنوں میں لڑائیاں ہوتی رہی ہیں اپنے اپنے زمانہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں نے کافروں سے جنگ کی ہے اور اسی کے ذریعہ کافروں کا زور توڑا ہے، اللہ جل شانہ کی یہ عادت رہی ہے کہ ایک جماعت کے ذریعہ دوسری جماعت کو دفع فرمایا ہے، اگر یہ صورتحال نہ ہوتی تو کفار اہل ایمان کی عبادتگاہوں کو گرا کر ختم کر دیتے یہود نے (جو اپنے زمانے میں مسلمان تھے) دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اپنی عبادتگاہوں کو بچایا پھر نصاریٰ کا دور آیا (جو اپنے زمانے کے مسلمان تھے) انہوں نے بھی کافروں سے جنگ کی اور اپنے عبادت خانوں کی حفاظت کی، وہ دونوں قومیں اب بھی ہیں لیکن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہیں، اب اُمت محمدیہ ہی مسلمان ہے اور تمام کافروں سے (جن میں یہود ونصاریٰ بھی داخل ہیں) مسلمانوں کی جنگ ہے اگر مسلمان جنگ نہ کریں تو ان کی مساجد گرا دی جائیں گی جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے، کافروں کو یہ کہاں گوارا ہے کہ مسلمان اذانیں دیں اور مسجدیں بنائیں اور اُن میں

جماعت سے نمازیں پڑھیں (یہ تمام کفار) مسلمانوں کے جہاد سے ڈرتے رہتے ہیں اس لیے دنیا جہان (یعنی دنیا بھر) میں (آج بھی) مسجدیں قائم ہیں اور پورے عالم میں برابر انکی تعداد بڑھ رہی ہے“۔ (انوار البیان)

مشروعیت جہاد کی دوسری حکمت

پچھلی آیت میں مشروعیت جہاد کا ایک سبب بیان ہوا تھا کہ جہاد ظالموں کے ظلم کو توڑنے اور مظلوموں کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ حضرت کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد کی اجازت اس لیے دی گئی کہ یہ لوگ مظلوم ہیں اور مظلوم کو ظالم کے ظلم کا مقابلہ تمام مذاہب میں نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب اور لازم ہے، اور حق کو باطل کی سرکوبی کا ہر وقت حق حاصل ہے حتی کہ اگر حق مصلحت سمجھے قبل اس کے کہ باطل سر اٹھائے۔ سر اٹھانے سے پہلے ہی اس کا سر کچل دیا جائے تو یہ بھی عین حق ہے اور کمال تدبر و دانائی ہے اور انتظار میں رہنا کہ جب باطل مجھ پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کروں گا تو یہ کم عقلی ہے، اور مسلمان چونکہ بے سروسامان تھے اور تعداد میں بھی بہت قلیل تھے اس لیے ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم جہاد و قتال کی اجازت سے گھبرانا نہیں وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر قادر ہے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

اب اس آیت میں جہاد کی ایک اور حکمت اور حکم جہاد کے نازل ہونے کا ایک اور سبب بیان فرمایا ہے کہ اس میں دین کا اور عبادتگاہوں کا تحفظ ہے، ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت جہاد کا دوسرا سبب بیان فرمایا یعنی جس طرح مظلوم کے لیے ظالم کے ظلم کی مدافعت اجازت جہاد کا سبب بنی اسی طرح اجازت جہاد کا ایک سبب ایک دینی مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس امر کی مقتضی ہے (یعنی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے) کہ ہر زمانہ میں دین حق انبیاء کرام اور اُن کے نائبوں کے ہاتھ غالب ہوتا رہے، اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو تمام کارخانہ ملّت و مذہب درہم برہم ہو جاتا حتی کہ ہر مذہب کے عبادت خانے اور درویشوں کے خلوت خانے ویران ہو جاتے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرۃ ۲۵۱)۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

جہاد اقامت توحید کا ذریعہ ہے

”یعنی اگر یہ ”سنت اللہ“ ہمیشہ سے نہ چلی آئی ہوتی کہ ظالموں، سرکشوں، زبردستوں کا زور، انسانوں ہی کے بعض گروہوں کے ہاتھ سے تڑوا دیا جاتا رہتا تو اب تک جو جو عمارتیں توحید کی مرکز رہی ہیں مثلاً مسجدیں جو اب بھی اسی غرض کے لیے ہیں اور اہل کتاب کی مذہبی عمارتیں، جو اپنے اپنے زمانہ میں یہ کام انجام دے چکی ہیں، سب ختم ہو گئی ہوتیں۔ گویا جہاد کی مشروعیت و مطلوبیت ”اقامت توحید“ ہی کی خاطر ہے“۔ (تفسیر ماجدی)

جو دین کی خاطر جہاد کرے گا اُس کے ساتھ نصرت کا وعدہ ہے

وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ: اور اللہ تعالیٰ ضرور اُس کی مدد کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی مدد کرے گا۔

❶ امام رازیؒ لکھتے ہیں: بعض مفسرین کے نزدیک اس جملے کا مطلب یہ ہے من ینصره بتلقی الجهاد بالقبول نصرة لدين الله تعالىٰ یعنی جو جہاد کے حکم کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے جہاد میں نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کی ضرور مدد کرے گا۔ (تفسیر کبیر)

❷ اس جملے میں ''نصرت کی شرط'' بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسی کی نصرت فرمائے گا جس کی نیت خالص ہوگی اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے اور حفاظت کے لیے میدان میں اترے گا۔ ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

''آگے اخلاص فی الجہاد پر غلبہ کی بشارت ہے (ارشاد فرمایا) اور بے شک اللہ تعالیٰ اُسکی مدد کرے گا جو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرے گا یعنی اُس کے لڑنے میں خالص نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی ہو''۔ (بیان القرآن)

❸ اس جملے میں مسلمانوں کے غلبے کا وعدہ ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی (یعنی اُس کے دین کی) مدد کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غلبہ والا ہے یعنی اُن کو فتح یاب کرنے کی قوت رکھتا ہے اور ایسا غالب ہے کہ اُس کے غلبہ کو روکا نہیں جا سکتا، یہ سابق وعدہ کی تاکید ہے۔

صوامع، بیع، صلوات

ان تین الفاظ پر حضرات مفسرین نے تفصیل سے لکھا ہے، سب سے مضبوط قول یہی ہے کہ صوامع سے مراد عیسائی راہبوں کی خانقاہیں اور کوٹھڑے بیع سے مراد عیسائیوں کے گرجے اور صلوٰت سے مراد یہودیوں کے عبادت خانے ہیں۔ صوامع للرهبان وبيع كنائس للنصارىٰ وصلوٰت كنائس لليهود بالعبرانية (جلالین)

دو شبہات

❶ آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جہاد دین کے غلبے کے لیے شروع ہوا ہے اگر جہاد نہ ہوتا تو اہل حق مغلوب ہو جاتے اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ماضی میں کئی بار اہل حق مغلوب ہوئے ہیں اس کا جواب حضرت تھانویؒ یوں دیتے ہیں۔

کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ گاہ گاہ اہل حق بھی مغلوب ہوتے ہیں، اصل یہ ہے کہ اتنا غلبہ جس میں حق محو نہ ہو جائے (یعنی بالکل مٹ نہ جائے) مقصود بالحکمت ہے، سو یہ حاصل رہا ہے (یعنی جہاد کی برکت سے حق کو بالکل نہیں مٹایا جا سکا)

❷ آیت مبارکہ میں وعدہ ہے کہ جو بھی اخلاص کے ساتھ جہاد میں نکلے گا اللہ تعالیٰ اُسکی مدد فرمائے گا اُس کو غلبہ دے گا جب کہ بعض اوقات مجاہد مغلوب ہو جاتا ہے اس کا جواب حضرت تھانویؒ یوں دیتے ہیں

''یعنی بہ شرط ثبات، انجام میں غلبہ اہل حق ہی کو ہوتا ہے اور اعتبار ہر کام میں انجام کا ہی ہوتا ہے جیسا دورانِ

علاج میں مریض کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں مگر انجام اگر صحت ہے تو علاج کو نافع کہیں گے (حضرت تھانوی)

مجاہد کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت کے رنگ مختلف ہوتے ہیں، فوری نتیجہ ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے اصل کام دین کی حفاظت ہے وہ ہر حال میں حاصل ہو کر رہتا ہے ظاہری طور پر مجاہد کو فتح ملے یا شہادت۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دو سبق

1. اسلام اور مساجد کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ جہاد میں حصہ لینا چاہیے اور فریضہ جہاد کو قائم کرنا چاہیے

2. مجاہدین بہت خوش نصیب ہیں وہ جہاں بھی جہاد اور رباط (جہاد کی پہرے داری) میں مشغول ہوں انہیں انشاء اللہ دنیا بھر کی مساجد کی حفاظت کا اجر ملتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۴۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

وہ لوگ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں

وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ

اور نیک کام کا حکم کریں اور برے کاموں سے روکیں اور ہر کام کا انجام تو اللہ تعالیٰ کے

الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

ہی ہاتھ میں ہے۔

خلاصہ

یہ اُن ہی مسلمانوں کا بیان ہے، جن پر ظلم ہوئے اور جن کو گھروں سے نکالا گیا یعنی اللہ تعالیٰ اُنکی (جہاد میں) مدد کیوں نہ کرے گا جب کہ وہ ایسی قوم ہے کہ اگر ہم اسے زمین کی سلطنت (اقتدار اور حکومت) دے دیں تب بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہوں (پس ایسے لوگوں کو جہاد کی اجازت دینا اور پھر اُن کی جہاد میں نصرت کرنا یہ تمام انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس کی بدولت انسانوں کو زمین پر اچھے حکمران نصیب ہوتے ہیں جو زمین کو امن وسکون سے بھر دیتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں کہ) بذات خود بدنی و مالی نیکیوں میں لگے رہیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں، چنانچہ حق تعالیٰ نے اُن کو زمین کی حکومت عطاء فرمائی اور جو پیشینگوئی کی تھی حرف بحرف سچی ہوئی فللہ الحمد علیٰ ذلک اس آیت سے صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً مہاجرین اور اخص خصوص کے طور پر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی حقانیت اور مقبولیت ومنقبت ثابت ہوئی وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ یعنی اگر چہ آج مسلمان کمزور اور کافر غالب نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے کہ آخر کار انہیں منصور وغالب کر دے یا یہ مطلب کہ یہ اُمت اللہ تعالیٰ کا دین قائم کرے گی ایک مدت تک آخر اللہ تعالیٰ ہی جانے کیا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی، اضافہ وتسہیل)

آیت مبارکہ کے اہم مضامین

❶ حضرات مفسرین اس آیت کو ''آیت التمکین'' کہتے ہیں جس طرح سے سورۃ النور کی آیت (۵۵) کو ''آیت استخلاف'' کہا جاتا ہے اور وہ ان دونوں آیات سے خلفاء راشدین کی خلافت کا برحق اور منصوص ہونا ثابت فرماتے ہیں۔

❷ آیت کا تعلق اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا سے ہے یا مَنْ يَّنْصُرُهٗ سے ہے حضرات مفسرین نے دونوں اقوال لکھے ہیں اور دونوں کی تفصیل بھی درج فرمائی ہے۔

❸ یہ آیت تمام اُمت کے بارے میں ہے یا صحابہ کرام میں سے صرف حضرات مہاجرین کے بارے میں ہے یا تمام صحابہ کرام اور تابعین کے بارے میں ہے...... تفاسیر میں تمام اقوال مذکور ہیں۔

❹ مسلمان حکمران کی کیا ذمہ داریاں ہیں، بعض مفسرین نے اس آیت کی روشنی میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔

❺ کیا یہ صفات اللہ تعالیٰ کی نصرت کے لیے شرط کے طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف اُنہی مسلمانوں کی جہاد میں نصرت فرماتا ہے جن میں یہ صفت ہو کہ وہ حکومت ملنے کے بعد دین اور شریعت کو قائم کرنے والے ہوں...... امام ضحاکؒ کا قول۔ ان تمام مضامین کی تفصیل کے لیے مطالعہ فرمائیے تفسیر قرطبی، تفسیر کبیر، روح المعانی، معارف القرآن کاندھلویؒ وغیرہا۔

اس تالیف میں آیۂ مبارکہ کی توضیح کے لیے چند ضروری عبارات پر اکتفا کیا جاتا ہے...... ان عبارتوں میں مذکورہ بالا تمام مضامین کا کسی قدر خلاصہ آگیا ہے۔

آسان تفسیر

''اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ نے اُن بندوں کے اوصاف بیان فرمائے جو مکہ مکرمہ سے نکالے گئے پھر جب اُنہیں اقتدار سونپا گیا تو انہوں نے دین کی خدمت کی خود بھی نمازیں قائم کیں اور زکاتیں ادا کیں اور دوسروں سے بھی دین پر عمل کرایا، عمل کرانے کے لیے امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ضرورت ہوتی ہے، ان حضرات نے دونوں چیزوں کا خوب اہتمام فرمایا، جن حضرات کے مذکورہ بالا اوصاف بتائے ہیں ان کا سب سے پہلا مصداق، حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ہیں، یہ حضرات مکہ مکرمہ سے نکالے گئے اور انہوں نے اپنے زمانہ میں وہ سب کام کیے جن کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا ہے تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۶ ج ۳ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں اور میرے اصحاب کے بارے میں ہے، ہم ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے جب کہ ہمارا اس کے علاوہ کچھ قصور نہ تھا کہ ہم ربنا اللہ کہتے تھے پھر ہمیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں اقتدار عطا کیا تو ہم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔

آیت شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کسی مسلمان کو اقتدار نصیب فرمائے، وہ نماز بھی پڑھے اور زکوٰۃ بھی دے اور لوگوں کو نیکیوں کا حکم کرے اور گناہوں سے روکے، آجکل لوگ اقتدار تو سنبھال لیتے ہیں لیکن خود ہی نماز نہیں پڑھتے نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور نہ لوگوں سے فرائض کا اہتمام کراتے ہیں اور نہ ہی گناہوں سے روکتے ہیں اور اتنا ہی نہیں کرتے بلکہ ذرائع ابلاغ کو گناہوں کے پھیلانے اور معصیت عام کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں اور عوام سے ڈرتے ہیں کہ اگر انہیں گناہوں سے روکا تو ناراض ہو جائیں گے اور ملا ازم کا طعنہ دیں گے اور ان سے اقتدار چھن جائے گا آخر میں فرمایا کہ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے) مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ دکھ تکلیف کا تھا مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا پھر اسی مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اللہ جل شانہ نے زمین

میں اقتدار نصیب فرمایا زمین کے بڑے حصہ پر انکی حکومت قائم رہی اور اب بھی دنیا کے بہت بڑے حصہ پر ان کا اقتدار ہے گو اقتدار کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے سب کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، اس نے مسلمانوں کو خوب بڑھایا، اقتدار سے نوازا، کافروں کے مقابلہ میں ان کا انجام اچھا ہوا اور آخرت میں ہر مؤمن کا انجام تو اچھا ہی ہے فللہ الحمد والمنۃ'' (تفسیر انوار البیان)

یہ چار باتیں ہر حکمران کے لیے شرط ہیں

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

وقال الضحاك! هو شرط شرطه الله عزوجل علىٰ من آتاه الملك یعنی امام ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ چار چیزیں ہر اُس آدمی کے لیے شرط ہیں جسے اللہ پاک حکومت عطاء فرمائے (القرطبی) یعنی ہر مسلمان حکمران کے لیے شرط ہے کہ وہ:

1. نماز قائم کرے
2. زکوٰۃ ادا کرے
3. امر بالمعروف کرے
4. نہی عن المنکر کرے

حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ

نماز اور زکوٰۃ کے قائم کرنے سے تمام اسلامی احکام پر عمل کرنے کی طرف اشارہ ہے اور امر بالمعروف میں علوم دینیہ کو زندہ رکھنے کی طرف اشارہ ہے اور نہی عن المنکر میں جہاد قائم رکھنے، کافروں سے جزیہ لینے اور مسلمانوں پر حدود جاری کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

مجاہدین توجہ فرمائیں

پچھلی آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کرے گا اللہ تعالیٰ اُسکی ضرور نصرت فرمائے گا اب اس آیت میں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کرنے والوں کے اوصاف کیا کیا ہیں پس مجاہدین کو چاہیے کہ انفرادی طور پر اور جماعتی طور پر ان چار کاموں کو خوب زندہ کریں اور اس بات کی پکی نیت رکھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کو حکومت اور اقتدار دے گا تو وہ ان چار باتوں کا مضبوطی سے التزام کریں گے۔

پس یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کھولنے کا دروازہ ہے آج سے تمام مجاہدین اپنی نیت ٹھیک کرلیں کہ ہم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے لڑ رہے ہیں اور ہمارا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور پھر ان چار کاموں کو زندہ کریں انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کی نصرت خوب برسے گی اور زمین پر انشاء اللہ پھر خلافت قائم ہو جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صاحب تفسیر حقانی کی یہ عبارت مجاہدین کے لیے بہترین رہنما ہے:

جو اللہ تعالیٰ کی یعنی اس کے دین اور انبیاء کی اعانت وحمایت کرے گا اللہ تعالیٰ ضرور اُسکی بھی مدد کرے گا پھر (اس آیت میں) ان ناصرین دین (دین کے مددگاروں) کے چند اوصاف ذکر کرتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ زمین پر غالب ہوجائیں اور سلطنت وحکومت حاصل کریں تو ❶ نمازیں پڑھا کریں ❷ زکوٰۃ دیا کریں ❸ نیک باتوں کا حکم دیا کریں ❹ بری باتوں سے لوگوں کو منع کیا کریں مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم کو دین کی حمایت کے صلے میں کسی ملک پر حکومت دے دے تو اُن کو یہ باتیں عمل میں لانی چاہیے نہ کہ عیاشی اور فسق وفجور میں مبتلا ہونا چاہیے کیونکہ اُن کے غالب ومسلط کرنے سے اللہ تعالیٰ کا یہی مقصود ہے کہ زمین پر نیکی اور خدا پرستی اور عدل وانصاف رہے"۔ (تفسیر حقانی)

اسلامی طرزِ حکومت کی تصویر

تفسیر ماجدی میں اس آیت کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"یہ ہے اصلی اور سچی تصویر اسلامی طرزِ حکومت کی۔ گورنمنٹ اگر مسلمانوں، سچے مسلمانوں کی قائم ہوجائے تو مسجدیں آباد و پر رونق ہوجائیں، ہر طرف سے صدائیں تکبیر و تہلیل کی گونجا کریں، بیت المال کے بعد کوئی ننگا بھوکا نہ رہ جائے، عدالتوں میں انصاف بکنے کی بجائے ملنے لگے، رشوت جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے، غیبتیں، بدکاریاں، چوریاں ڈاکے خواب وخیال ہوجائیں۔ آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ رہے، مہاجنی کوٹھیوں، سودخوار ساہوکاروں، سودکار بنکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں گویئے نچنئے (یعنی گانے ناچنے والے) اگر تائب نہ ہوں تو شہر بدر کردیے جائیں، سینما، تھیٹر، تمام شہوانی تماشہ گاہوں کے پردوں کو آگ لگادی جائے، گندہ، فحش، افسانہ، شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں غرض یہ کہ دنیا، دنیا رہ کر بھی نمونہ جنت بن جائے۔

محققین نے آیت سے خلفاء اربعہ کی صحت امارت وامامت پر بھی استدلال کیا ہے کہ ان چاروں مہاجرین (یعنی اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ کے مصداقوں) کے دورِ حکومت میں ان اوصاف کا تحقق پوری طرح پایا گیا۔

وهو صفة الخلفاء الراشدين الذين مكنهم الله فى الارض وهم ابوبكر و عمر و عثمان و على رضى الله عنهم و فيه الدلالة الواضحه علىٰ صحة امامتهم لاخبار الله تعالىٰ بانهم اذا مكنوا فى الارض قاموا بفروض الله عليهم (جصاص) (ماجدی)

اہم عبارت

آیت مبارکہ کے کئی اہم مضامین سمجھنے کے لیے درج ذیل عبارت کو توجہ اور باریکی سے پڑھیں انشاء اللہ کافی باتیں سمجھ آجائیں گی۔

''اس آیت کو ''آیت تمکین'' کہتے ہیں جس میں صحابہ کرامؓ اور درویشان اسلام سے تمکین فی الارض کا وعدہ فرمایا اس آیت میں خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے جس کی حقیقت ایسی تمکین فی الارض ہے جس میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہو یعنی حکومت کے ساتھ ولایت بھی ہو۔ حق جل شانہ نے اس آیت میں جو ''اہل تمکین'' کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جن کو جہاد کی اجازت دی گئی عنقریب اُن کو روئے زمین کی حکومت اور سلطنت عطاء ہوگی اور یہ لوگ سلطنت ملنے کے بعد دین کے قائم کرنے والے ہوں گے۔ پس یہ آیت خلفائے اربعہ کی خلافت کی صحت اور حقانیت کی دلیل ہے کہ چاروں مہاجرین اوّلین میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے بموجب ان کو زمین کی تمکین عطاء فرمائی اور وہ چاروں ان صفات مذکورہ کے ساتھ علی وجہ الکمال موصوف تھے۔ یہ آیت ان چاروں خلفاء کی خلافت کے حق ہونے کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر انسان کی کیا خوبی ہے کہ فرمانبردار ہو اور ان چاروں صفتوں کا جامع ہو، بادشاہ بھی ہو اور ولی بھی، امیر سلطنت بھی ہو اور شیخ طریقت بھی ہو۔ امیری اور فقیری ایک کمبل میں جمع ہوں، جاننا چاہیے کہ ''خلافت راشدہ'' کے دو جز ہیں ایک تمکین فی الارض یعنی حکومت اور سلطنت اور دوسرا اقامت دین یعنی قانونِ شریعت کا اجراء اور نفاذ جو انبیاء کرام کی بعثت اور اسلامی حکومت کا اوّلین مقصد ہے۔ اصل مقصود ''دین'' ہے اور ''حکومت'' اُسکی خادم ہے اس لیے حق تعالیٰ نے تمکین فی الارض کے بعد جو اصحاب تمکین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں ان میں پہلا وصف یہ بیان فرمایا اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ اس جملہ میں تمام شعائر اسلامیہ کے قائم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس کے بعد وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ میں تمام علوم دینیہ کے احیاء کی طرف اشارہ ہے اور نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ میں کافروں سے جہاد اور جزیہ لینے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ کفر سے بڑھ کر کوئی منکر اور کوئی بدتر شئے نہیں اور مسلمانوں پر حدود اور تعزیرات قائم کرنے کو بھی یہ لفظ شامل ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سلطنت ملنے کے بعد خود بھی احکامِ شریعت کے پابند ہوں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ دوسروں کو بھی شریعت کا پابند بنائیں گے اور اخیر میں وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ انجام کی خبر اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تم کو خبر نہیں کہ اس جہاد کا کیا اثر ہوگا اور کیسے عجیب و غریب ثمرات و برکات اس پر مرتب ہوں گے نیز اشارہ اس طرف بھی ہے کہ درمیانی احوال اور وقتی شکست پر نظر نہ کرنا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ جیسے مریض کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں مگر انجام اس کا صحت ہے۔ بہرحال ''تمکین فی الارض'' اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو عرش سے نازل ہوا ہے لہذا یہ ناممکن ہے کہ یہ وعدہ پورا نہ ہو اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اس خدائی وعدہ کو کوئی غصب کرے اللہ تعالیٰ نے اس کے ایفاء کو اپنے ذمہ لیا ہے جو خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ وعدہ خداوندی میں نہ مخالفت کا امکان ہے اور نہ مخاصمت کا اور نہ تسلط اور تغلب کا اور نہ غصب کا اور نہ خیانت کا'' (معارف القرآن کاندھلویؒ)

ان آخری جملوں میں صاحب عبارت نے رافضیوں پر رد کیا ہے، اور بھی کئی مفسرین نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رافضیوں پر مضبوط ردّ کیا ہے۔

مُراد پوری اُمت ہے

حسن بصریؒ اور ابوالعالیہؒ جیسے حضرات فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد حضور اکرم ﷺ کی پوری اُمت ہے۔

وقال عكرمة هم اهل الصلوٰت الخمس وقال الحسن وابوا لعالية هم هذه الامة اذافتح الله عليهم اقاموا الصلوٰة (القرطبی)

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قتال فی سبیل اللہ کے لیے نکلیں، اور اس میں اپنی نیت خالص اللہ پاک کی رضا کے لیے دین کی نصرت کی رکھیں اور اپنی ذاتی اور جماعتی زندگی میں نماز، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مضبوط کریں اور اس بات کا پختہ عزم رکھیں کہ انہیں جیسے ہی حکومت ملی وہ معاشرے میں ان چیزوں کو قائم کریں گے پس ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نصرت فرمائے گا اور زمین پر خلافت قائم ہوجائے گی انشاء اللہ۔

افسوس اس کا ہے کہ جو مسلمان نماز، زکوٰۃ میں پکے ہیں وہ جہاد کی طرف نہیں آتے اور جو جہاد میں آتے ہیں وہ عبادات میں زیادہ محنت نہیں کرتے اور اپنی جماعتوں کا شرعی نظام قائم نہیں کرتے پس بڑی نصرت نازل ہونے کا پورا نصاب مکمل نہیں ہوتا اور دنیا پر کافروں کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے والی اللہ المشتکی۔

آپ سورۃ الحج کی ان پانچ آیات کو غور سے پڑھ لیں آیت ۳۸ تا ۴۱ تو آپ یہ تمام باتیں انشاء اللہ آسانی سے سمجھ جائیں گے۔ الحمدللہ جو مسلمان اس زمانے میں بھی اخلاص کے ساتھ جہاد کر رہے ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ کی نصرت کھلی آنکھوں سے اُترتی ہوئی نظر آ رہی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اُمت مسلمہ اجتماعی طور پر جہاد کی طرف متوجہ ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ

اور کفار قرآن کی طرف سے ہمیشہ شک میں رہیں گے یہاں تک کہ قیامت

السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝۵۵

یکایک ان پر آموجود ہو یا منحوس دن کا عذاب ان پر نازل ہو۔

خلاصہ

اور کافر لوگ ہمیشہ قرآن پاک اور دین کے بارے میں شک میں رہیں گے یہاں تک کہ اُن پر اچانک قیامت آجائے یا اُن پر کسی بے برکت دن کا عذاب آپڑے۔

غزوۂ بدر کا دن مُراد ہے

کئی مفسرین حضرات کے نزدیک يَوْمٍ عَقِيْمٍ (منحوس اور بے برکت دن) سے مراد غزوہ بدر کا دن ہے کہ یہ دن زمانے کے بڑے مشرکوں کے لیے ہر طرح کی خیر اور برکت سے خالی تھا۔ ملاحظہ فرمایئے چند عبارتیں:

❶ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

وقال ابن عباس و مجاهدوقتاده المراد عذاب يوم بدرومعنیٰ عقيم لامثل له فی عظمه لأن الملائكة قاتلت فيه. ابن جُريج: لانهم لم ينظروا فيه الى الليل بل قتلوا قبل المساء فصار يوماً لا ليلة له.

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہد و حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ سے بدر کے دن کا عذاب مُراد ہے اور عَقِيْمٍ کا معنی یہ ہے کہ اُس دن کی بڑائی بے مثال ہے کیونکہ اُس دن فرشتوں نے قتال کیا تھا اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ عَقِيْمٍ اُس دن کو کہتے ہیں جس کی رات نہ ہو تو بدر کے دن مشرکین کو رات تک کی مہلت نہ ملی اور وہ شام سے پہلے قتل کر دیئے گئے تو گویا یہ دن اُن کے لیے بغیر رات کے تھا۔ (القرطبی)

❷ امام رازیؒ لکھتے ہیں:

يَوْمٍ عَقِيْمٍ کے بارے میں دو قول ہیں

احد هما انه يوم بدر ایک قول یہ ہے کہ اس سے بدر کا دن مُراد ہے۔

وانما وصف يوم الحرب بالعقيم لوجوه اربعة اور جنگ کے دن کو عَقِيْمٍ یعنی بانجھ دن کہنے کی چار وجوہات ہیں:

❶ جنگ میں عورتوں کے بچے قتل ہوتے ہیں پس وہ اُس دن ایسے رہ جاتی ہیں گویا کہ بانجھ ہوں ❷ جنگجو لوگوں کو " أبـنـاء الحرب " جنگ کے بیٹے کہا جاتا ہے تو جب یہ لوگ مارے جاتے ہیں تو گویا وہ دن بانجھ رہ جاتا ہے ❸ یَوۡمٍ عَقِیۡمٍ اُس دن کو کہتے ہیں جس میں کوئی خیر اور بھلائی نہ ہو جیسے ریح عقیم اُس ہوا کو کہا جاتا ہے جو بارش سے خالی ہو۔ ❹ کیونکہ یہ دن اپنی بڑائی میں بے مثال تھا اس وجہ سے کہ فرشتوں نے اس میں قتال کیا تھا۔ (تفسیر کبیر)

امام رازیؒ نے یہ عبارت کشاف سے نقل فرمائی ہے۔

❸ قال مجاهد: قال ابی بن کعب: هو یوم بدر

یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن سے مراد بدر کا دن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مزید کئی اقوال

یَوۡمٍ عَقِیۡمٍ بے برکت دن کے بارے میں ایک قول تو آپ نے ملاحظہ فرمالیا جبکہ اس میں مزید کئی اقوال بھی ہیں:

❶ مُراد قیامت کا دن ہے کیونکہ وہ ایسا دن ہے جس میں رات نہیں ہے

❷ مُراد اُن کی موت کا لمحہ ہے

❸ مُراد قحط کا عذاب ہے

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے معتبر تفاسیر۔

بدر کا دن اللہ پاک کی نشانی

غزوہ بدر کا دن اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے اور یہ دن مسلمانوں کے لیے ایک بڑی مثال ہے قرآن پاک میں اس دن کو مختلف ناموں سے یاد کر کے اُس کے کئی اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے مثلاً سورۃ انفال میں اسے یوم الفرقان فیصلے کا دن قرار دیا گیا جس میں اشارہ ہے کہ جہاد کے ذریعے کفر و اسلام کے درمیان فیصلہ ہوتا ہے اور یہاں سورۃ الحج میں اسے یوم عقیم فرمایا گیا کہ جہاد کے ذریعہ سے کفر کی گود بانجھ ہوتی ہے اور اُس کا غرور اور اعتماد ٹوٹ جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّة آیت ۵۸، ۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ

اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کیے گئے یا مرگئے ضرور انہیں

اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾

اللہ تعالیٰ اچھا رزق دے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

ضرور انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جسے پسند کریں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا بردبار ہے۔

خلاصہ

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت اور جہاد کے لیے نکلے پھر وہ لڑتے ہوئے شہید ہو جائیں یا طبعی موت سے اُن کا انتقال ہو۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ بہترین روزی اور بہت عمدہ رہنے کی جگہ عطاء فرمائے گا۔ اور ان کو خوش کر دے گا۔ یعنی دونوں صورتوں میں یہ کامیاب ہیں۔ قتل کیے جائیں یا طبعی موت مریں۔

ربط

ان دو آیات کے پچھلی آیات کے ساتھ ربط کے بارے میں یہ چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں۔

❶ گذشتہ آیات میں عام مؤمنین صالحین کی فضیلت بیان فرمائی ان آیات میں خاص مہاجرین ومجاہدین کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

❷ چند آیات پہلے جہاد کی اجازت کا بیان تھا، اور اس میں فتح اور نصرت کا وعدہ بھی تھا، مگر جو لوگ جہاد میں شہید ہو جاتے ہیں یا طبعی موت سے اُن کا انتقال ہو جاتا ہے تو اُن کو تو ظاہری طور پر نصرت اور فتح نہیں ملتی تو ان دو آیات میں یہ مسئلہ سمجھایا کہ یہ لوگ بھی کامیاب ہیں اور ان کے لیے دنیاوی فتح سے بھی بڑی بشارت ہے کہ اللہ پاک اُن کو جنت کی کامیابی عطاء فرمائے گا۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

اوپر آیت اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ الخ میں جہاد کی اجازت اور نصرت کی بشارت اور اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا میں مؤمنین مظلومین کی مہاجرت ارشاد فرمائی گئی تھی یہاں تک اسی سلسلہ میں مضمون چلا آیا تھا چونکہ دوران جہاد وہجرت میں بعض کو قتل یا موت طبعی کی بھی نوبت آتی ہے اور ہر چند کہ وہ منافی وعدۂ نصرت کے اس لیے نہیں کہ منصوریت صفت قوم کی ہوتی ہے نہ کہ ہر احد کی احادِ قوم سے لیکن تاہم یہ مظنہ ہو سکتا ہے اُس میت یا مقتول کی حسرت کا کہ ہم اُس وعدہ

کے معائنہ سے متمتع نہ ہوئے اس لیے آگے ان مقتولین یا متیّمین کو اُس بشارتِ نصرت سے بڑھ کر دوسری بشارت سناتے ہیں۔ (بیان القرآن)

تفسیر ماجدی میں اسی ربط کو ان آسان الفاظ میں بیان کیا ہے ''یعنی جو لوگ راہ دین میں ترک وطن کے بعد شہید ہو گئے یا اپنی طبعی موت سے مر گئے غرض کسی سبب سے بھی اہل کفر پر غلبہ و فتحمندی کے ثمرات سے اس دنیا میں محروم رہ گئے۔ وہ اطمینانِ کامل رکھیں کہ وہ جنت میں ضرور اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے مستفید و محظوظ ہوں گے۔ (ماجدی)

شانِ نزول کے بعض واقعات

❶ امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اے اللہ کے نبی! جو لوگ شہید ہو چکے ہیں اُن کے بارے میں تو ہم نے جان لیا کہ اللہ پاک نے اُن کو کیسی کیسی بھلائیاں عطاء فرمائی ہیں۔ اور ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر اُسی طرح جہاد کر رہے ہیں جس طرح انہوں نے جہاد کیا اب اگر آپ کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے ہمیں (طبعی) موت آجائے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اس پر یہ دو آیات نازل ہوئیں۔

روی ان طوائف من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالوا! یا نبی اللہ ھؤلاءِ الذین قتلوا قد علمنا ما اعطاھم اللہ من الخیر و نحن نجاھد معک کما جاھدوا فمالنا ان متنا معک؟ فأنزل اللہ ھاتین الآیتین (المدارک)

❷ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ:

جب حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا تو بعض لوگوں نے کہا مہاجرین میں سے جو قتل ہوئے ہیں وہ طبعی موت مارے جانے والوں سے افضل ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ان سب کو بہترین روزی ملے گی۔

وذلک انہ لمامات عثمان بن مظعون وابو سلمة بن عبدالاسد قال بعض الناس من قتل من المھاجرین افضل ممن مات حتف انفہ، فنزلت مسوّیة بینھم ان اللہ یرزقھم رزقاً حسناً (البحر المحیط)

❸ بعض صحابہ کرام ہجرت کے لیے نکلے تو مشرکین نے اُن کا پیچھا کر کے اُن کو شہید کر دیا۔ (یعنی اُنکی ہجرت مکمل نہ ہوئی مگر اجر مکمل مل گیا) نزلت فی طوائف خرجوا من مکة الی المدینة للھجرة فتبعھم المشرکون وقاتلوھم (البحر المحیط)

ان تمام واقعات کا عجیب خلاصہ

خلاصہ ان تمام واقعات کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنا ہی کافی ہے اسی لیے اس کا نام سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ کا راستہ ہے۔ یعنی یہ راستہ خود منزل ہے بس جو اس راستے پر اخلاص کے ساتھ نکلا وہ کامیاب ہو گیا اُس کا

ظاہری انجام خواہ کچھ بھی ہوا۔ فتح پائی، شہید ہوا، حادثاتی موت مرا یا طبعی موت سے اُس کا انتقال ہوا۔

یہاں ہجرت سے مُراد جہاد کے لیے نکلنا ہے

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اى فى الجهاد حسبما يلوح به قوله تعالىٰ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

یعنی یہاں ہجرت فی سبیل اللہ سے مُراد جہاد میں نکلنا ہے جیسا کہ بعد والے الفاظ (پھر وہ قتل ہوئے یا مر گئے) سے واضح ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

امام رازیؒ نے بھی یہ قول ذکر فرمایا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ آیت کو عام رکھنا بہتر ہے تاکہ اس میں ہجرت بھی شامل ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی خاطر وطن چھوڑنا اور خاص ہجرت بھی شامل ہو یعنی جہاد میں نکلنا۔ واختلفوا فيمن اريد بذلك، فقال بعضهم من هاجر الى المدينة طالبا لنصرة الرسول صلى الله عليه وسلم و تقربا الى الله تعالىٰ، وقال آخرون بل المراد من جاهد فخرج مع الرسول صلى الله عليه وسلم اوفى سراياه لنصرة الدين ولذلك ذكر القتل بعده ومنهم من حمله على الامرين ......وظاهر الكلام للعموم. (تفسير كبير)

مقتول افضل یا مقتول ومیت برابر

ان دو آیتوں کا اصل موضوع تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت و جہاد میں نکلنے والے افراد کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں کے مستحق ہیں۔ مگر حضرات مفسرینؒ نے ان آیات کی تفسیر میں اس مسئلے پر بھی بحث فرمائی ہے کہ جہاد میں نکل کر مقتول ہونے والا زیادہ افضل ہے یا جہاد میں نکل کر مقتول ہونے والا اور طبعی موت پانے والا دونوں برابر ہیں۔ اس موضوع پر سب سے اچھی بحث تفسیر قرطبی، البحر المحیط، تفسیر ابن کثیر اور روح المعانی میں مذکور ہے اور ان تمام حضرات نے دونوں طرح کے اقوال لکھے ہیں۔ یعنی بعض کے نزدیک جہاد میں نکلنے والا مقتول اور میت دونوں اجر اور مقام کے اعتبار سے برابر ہیں جب کہ بعض کے نزدیک مقتول کو میّت پر فضیلت حاصل ہے۔ تقریباً تمام مفسرین نے اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

وظاهر الشريعة يدل علىٰ ان المقتول افضل

یعنی ظاہر شریعت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قتل ہونے والے کو زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ (القرطبی)

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

وظاهر الشريعة أن المقتول افضل۔ (البحر المحیط)

علامہ آلوسیؒ نے بھی روح المعانی میں امام ابوحیان کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔

علامہ ابن النحاس ابوزکریا احمد بن ابراہیم دمشقی شہیدؒ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا جانے والا اور انتقال کرنے والا بالکل برابر ہیں۔
ان کی دلیل ام حرام رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بشارت دیتے ہوئے) فرمایا تھا کہ تم پہلوں میں سے ہو اور اُن کا انتقال گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے ہوا تھا۔ (بخاری)
دوسرے علماء کرام کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہونے والے کو کچھ زیادہ فضائل حاصل ہیں یہی (قول) زیادہ درست معلوم ہوتا ہے ان حضرات کے دلائل یہ ہیں۔

❶ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں تمہارے گھوڑے کو مار دیا جائے اور تمہیں قتل کر دیا جائے۔ (موارد الظمآن)

❷ وہ شخص جو کسی چیز کی نیت کرے اور پھر اُسے پا بھی لے وہ یقیناً اُس سے افضل ہے جو کسی چیز کی نیت تو کرے مگر اُسے پا نہ سکے۔

❸ شہید کو قرآن مجید نے مردہ کہنے سے منع کیا ہے۔

❹ شہید جنت میں جا کر دنیا میں واپس آ کر بار بار شہید ہونے کی تمنا کرے گا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مرنے والا بھی واپسی کی تمنا کرے مگر وہ بھی واپس آ کر قتل ہونے کی تمنا کرے گا اِسی سے قتل ہونے کی فضیلت ثابت ہوگی۔

❺ شہید پر جو احکام جاری ہوتے ہیں مثلاً اُسے غسل نہیں دیا جاتا، بعض ائمہ کے ہاں اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جاتی یہ احکام میت کے لیے نہیں ہیں اسی طرح اور بھی بہت سے فضائل شہید کو حاصل ہیں (فضائل جہاد،ص ۴۱۴)

ایک ایمان افروز واقعہ

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کئی مفسرین حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے۔
راوی فرماتے ہیں ہم روڈس کے جہاد میں حضرت فضالہ بن عبید الانصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے (جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں) تو حضرت فضالہ کا گذر دو جنازوں پر سے ہوا ایک ان میں سے شہید تھے اور دوسرے کا (دوران جہاد) انتقال ہوا تھا۔ لوگ شہید کے جنازے پر ہجوم کر رہے تھے اس پر حضرت فضالہ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا ایک جنازے پر ہجوم کر رہے ہیں اور دوسرے کو چھوڑ رہے ہیں لوگوں نے عرض کیا یہ شہید کا جنازہ ہے تو ارشاد فرمایا (میرے نزدیک دونوں باتیں برابر ہیں) اللہ کی قسم مجھے اس کی پروا نہیں کہ میں ان دو قبروں میں سے کسی سے اٹھایا جاؤں لوگو! اللہ تعالیٰ کی کتاب سنو وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْۤا اَوْ مَاتُوْا (یہ پوری آیت تلاوت فرمائی)
دوسری روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ جہاد میں انتقال کرنے والے کی قبر کے پاس جا بیٹھے، لوگوں نے عرض کیا: آپ نے شہید کی قبر چھوڑ دی اور اِسکی قبر کے پاس آ بیٹھے؟ ارشاد فرمایا: میرے لیے یہ بات برابر ہے کہ میں

ان دو (طرح کی) قبروں میں سے کسی ایک سے اٹھایا جاؤں بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا

پس اے بندے تجھے اور کیا چاہیے جب تجھے پسندیدہ جگہ داخل کر دیا جائے اور بہترین روزی دی جائے اس لیے میرے نزدیک یہ برابر ہے کہ میں ان دو قبروں میں سے کسی سے اٹھایا جاؤں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فائدہ

اس موضوع پر مزید دلائل اور تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمایئے علامہ ابن النحاس شہیدؒ کی کتاب ''مشارع الاشواق'' کی تلخیص وتشریح ''فضائل جہاد'' صفحہ ۴۰۹ تا ۴۱۴۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ

اور بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا بردبار ہے۔

❶ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ (مجاہدین ومہاجرین) کس چیز سے راضی ہوں گے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کن لوگوں نے خالص اُس کے راستہ میں اپنا گھر بار ترک کیا ہے۔ ایسے مہاجرین اور مجاہدین کی فروگزاشتوں (یعنی غلطیوں) پر حق تعالیٰ تحمل کرے گا اور شانِ عفو سے کام لے گا (عثمانی)

❷ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ باحوال من قضیٰ نحبه مجاهدًا و آمالِ من مات وهو ينتظر معاهدًا.
یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے احوال بھی جانتا ہے جنہوں نے جہاد میں جان دے کر مقصد کو پالیا اور اُنکی امیدوں کو بھی جانتا ہے جن کا جہاد میں انتقال ہوا حالانکہ وہ بھی جان دینے کا عہد رکھتے تھے (المدارک)

❸ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں کتنی مشقت برداشت کی اور وہ بڑا بردبار ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا (معارف القرآن کاندھلویؒ)

❹ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا علم والا ہے، ہر واقعہ کی حکمت ومصلحت اس پر خوب روشن رہتی ہے، اہل ایمان کو دنیا میں اگر ناکامی رہی تو اس سے مایوس وبددل ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ (اللہ تعالیٰ بڑا حلم والا ہے) چنانچہ بڑے بڑے مجرموں غداروں، باغیوں کو بھی ہمیشہ فوری ہی سزا نہیں دیتا، اور اُس کے حلم ہی سے بڑا دھوکا اہل باطل کو ہو جاتا ہے۔ (ماجدی)

مرضی کا رہنا سہنا

ہجرت اور جہاد میں گھر بار چھوٹتا ہے، کھانے پینے کی تنگی ہوتی ہے تو اس لیے خاص طور پر رزق اور رہائش کا تذکرہ فرمادیا کہ ہر تکلیف کا ایسا بہترین بدلہ ملے گا کہ وہ پوری طرح سے راضی ہوجائیں گے۔ تفسیر عثمانی میں ہے:

''یعنی جو لوگ خدا کے راستہ میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ لڑائی میں شہید ہوں یا طبعی موت سے مریں دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں انکی خاص مہمانی ہوگی، کھانا پینا رہنا سہنا سب اُنکی مرضی کے موافق ہوگا'' (عثمانی)

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ آیت ۶۰ تا ۶۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ

بات یہ ہے اور جس نے اسی قدر بدلہ لیا جس قدر اسے تکلیف دی گئی تھی پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۶۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي

ضرور اس کی مدد کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا معاف کرنے والا ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ رات

النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۶۱

کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کیا کرتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ

یہ اس لیے کہ حق اللہ تعالیٰ ہی کی ہستی ہے اور جنہیں اس کے سوا پکارتے ہیں

الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۶۲

باطل ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی بلند مرتبہ بڑائی والا ہے۔

خلاصہ

❶ فیصلہ الٰہی یوں ہی ہے کہ جس مظلوم نے ظالم سے (واجبی) بدلہ لیا اور پھر ظالم نے اُسے ستایا تو اللہ تعالیٰ اُس پہلے مظلوم کی ضرور مدد فرمائے گا (مفہوم لاہوریؒ) بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا معاف کرنے والا ہے یعنی واجبی بدلہ لینے والے کو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتا اگرچہ بدلہ نہ لینا بہتر تھا، بدر کی لڑائی میں مسلمانوں نے کافروں کے ایذاء کا بدلہ لیا، پھر کافر اُحد اور احزاب میں زیادتی کرنے کو آئے پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی پوری مدد فرمائی (مفہوم موضح القرآن)

❷ اللہ تعالیٰ ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی مدد آسانی سے کرسکتا ہے کیونکہ اندھیرے کو روشنی میں داخل کرنا اور روشنی کو اندھیرے میں داخل کرنا اُس کا معمول ہے لہٰذا طاقتور ظالم کو کمزور بنانا اور کمزور مظلوم کو طاقتور بنا دینا اس کے لیے کونسا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ مظلوم کی فریاد سنتا اور ظالم کے کرتوت دیکھتا ہے۔ (مفہوم لاہوریؒ)

❸ اللہ تعالیٰ جو کہ حق ہے اس لیے حق کی امداد فرمائے گا اور یہ اُسکی بلندی اور بزرگی کا فیصلہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرفداری والا پہلو ہمیشہ غالب رہے گا۔ (لاہوریؒ)

شانِ نزول

❶ محرم الحرام کا مہینہ ختم ہونے میں دو راتیں باقی تھیں مشرکین کے ایک گروہ نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ (یعنی صحابہ کرام) حرمت والے مہینوں میں جنگ کو پسند نہیں کرتے اس لیے ان کو مارنے کا اچھا موقع ہے، مسلمانوں نے اُنہیں محرم کی حرمت کا واسطہ دیا مگر وہ نہ مانے تب مسلمانوں نے جم کر مقابلہ کیا اللہ تعالیٰ نے اُنکی نصرت فرمائی اور وہ غالب رہے مگر اُن کے دل میں کچھ پریشانی اس بات کی تھی کہ اُنہوں نے حرمت والے مہینے میں جنگ کی ہے تب یہ آیت نازل ہوئی اور اُن کو تسلی دے دی گئی۔

قال مقاتلٌ: نزلت فی قوم من مشرکی مکة لقوا قوماً من المسلین للیلتین بقیتا من المحَرم فقالوا: ان اصحاب محمد یکرهون القتال فی الشهر الحرام فاحملوا علیهم: فنا شدهم المسلمون الا یقاتلوهم فی الشهر الحرام:فأبی المشرکون الّا القتال فَحملوا علیهم فثبت المسلمون و نصرهم الله علی المشرکین وحصل فی انفس المسلمین من القتال فی الشهر الحرام شئی فنزلت هذه الایة (القرطبی، کبیر، ابن کثیر، البحر المحیط)

❷ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شہید کرنے والے کافروں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک کیا) وقیل: نزلت فی قوم من المشرکین مثّلوا بقوم من المسلمین قتلوهم یوم أحد فعاقبهم رسول الله صلی الله علیه وسلم بمثله (القرطبی)

❸ یہ آیت اُن مشرکین کے بارے میں ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم ڈھائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالا وقال ابن جریج: الآیة فی المشرکین بغوا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم واخرجوه (البحر المحیط) حضرت شاہ صاحبؒ کا رجحان اسی شان نزول کی طرف لگتا ہے جیسا کہ ”خلاصہ“ میں اُنکی عبارت گزر چکی ہے۔

ربط

پچھلی دو آیات میں ہجرت اور جہاد کے دوران شہید ہونے والے اور وفات پانے والوں کا اجر و ثواب مذکور تھا اس آیت میں سمجھایا گیا کہ دنیا میں بھی ظالموں کے مقابلے میں انکی نصرت کی جائے گی۔

ومناسبتها لماقبلها واضحة: وهو انه تعالیٰ لماذکر ثواب من هاجروقتل أومات فی سبیل الله اخبر انه لا یدع نصرتهم فی الدنیا علی من بغی علیهم (کبیر، البحر المحیط)

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ

اس میں ذٰلِكَ کا ترجمہ تفسیر کبیر میں ان الفاظ سے کیا گیا ہے وقال الزجاج ای الامر ماقصصنا علیك من انجاز الوعد للمهاجرین الذین قتلوا أوماتوا یعنی یہ بات تو پکی ہے کہ مہاجرین کے شہداء اور وفات پانے والوں سے جو وعدہ کیا گیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

آسان تفسیر

یعنی مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے۔ پھر از سر نو ظالم اُس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم ٹھہر گیا۔ حق تعالیٰ پھر مدد کرے گا جیسا کہ اُسکی عادت ہے کہ مظلوم کی آخر حمایت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ یعنی بندوں کو بھی چاہیے کہ اپنے ذاتی اور معاشرتی معاملات میں عفو ودرگزر کی عادت سیکھیں، ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی واجبی بدلہ لینے والے کو خدا عذاب نہیں کرتا اگرچہ بدلہ نہ لینا بہتر تھا "بدر" کی لڑائی میں مسلمانوں نے بدلہ لیا کافروں کی ایذاء کا پھر کافر "اُحد" "واحزاب" میں زیادتی کرنے کو آئے پھر اللہ نے پوری مدد کی" ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ یعنی وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے کہ رات دن کا الٹ پلٹ کرنا اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے اسی کے تصرف سے کبھی کے دن بڑے، کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں، پھر کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک مظلوم قوم یا شخص کو امداد دے کر ظالموں کے پنجہ سے نکال دے بلکہ اُن پر غالب ومسلّط کر دے پہلے مسلمان مہاجرین کا ذکر تھا اس آیت میں اشارہ فرما دیا کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لے لیتا ہے اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا۔ وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ یعنی مظلوم کی فریاد سنتا اور ظالم کے کرتوت دیکھتا ہے۔ (عثمانی)

امام نسفیؒ نے یہ عجیب نکتہ لکھا ہے کہ

دن کو بہت شور شرابا ہوتا ہے اور آوازیں دب جاتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ سَمِیۡعٌ خوب سننے والا ہے دن کے شور شرابے کا اُس پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور رات کو اندھیرا ہوتا ہے تو چیزیں نظر نہیں آتیں مگر اللہ تعالیٰ بَصِیۡرٌ ہے کہ رات کی تاریکی سے اُس کے دیکھنے میں کوئی فرق نہیں آتا۔

وانہ سمیع لما یقولون ولا یشغلہ سمع عن سمع وان اختلفت فی النہار الاصوات بفنون اللغات، بصیر بما یفعلون ولا یستر عنہ شئی بشئی فی اللیالی وان توالت الظلمات (المدارک)

پس مظلوم فکر مند نہ ہوں کہ اُن کا سننے والا کوئی نہیں اور ظالم بے فکر نہ ہوں کہ اُن کو دیکھا نہیں جا رہا۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

مظلوم کی تسکین وتسلّی کا کتنا بڑا سامان عقیدہ سمیع بصیر کے استحضار میں ہے۔ (ماجدی)

آیت مبارکہ کی ایک اور تفسیر

بغوی نے لکھا ہے کہ حسن بصریؒ نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے مَنۡ عَاقَبَ جو مشرکوں سے لڑا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبَ بِہٖ جیسا مشرک اُس سے لڑے ثُمَّ بُغِیَ عَلَیۡہِ پھر اُس پر زیادتی کی گئی کہ اس کو وطن سے نکال دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اُسکی (ضرور) مدد فرمائے گا۔ (تفسیر مظہری)

اس تفسیر کی رو سے وہ مسلمان جو غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اُن کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ هُوَ الۡحَقُّ میں ذٰلِکَ کا ترجمہ یوں ہوگا:

یہ مسلمانوں کی نصرت اور غلبہ (اس لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے)

ذٰلِکَ النصر ایضاً (جلالین)

اس آیت کی تفسیر کے لیے ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

یہ سب اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ تو خدائے برحق ہی ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت اور مشیّت میں مزاحمت کر سکے اور یہ بے عقل جس کو پکارتے ہیں وہی باطل ہے یعنی جن بتوں کو یہ پکارتے ہیں وہ سب غلط ہے وہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع اور اللہ تعالیٰ وہی ہے جو بلند اور برتر ہے اور سب اُس کے سامنے ذلیل اور حقیر ہیں وہ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے یہ شان تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ بتوں میں یہ قدرت کہاں ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ حق کو بلند کرے اور باطل کو پست کرے (معارف القرآن کاندھلوی)

ایک اہم نکتہ

آیت ۶۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اُتنا ہی بدلہ لیا جائے جتنا ظلم ہوا ہو یعنی بدلہ ظلم کے برابر ہو۔ اب اس میں دو باتیں قابل غور ہیں پہلی یہ کہ یہ بات کون طے کرے گا کہ برابر کا بدلہ کتنا ہے اور دوسری یہ کہ جہاد میں بالکل برابر کا بدلہ ممکن نہیں ہے کیونکہ جنگ کے ہنگامے میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے، حضرت تھانویؒ نے دونوں باتوں کا جواب بیان القرآن میں دیا ہے ❶ برابری کا اندازہ لگانا مظلوم کے اجتہاد پر ہے ❷ بدلے میں برابری کا لازم ہونا جہاد میں نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں ''اور یہ جو اوپر قید لگائی گئی بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ الخ سو اس مماثلت کی مراعات مظلوم کے اجتہاد پر ہے جس میں اُس نے اپنی وسعت حتی الامکان مبذول کی ہو اور اس پر بھی اگر مماثلت سے قدرے بیشی ہو جائے جو بوجہ غایت غموض وخفاء کے ضبط میں نہ آ سکے تو وہ موجب مؤاخذہ ومخل وعدہ نصرت نہیں۔ یہ رعایت مماثلت کا وجوب معاملات معاشرت میں ہے نہ کہ جہاد میں چنانچہ ادلہ شرعیہ سے یہ امر ظاہر ومشہور ہے (حضرت تھانویؒ)

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ آیت ۷۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ

اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں پسند کیا ہے اور

عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ

دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے اسی اللہ تعالیٰ

سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

نے تمہارا نام پہلے مسلمان رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول

شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا

تم پر گواہ بنے اور تم لوگوں پر گواہ بنو پس نماز قائم کرو

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ

اور زکوٰۃ دو اور اللہ تعالیٰ ہی کو مضبوط پکڑے رہو وہی تمہارا مولیٰ ہے

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ۧ۷۸

پھر کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

خلاصہ

❶ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔

❷ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو منتخب فرمایا ہے، اس اُمت کی دعوت عالمگیر ہے، یعنی سب کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔

❸ اللہ تعالیٰ نے دین کے بارے میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی، یہ دین سب کے لیے آسان ہے اور فلاح ونجات کا ذریعہ ہے۔

❹ دین اسلام کا دوسرا نام ملّت ابراہیمی ہے، لہٰذا تم اپنے باپ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کو لازم پکڑو۔

❺ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پس پورے فرمانبردار بنو۔

❻ تمہیں یہ شرف اور امتیاز اس لیے عطاء ہوا تاکہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہوں اور تمہاری تصدیق کریں اور تم تمام اُمتوں پر گواہ بنو اور اُن کے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرو۔

❼ پس جب اللہ تعالیٰ کے تم پر اتنے زیادہ احسانات ہیں تو تم بھی اُس کے احکامات پر مکمل عمل کرو، خصوصاً

نماز قائم رکھو، زکوٰۃ ادا کرو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوط پکڑے رہو، اُسی سے مدد مانگو اُسی پر بھروسہ کرو، اُسی سے قوت حاصل کرو۔

❽ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا مولیٰ ہے، یعنی تمہارا محافظ، مددگار اور دشمنوں پر تمہیں غالب کرنے والا ہے۔

❾ پس اللہ تعالیٰ کیا ہی بہترین کارساز ہے۔

❿ اور کیا ہی خوب مددگار ہے۔ پس اس دین کو مضبوطی سے پکڑنے کی وجہ سے کوئی بھی تمہارا دشمن بنے تو تمہیں کیا ڈر۔

جہاد سے مُراد کفار سے جنگ

اس آیت مبارکہ کے پہلے حصے وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ میں بعض مفسرین کے نزدیک جہاد سے مُراد کافروں سے جنگ ہے۔

والمراد هنا عند الضحاك جهاد الكفار حتى يد خلوا في الاسلام ويقتضي ذلك ان تكون الآية مدنية لان الجهاد انما امر به بعدا لهجرة یعنی امام ضحاک کے نزدیک آیت مبارکہ میں کفار سے جہاد کرنا مُراد ہے یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اس قول کے مطابق یہ آیت "مدنی" ہوگی کیونکہ جہاد کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا (روح المعانی)

امام ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ اى باموالكم والسنتكم وانفسكم یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں پورا پورا جہاد کرو اپنے مال سے اپنی زبانوں سے اور اپنی جانوں سے (تفسیر ابن کثیر)

اس تفسیر میں اشارہ ہے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کی طرف:

جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم

یعنی مشرکین کے خلاف جہاد کرو اپنے اموال سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے۔ (ابوداؤد)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قوله تعالىٰ وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ قيل: عنىٰ به جهاد الكفار یعنی اس آیت میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مُراد کفار کے خلاف جہاد ہے۔ (القرطبی)

تفسیر حقانی میں ہے:

"اور اس کے بعد حکم دیتا ہے وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ جہاد سے مُراد اکثر مفسرین کے نزدیک دشمنانِ دین سے جنگ کرنا ہے اور حَقَّ جِهَادِهِ سے مُراد پورے طور پر اور نہایت سعی و کوشش سے جس کی تفسیر بعض نے یوں کی ہے کہ خالصاً للہ (ہو) اور بعض کہتے ہیں جس میں اللہ اور سردار (یعنی امیر جہاد) کی مخالفت (یعنی

نافرمانی) نہ ہو بعض کہتے ہیں جس میں کسی ملامت کا خوف نہ ہو پھر یہ (کفار کے خلاف جہاد) عام ہے خواہ زبان سے ہو خواہ تلوار سے اور اس حکم کا سب سے اخیر میں صادر کرنا اس بات کو جتلاتا ہے کہ نماز اور فعل الخیرات سب سے بڑھ کر یہ (جہاد کا) کام ہے کیونکہ جب تک شرّ اعداء (یعنی دشمنوں کے شر) سے امن قائم نہ ہوگا تو زمین پر خدا تعالیٰ کے بندے نہ بفراغ قلبی نماز پڑھ سکیں گے نہ کوئی اور نیک کام کر سکیں گے‘‘ (تفسیر حقانی)

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

احدھا ان المراد قتال الکفار خاصۃ

یعنی ایک قول یہ ہے کہ یہاں جہاد سے مُراد خاص کفار سے جہاد کرنا ہے اس صورت میں حق جہادہ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ جہاد خالص عبادت کی نیت سے ہو اپنی شہرت یا غنیمت کی نیت سے نہ ہو۔

ومعنیٰ حَقَّ جِهَادِهٖ ان لا یفعل الا عبادۃ لا رغبۃ فی الدنیا من حیث الاسم او الغنیمۃ (تفسیر کبیر)

آیت مبارکہ میں جہاد سے کفار کے خلاف جنگ کرنا مراد ہے اس پر کئی قرینے بھی موجود ہیں:

❶ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ اللہ پاک نے اس اُمت کو دوسری اُمتوں پر فضیلت اور فوقیت عطاء فرمائی ہے اس کی دعوت کو پورے عالم کے لیے اور قیامت تک کے لیے بنایا ہے لازمی بات ہے کہ دوسری قومیں اس اُمت سے حسد کریں گی، اس کو ختم کرنے کے درپے ہوں گی اور اسکی عالمگیر دعوت میں رکاوٹ ڈالیں گی تب اس اُمت کو اپنی بقاء وحفاظت اور اپنی دعوت کو سب تک پہنچانے کے لیے جہاد کرنا ہوگا۔ ❷ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اس کا معنیٰ بھی بعض مفسرین نے یہ کیا ہے کہ یہ اُمت کسی خاص نسل، قبیلے تک محدود نہیں ہے۔ جب اس کی دعوت سب کے لیے ہے تو پھر اس کی دعوت کے راستے میں جو رکاوٹیں آئیں گی اُن کو توڑنے کے لیے جہاد کرنا ہوگا۔ ❸ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام مبارک ہی قربانیوں کی یاد دلاتا ہے ❹ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ اس کا ترجمہ امام ابن کثیرؒ ان الفاظ میں فرماتے ہیں هُوَ مَوْلٰىكُمْ ای حافظکم و ناصر کم ومظفرکم علی الاعداء فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ یعنی نعم المولیٰ ونعم الناصر من الاعداء یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے یعنی تمہارا محافظ ہے، مددگار ہے اور تمہیں دشمنوں کے مقابلے میں کامیاب کرنے والا ہے پس وہ کیا ہی بہترین کارساز ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں کیا ہی خوب مددگار ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

آیت مبارکہ کی تفسیر میں دوسرا قول

ویسے تو اس آیت مبارکہ میں لفظ جہاد پر کئی اقوال ہیں مگر دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ جہاد یہاں پر کوشش اور محنت کے معنیٰ میں ہے تب اس میں جہاد فی سبیل اللہ بھی آجاتا ہے اور اخلاص نیت بھی اور دین کی خاطر کی جانی والی ہر محنت اور مجاہدے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ آیت مبارکہ کا ترجمہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ اور محنت کرو اللہ واسطے جو چاہیے اس کی محنت۔ (موضح القرآن)

آیت مبارکہ کا یہ معنی لینے پر بھی کئی قرینے موجود ہیں۔

اختتام

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں جہاد سے مُراد کفار سے جنگ کرنا ہے اسی لیے بحث کا اختتام تفسیر جلالین کی عبارت پر کیا جاتا ہے جو اکثر مفسرین کے قول کے مطابق ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ لاقامة دينه حَقَّ جِهَادِهٖ باستفراغ الطاقة فيه اور جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اُس کے دین کی اقامت کے لیے جیسا کہ جہاد کا حق ہے کہ اس میں اپنی پوری طاقت صرف کی جائے (جلالین)

الحمدلله تمّ سورة الحج بفضل الله تعالىٰ ورحمته ومنّه، اللهم لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك ولعظيم سلطانك اللهم لا أحصى ثناءً عليك انت كما اثنيت على نفسك، وصل اللهم وبارك وسلم علىٰ حبيبك سيدنا محمد واله وصحبه بعدد خلقِكَ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين

۱۱ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

۱۷ مئی ۲۰۰۸ء یوم السبت

سُورَةُ

النُّور

مدنية

ابتدائیہ

اس تالیف میں "سورۃ النور" کی درج ذیل
چار آیات کے معارف الجہاد کو بیان کیا گیا ہے

آیت ۵۳

آیت ۵۴

آیت ۵۵

آیت ۶۲

ابتدائیہ

چار آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ

آیت ۵۳ ۵۴ منافق جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم ضرور جہاد میں نکلیں گے (مگر نکلتے نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں فائدہ ہی فائدہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان نہیں۔

آیت ۵۵ زمین پر خلافت، تمکینِ دین اور امن کا پکا وعدہ۔

آیت ۶۲ اصل ایمان والے وہ ہیں جو جہاد وغیرہ کے اجتماع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لئے بغیر نہیں جاتے۔

اختتام ابتدائیہ وآغاز معارف آیات الجہاد

سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵۳،۵۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا

اور اللہ تعالیٰ کی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو سب کچھ چھوڑ کر نکل جائیں کہہ دو قسمیں نہ کھاؤ

طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ

دستور کے موافق فرمانبرداری چاہئے بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ کہہ دو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی

اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ

فرمانبرداری کرو پھر اگر منہ پھیرو گے تو پیغمبر پر تو وہی ہے جس کا وہ ذمہ دار ہے اور تم پر وہ ہے جو تمہارے ذمہ لازم کیا گیا ہے

وَ اِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۵۴﴾

اور اگر اس کی فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

خلاصہ

❶ منافق لوگ زوردار قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جہاد کا حکم دیں گے تو ہم ضرور نکلیں گے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جتنی بڑی قربانی کے لئے حکم فرمائیں گے ہم وہ قربانی دیں گے۔

❷ ان منافقوں سے کہہ دیا جائے کہ قسمیں نہ کھاؤ، اونچے دعوے نہ کرو بس دستور کے مطابق فرمانبرداری تم سے مطلوب ہے...... ایسی فرمانبرداری تو خود عمل سے نظر آتی ہے اُسے قسموں سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے کہ تم قول و فعل کے کس تضاد میں مبتلا ہو۔

❸ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری نہیں کرو گے تو اُن کا کچھ نقصان نہیں ہوگا، اُن کے ذمے تم تک اللہ تعالیٰ کا حکم صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری فرمادی پس وہ تو کامیاب ہیں۔ تم اپنی ذمہ داری پر نظر رکھو تمہارا کام اُنکی اطاعت ہے اگر تم نے اطاعت کی تو کامیاب ہو جاؤ گے...... اس لئے قسمیں کھانے اور اونچے دعوے کرنے کی بجائے عمل کرو، اطاعت کرو اسی میں تمہارا اپنا فائدہ ہے، تمہارا اطاعت کرنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان نہیں۔

اگر آپ ﷺ جہاد میں نکلنے کا حکم دیں

❶ منافقین کہا کرتے تھے اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جہاد میں نکلنے کا حکم فرمائیں تو ہم فوراً نکل پڑیں گے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہمیں اپنے گھروں کو چھوڑ دینے کا حکم دیں گے تو ہم فوراً چھوڑ دیں گے۔

ای لئن امرنا محمد بالخروج الی الغزو لغزونا او بالخروج من دیارنا لخرجنا (المدارک)

❷ نکلنے سے مراد جہاد کے لئے نکلنا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں نکلنے کا حکم فرمائیں تو ہم نکل پڑیں گے۔

والمراد بهذا الخروج الخروج للجهاد كما أخرجه ابن ابی حاتم عن مقاتلؒ (روح المعانی)

❸ منافق کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے گھر، اپنی عورتیں اور اپنے اموال چھوڑ جانے کا حکم دیں تو ہم یہ سب کچھ چھوڑ کر نکل پڑیں گے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جہاد کا حکم دیں تو ہم جہاد میں نکل کھڑے ہوں گے۔

فقالوا والله لو امرتنا ان نخرج من ديارنا و نساءنا واموالنا لخرجنا ولوامرتنا بالجهاد لجاهدنا فنزلت هذه الاية (القرطبی)

❹ ’’وہ منافق قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر آپ ہمیں وطن سے نکل جانے کا بھی حکم دیں گے تو ہم تعمیل کریں گے یعنی ہم دل سے مطیع ہیں فرمایا کہہ دو کیوں جھوٹی قسمیں کھاتے ہو، وطن سے نکلنے کا کوئی حکم نہیں دیتا دستور کے موافق اطاعت کا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتا ہے اسی پر قائم رہو‘‘ (حقانی)

❺ ’’بغویؒ نے لکھا ہے کہ منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ آپ جہاں ہوں گے ہم آپ کے ساتھ ہوں گے اگر آپ (غزوات یا جہاد کے لئے) نکلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ نکلیں گے اگر آپ (کہیں) قیام کریں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ ٹھہر جائیں گے (آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے) اگر آپ ہم کو جہاد کا حکم دیں گے تو ہم جہاد کریں گے آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ (جھوٹی) قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرمانبرداری (کی حقیقت) معلوم ہے (مظہری)

حکم تو فرما دیا تھا

جہاد کا حکم تو نازل ہو چکا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی جہاد میں تشریف لے جاتے تھے، صحابہ کرام بڑھ چڑھ کر جہاد میں حصہ لے رہے تھے، اِن حالات میں منافقین کا یہ کہنا کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم نکلیں گے۔ بہت عجیب سی بات ہے۔ جب جہاد کا وقت ہوتا تو وہ بہانے بنا کر گھر بیٹھ جاتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لاتے تو وہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر آئندہ مکمل فرمانبرداری اور ہر طرح کی قربانی کا وعدہ کرتے۔ اور انداز ایسا اختیار کرتے کہ گویا کہ وہ اطاعت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان کر رہے ہیں۔ تب قرآن پاک نے یہ اصول بیان فرما دیا کہ اپنے عمل سے اطاعت دکھاؤ اپنی باتوں اور دعوؤں سے نہیں۔ اور یہ کہا کہ تمہاری اطاعت اور نافرمانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی فرق نہیں پڑتا حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

’’ذو وجهين (یعنی دو چہروں والے) منافقین سے کہا جاتا ہے، زبانی جمع خرچ مت کرو، کام کے وقت کام کر کے دکھاؤ...... اے رسول ان سے کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا...... اگر وہ اطاعت نہ کریں تو آپ کے ذمہ تو فقط تبلیغ ہے...... احکام کی تعمیل اُن لوگوں کے

ذمے ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

مخلص مسلمان اطاعت کی قسمیں نہیں کھاتے بلکہ اطاعت کر کے دکھاتے ہیں جب کہ منافق یہی کہتے رہتے ہیں کہ جناب جیسے حکم فرمائیں...... اُن کو بتایا جا رہا ہے کہ حکم تو فرما دیا ہے اب اچھے طریقے سے اطاعت کر کے دکھاؤ (واللہ اعلم بالصواب)

طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ

اس جملے کے حضرات مفسرین نے چار ترجمے بیان فرمائے ہیں:

❶ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت خوب معلوم ہے کہ یہ صرف زبان سے ہوتی ہے دل سے نہیں

لان طاعتکم معروفة بانها واقعة باللسان فقط من غیر مواطاة القلب (روح المعانی)

❷ قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں بس اپنی استطاعت کے مطابق اطاعت اور عمل کر کے دکھاؤ یعنی اونچے دعووں کی بجائے درمیانی درجے کی اطاعت زیادہ بہتر ہیں لا تتکلفوا القسم طاعة معروفة متوسطة علی قدر الاستطاعة امثل واجدی لکم (البحر المحیط)

❸ قسموں کو کافی نہ سمجھو تمہاری اطاعت تمہارے عمل کی صورت میں نظر آنی چاہیے، ظاہر ہونی چاہیے۔

لا تقنعوا بالقسم طاعة تعرف منکم وتظهر علیکم وهو المطلوب (البحر المحیط)

❹ قسمیں کھا کر ہمیں مطمئن کرنے کو اپنے لئے کافی نہ سمجھو اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو واضح چیز ہے اور دشمنوں سے جہاد کرنا سب کو نظر آتا ہے...... پس تمہاری نجات کے لئے یہ کافی نہیں کہ قسمیں کھا کر ہمیں مطمئن کر لو بلکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے اور جہاد میں نکلنا چاہیے لا تقنعوا لانفسکم بارضاء نا بالقسمة طاعة الله معروفة وجهاد عدوه مهیع لائح (البحر المحیط)

امام نسفیؒ اس جملے کا مطلب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں تم سے ایسی اطاعت اور فرمانبرداری کا مطالبہ ہے جو مخلص مسلمانوں کی اطاعت کی طرح ٹھیک اور واضح ہو اور اس میں کوئی شک وشبہ نہ کیا جا سکے...... ای الذی یطلب منکم طاعة معروفة لایشك فیها ولا یرتاب کطاعة الخلص من المؤمنین (المدارک)

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی اطاعت کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)

طلبہ علم کے لئے آسان تفسیر

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ غایتها لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ بالجهاد لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لهم لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ للنبی، خیرمن قسمکم الذی لاتصدقون فیه اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ من طاعتکم بالقول، ومخالفتکم بالفعل قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا عن طاعة بحذف احدی التائین خطاب لهم فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ من التبلیغ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ من طاعة وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ البیّن (جلالین)

☆☆☆

سُوۡرَةُ النُّوۡرِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت

الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ

عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کیلئے جس دین کو پسند کیا ہے اسے ضرور مستحکم کردے گا اور

الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ

ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو

لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ شَيۡـئًـا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰ لِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾

شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد ناشکری کرے وہی فاسق ہوں گے۔

خلاصہ

❶ ایمان کامل اور اعمال صالحہ پر تین چیزوں کا پکا وعدہ ہے

★ زمین پر خلافت عطاء ہوگی

★ تمکین دین...... یعنی دین اسلام زمین پر مضبوط، مستحکم اور نافذ ہو جائے گا

★ امن...... یعنی دشمنوں کے خوف سے امن مل جائے گا۔

جن لوگوں کو یہ نعمتیں نصیب ہونگی اُن کی حالت یہ ہوگی کہ...... خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہیں گے اور ہر طرح کے شرک سے بچیں گے اور جو کوئی اس نعمت کے بعد ناشکری کرے وہ بڑا نافرمان ہوگا۔

❷ اس آیت سے چاروں خلفائے راشدین کی خلافت کا برحق ہونا صاف صاف ثابت ہوا (حقانی)

آیت استخلاف

یہ آیت مبارکہ عُرف میں ’’آیت استخلاف‘‘ کے نام سے مشہور ہے حضرات مفسرین نے اپنے اپنے رنگ اور انداز میں اس آیت پر بہت تفصیل سے لکھا ہے...... اور کئی اہم مضامین کو بیان فرمایا ہے...... اس آیت سے درج ذیل جہادی معارف سمجھے جا سکتے ہیں۔

❶ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو جو خلافت، قوت اور امن دینے کا وعدہ فرمایا یہ وعدہ جہاد فی سبیل اللہ کے عمل کے ذریعہ پورا ہوا حضرات صحابہ کرام نے جہاد کیا اور اللہ پاک نے اُن کو فتوحات عطاء فرمائیں

❷ یہ وعدہ ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر کیا گیا...... جہاد کو ماننا ایمان کا حصہ ہے اور جہاد میں شرکت کرنا بہت بڑا عمل ہے۔ اس لئے اب بھی اُنہیں مسلمانوں کو یہ وعدہ نصیب ہوگا جن کا ایمان مکمل اور عمل صالح پورا ہوگا...... جہاد کو مانے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا کیونکہ جہاد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور جہاد پر عمل کئے بغیر عمل صالح پورا نہیں ہوتا کیونکہ جہاد اسلام کی بلند ترین چوٹی کا نام ہے۔

❸ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ حضرات صحابہ کرام کے ساتھ پورا ہوا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کا ایمان اور اُن کے اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ تھے...... پس جس زمانے کے مسلمان اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کو حضرات صحابہ کرام جیسا بنائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کو بھی اس وعدے کی برکات نصیب فرمائے گا۔ حضرات صحابہ کرام کے ایمان اور اعمال صالحہ میں جہاد بہت اہمیت کے ساتھ موجود تھا...... چنانچہ جہاد کو مانے بغیر اور جہاد کو کئے بغیر کسی کا بھی ایمان و عمل حضرات صحابہ کرام جیسا نہیں ہوسکتا...... (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

اس آیت مبارکہ کی تفصیل اور سیر حاصل تفسیر پڑھنی ہو تو حضرت کاندھلویؒ کی تفسیر ’’معارف القرآن‘‘ میں ملاحظہ فرمائیں انہوں نے تقریباً اُنیس صفحات پر اس آیت مبارکہ کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے کی سعی مشکور فرمائی ہے فجزاھم اللہ احسن الجزاء...... نیز تفسیر ابن کثیرؒ، انوار البیان، بیان القرآن اور تفسیر ماجدی میں بھی مسلک اہلسنت کی بہترین ترجمانی کی گئی ہے...... امام قرطبیؒ اور امام نسفیؒ نے قدرے مختصر مگر جامع تقریر فرمائی ہے...... طلبہ علم ان تفاسیر کی طرف رجوع فرمائیں...... یہاں چند ضروری عبارات اور حوالہ جات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کلام برکت

صاحب تفسیر عثمانیؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر کو تسہیل اور اضافے کے ساتھ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

’’یہ خطاب فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے لوگوں کو یعنی جو اُن میں اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبع ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن کو زمین کی حکومت دے گا اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے اُن کے ہاتھوں سے دنیا میں اُس کو قائم کرے گا گویا جیسا کہ لفظ استخلاف میں اشارہ ہے وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے، بلکہ پیغمبر کے جانشین ہوکر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے اور دین حق کی بنیاد جمائیں گے اور خشکی و تری میں اُس کا سکہ بٹھلاویں گے...... اُس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہوگا ان مقبول و معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہوگی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی، شرک جلی کا تو وہاں ذکر کیا ہے شرک خفی کی ہوا بھی اُن کو نہ پہنچے گی، صرف ایک خدا کے غلام ہوں گے اُسی سے ڈریں گے اُسی سے امید رکھیں گے اُسی پر بھروسہ کریں گے اُسی کی رضا میں اُن کا جینا اور مرنا ہوگا کسی دوسری

ہستی کا خوف وہراس اُن کے پاس نہ پھٹکے گا نہ کسی دوست کی خوشی ناخوشی کی پرواکریں گے الحمدللہ کہ وعدہ الٰہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پورا ہوا...... اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا...... خلفائے اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہانِ اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے...... احادیث سے معلوم ہوا ہے کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہونگے جن کے متعلق عجیب غریب بشارات سنائی گئی ہیں...... وہ خدا کی زمین کو عدل سے بھر دیں گے اور خارق عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ اسلام کا کلمہ بلند کریں گے۔“

اللهم احشرنا فی زمرته وارزقنا شهادة فی سبيلك انك واسع المغفرة وذوالفضل العظيم

تنبیہ: اس آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی بڑی بھاری فضیلت ومنقبت نکلتی ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی ایسے انعامات عظیم کے بعد ناشکری کرنا بہت ہی بڑے نافرمان اور ہیکڑ مجرم کا کام ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی خلفائے اربعہ کی خلافت (اور اُن کے فضل وشرف) سے منکر ہوا ان الفاظ سے اُس کا حال سمجھا گیا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ربنا انك رؤف رحيم (تفسير عثمانی)

آیت کریمہ کے شان نزول کے واقعات

حضرات مفسرین نے کئی روایات ذکر فرمائی ہیں جن سب کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ مسلمان مکہ مکرمہ میں بھی خوف کی حالت میں تھے مدینہ منورہ پہنچے تو جہاد فرض ہوگیا لڑائیاں شروع ہوگئیں، صبح شام اسلحہ ساتھ رکھتے تھے اور خوف کی حالت تھی تب ان میں سے بعض نے کہا کہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ ہمیں بھی امن نصیب ہوگا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے عنقریب امن کا وعدہ فرمایا اور یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

آیت مبارکہ معجزات میں سے ہے

جس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہو رہی تھی اُسوقت اِس کا تصور بھی مشکل تھا کہ مسلمانوں کی خلافت زمین میں اس شان کے ساتھ قائم ہوگی کہ دین نافذ ہوکر جم جائے گا اور مسلمان بے خوف ہوں گے...... مگر کچھ عرصہ بعد یہ تمام باتیں پوری ہوئیں...... یہ آیت مبارکہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے سچا ہونے کی دلیل ہے۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

دلّت الآية علىٰ صحة نبوة محمد صلى الله عليه وسلم لانه اخبر عن الغيب فی قوله لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا : وقد وجد هذا المخبر موافقا للخبر ومثل هذا الخبر معجز والمعجز دليل الصدق فدل على صدق محمد صلى الله عليه وسلم (تفسير كبير)

یہ خطاب عام ہے تمام مسلمانوں کے لیے

کئی مفسرین حضرات کے نزدیک یہ خطاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اُمت سے ہے کہ جو بھی ان میں سے ایمان لائیں گے اور پھر ایمان کے مقتضیات پر عمل کریں گے اُن کے لیے یہ وعدہ ہے...... حضرت تھانویؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

اے مجموعہ اُمت تم میں سے جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں یعنی ہدایت کا کامل اتباع کریں اُن سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ اُن کو اس اتباع کی برکت سے زمین میں حکومت عطاء فرمائے گا جیسا اُن سے پہلے اہل ہدایت لوگوں کو حکومت دی تھی مثلاً بنی اسرائیل کو قبطیوں پر غالب کیا پھر عمالقہ پر غلبہ دیا اور مصر و شام کی حکومت دی اور مقصود اس کا حکومت دینے سے یہ ہوگا کہ جس دین کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے پسند کیا ہے یعنی اسلام (لقولہ تعالیٰ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا) اس کو ان کے نفع آخرت کے لئے قوت دے گا (بیان القرآن)

اس قول کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے قرطبی اور روح المعانی۔

خلافت

ایسی بادشاہت اور سلطنت جس کے ساتھ تمکین دین یعنی غلبہ اسلام اور اہل اسلام کے لئے کامل امن و امان بھی جمع ہوں تو وہ خلافت راشدہ ہے اور خلیفہ راشد وہ فرمانروا ہے کہ جو مؤمن، صالح اور خدا پرست ہو اور نظام مملکت قانونِ شریعت کے مطابق ہو“۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

”حکومت و حاکمیت کا مفہوم بھی گو اکثر خلافت کے ساتھ شامل ہوگیا ہے لیکن ”خلافت“ حکومت و حاکمیت کے مترادف نہیں، خلافت کے لئے حکومت کا ”عادلہ“ ہونا لازمی ہے جس میں شریعت ربانی کا سکہ چلے اور حدود الٰہی کی پوری نگہداشت ہو...... یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اسی کا وعدہ کامل الایمان مسلمانوں سے ہے اور یہی اُن کے لئے مطلوب ہے...... ایسی حکومت جو مزرعہ آخرت ہو۔

مطلق حکومت جس کی بنیاد ہی جاہ و تفوق، مسابقت و خود غرضی پر ہوتی ہے ایک شکل خالص دنیا کی ہے، ہرگز کسی مسلمان کا مطلوب نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس کا کوئی وعدہ مسلمانوں سے ہے وہ تو دوسری تکوینی چیزوں کی طرح محض مادی تدبیروں، دنیوی اسباب کی فراہمی سے حاصل ہوسکتی ہے، جیسے آج بھی یورپی اور امریکی قوموں کو حاصل ہے“۔ (تفسیر ماجدی)

تین وعدے جو پورے ہوئے

”یہ آیت عرف میں آیت استخلاف کے نام سے مشہور ہے اس لئے کہ آیت میں خلیفہ بنانے کا ذکر ہے...... یہ آیت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لئے نازل فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کا وعدہ فرمایا (اول) استخلاف فی الارض یعنی آسمانی بادشاہت اور نبوت کی خلافت عطاء کریں گے یعنی وہ محض دنیاوی بادشاہت

نہ ہوگی بلکہ نبوت کی خلافت اور نیابت ہوگی اور وہ سلطنت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام کی خلافت وسلطنت کے ہم رنگ ہوگی (دوم) تمکین دینِ متین یعنی جو دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے یعنی دین اسلام وہ خلفاء کے ہاتھوں اس قدر مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کی نشر واشاعت اور اُس کی تبلیغ ودعوت اور اُس کے احکام کے اجراء وتنفیذ میں مزاحم نہیں ہو سکے گی اور چار دانگ عالم میں دین اسلام کا ڈنکا بج جائے گا۔ (سوم) تبدیل خوف با مَن یعنی دشمنوں کا خوف امن سے بدل جائے گا۔ اہل اسلام کو سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ رہے گا بلکہ اس کے برعکس روئے زمین کے کافر مسلمانوں کی قوت وشوکت سے لرزاں اور ترساں ہوں گے۔

یہ تین وعدے حق سبحانہ وتعالیٰ نے اُن لوگوں سے فرمائے جو نزول آیت کے وقت زمین پر موجود تھے اور نزول آیت سے پہلے ایمان اور عمل صالح سے آراستہ ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن سے یہ تین وعدے فرمائے کہ ہم تم کو دنیاوی زندگی میں یہ تین نعمتیں عطاء کریں گے سوالحمدللہ یہ وعدہ الٰہی حرف بحرف پورا ہوا صدق اللّٰہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ اللہ تعالیٰ نے جنگ احزاب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں پر کھلم کھلا غلبہ عطاء فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی مکہ مکرمہ اور خیبر اور بلاد یمن اور بحرین اور طائف وغیرہ سب فتح ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کے یہ تینوں وعدے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر پورے ہوئے جن کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور کسی منکر کو انکار کی جرأت نہ ہوئی۔

پہلا وعدہ

استخلاف فی الارض کا تھا، یعنی زمین میں تم کو خلافت اور سلطنت عطاء کریں گے سو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ایسی بادشاہت دی کہ قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں اُن کے ہاتھ آئیں اور اس وقت روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں سب سے بڑی تھیں...... عہد فاروقی میں دونوں زیر وزبر ہو گئیں اور آپ کے زمانہ میں بلاد شام اور بلاد عراق اور اکثر اقلیم فارس فتح ہو گئے اور دن بدن دائرہ فتوحات کا وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ دنیا میں جو سلطنت باقی رہ گئی وہ اس قابل نہ تھی کہ اسلامی حکومت کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے اور اسی کا نام اقتدار اعلیٰ ہے۔

دوسرا وعدہ

تمکین دین متین کا تھا یعنی جو دین خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا وہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا سو اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ مشرق سے مغرب تک اسلام پھیل گیا اور ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر ہو گئے یعنی ہر جگہ اسلامی عدالتیں قائم ہو گئیں غرض یہ کہ ان حضرات کے زمانہ میں دین اسلام کے قدم روئے زمین پہ ایسے جمے کہ ظاہر اسباب میں اُن کا اکھاڑنا ناممکن ہو گیا اور بظاہر کوئی قوت ایسی نہ رہی کہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کامیاب ہو سکے۔

تیسرا وعدہ

اعطاء امن بعد الخوف تھا وہ بھی بحمدہ تعالیٰ پورا ہوا اور مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی ہر قسم کے دشمنوں سے نجات ملی اور امن وامان کی یہ کیفیت ہوئی کہ خلفائے راشدین کے دور خلافت میں اور خاص کر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کو کافروں کا کوئی خوف وخطرہ نہ تھا۔ معاملہ برعکس ہو گیا بجائے مسلمانوں کے کافر خوف زدہ ہو گئے جس طرح مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گیا اس طرح کافروں کا امن خوف سے بدل گیا بحمداللہ یہ تینوں وعدے خلفائے راشدین کے ہاتھوں پورے ہوئے...... حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین تک کا تمام علاقہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام کے زیر نگین آ چکا تھا اور اس دنیا میں سب سے بڑی سلطنتیں دو ہی تھیں۔ ایران میں مجوسیوں کی سلطنت تھی اور شام اور روم میں عیسائیوں کی سلطنت تھی اور دونوں سلطنتیں فوج اور خزانہ کے اعتبار سے بے مثل تھیں مسلمان تعداد کے اعتبار سے بھی تھوڑے اور تنگدست بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فتنہ ارتداد کھڑا ہو گیا جس سے اسلام کی بنیادیں ہل گئیں ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فتنہ ارتداد کا قلع قمع کیا...... ایک سال میں جب اسلام کی بنیادیں استوار ہو گئیں تو صدیق اکبرؓ نے قیصر وکسریٰ پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا اور فوجیں روانہ کیں اور مصر وشام کے کچھ سرحدی علاقے فتح ہوئے اتنے میں پیغام خداوندی آ پہنچا اور دنیا سے رخصت ہوئے اور فاروق اعظمؓ کو اپنا جانشین بنا گئے فاروق اعظمؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد کام وہیں سے شروع کیا جہاں ابوبکر چھوڑ گئے تھے اور قیصر وکسریٰ کے لئے فوجیں روانہ کیں، چنانچہ ان کے زمانہ خلافت میں سارا ملک شام اور سارا مصر اور اکثر ملک فارس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے بہت کوشش کی مگر سوائے کسرِ شوکت واقبال کچھ نہ دیکھا اور قیصر نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر سوائے قصورِ طالع کے کچھ نہ دیکھا اور دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں پر تقسیم ہوئے، اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں اسلامی سلطنت کی حدود جانب مغرب میں اندلس اور قبرص اور قیروان اور بحر محیط تک پہنچیں اور مشرق میں بلاد چین تک تمام علاقہ فتح ہو گیا اور خراسان اور ایران اور بلخ تک تمام علاقہ فتح ہو کر اسلام کے زیر نگین آ گیا اور مسلمانوں نے ترکوں سے سخت قتال کیا اور خاقانِ چین ذلیل وخوار ہوا اور اُس نے خراج بھیجا اور حضرت عثمانؓ ہی کے دور خلافت میں کسریٰ کی حکومت کا نام ونشان بھی نہ رہا اور ۳۰ھ میں کسریٰ مارا گیا اور مدینہ کے بیت المال میں مشارق اور مغارب سے خراج آنے لگا اور اسلام مستحکم اور مضبوط ہو گیا اور اسلام اور مسلمانوں کو کسی دشمن کا خوف وخطر نہ رہا...... خلاصہ کلام یہ کہ وعدہ خداوندی کے مطابق اس قلیل عرصہ میں صدیوں کی حکومتوں کا خاتمہ ہوا اور اسلام باوجود بے سروسامانی کے اُن پر فتح یاب ہوا اور دنیا کی ان دو عظیم سلطنتوں کی بے شمار فوجوں کے مقابلہ میں لشکر اسلام مظفر ومنصور ہوا اور اسلام کا کلمہ بلند ہوا اور مشارق ومغارب کا خراج مدینہ کے خزانہ میں آیا ایسی فتح مبین اور ایسی تمکینِ دین نہ کبھی دیکھی گئی اور نہ کبھی سنی گئی...... الحمدللہ اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ حرف بحرف پورا ہوا خلفائے

راشدین کے بعد کچھ بادشاہانِ اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور آئندہ بھی اگر خدا نے چاہا تو آئیں گے اور روئے زمین کے آخری خلیفہ امام مہدیؑ ہوں گے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور اُن کی خلافت اسی شان کی ہوگی۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

اس تقریر کا بہت سا حصہ تفسیر ابن کثیر سے ماخوذ ہے۔

جب شرط پر عمل نہ رہا

’’پھر ہوا یہ کہ مسلمانوں نے شرط کی خلاف ورزی کی، ایمان بھی کمزور ہوگیا اور اعمال صالحہ بھی چھوڑ بیٹھے، عبادت الٰہیہ سے بھی پہلوتہی کرنے لگے لہٰذا بہت سے ملکوں سے حکومتیں ختم ہوگئیں اور بہت سی جگہ خوف و ہراس میں مبتلا ہوگئے امن وامان تباہ ہوگیا اور دشمنوں سے امن وامان کی اور اپنی حکومتوں کی بھیک مانگنے لگے‘‘۔ (انوار البیان)

شرک نہ کرنے کے چار مطلب

ارشاد فرمایا کہ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا امام قرطبیؒ نے اس کے چار مطلب بیان فرمائے ہیں۔

1. میرے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے
2. میری عبادت میں کسی کے لئے ریاکاری نہیں کریں گے
3. میرے سوا کسی سے نہیں ڈریں گے
4. میرے سوا کسی سے محبت نہیں کریں گے

احدھا لا یعبدون الٰھاً غیری الثانی لا یراؤن بعبادتی احداً الثالث لا یخافون غیری الرابع لایحبّون غیری (القرطبی)

پہلا قول نقاشؒ کا تیسرا حضرت ابن عباسؓ اور چوتھا مجاہدؒ کا ہے۔

خلافت بغیر جہاد کے؟

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو خلافت کی بے حد ضرورت ہے...... خلافت کے قائم ہونے سے ہی اس اُمت کی عظمت رفتہ بحال ہوسکتی ہے...... مگر یہ خلافت بغیر جہاد فی سبیل اللہ کے قائم ہوجائے گی ایسا سوچنا بھی عجیب تر ہے تمام مسلمان اس آیت مبارکہ پر دل کی گہرائیوں سے غور کریں اور پھر ایمان کی تکمیل اور اعمال صالحہ کے التزام کی محنت فرمائیں اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقام اور اُس کی ضرورت کو سمجھیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آیت ۵٦ اور ۵۷ کا جہادی مضمون

کئی مفسرین حضرات نے اس آیت مبارکہ کے بعد والی دو آیات کے جہادی مضمون کو بیان فرمایا ہے...... ملاحظہ فرمائیے یہ دو عبارتیں۔

❶ ''اور اس وعدہ کے بعد پھر اُن مسلمانوں کو جن کے لئے خلافت و امامت اور زمین پر حکومت و شوکت کا وعدہ کیا ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ الخ کا حکم دیتا ہے کہ زمین پر اقتدار پا کر اور سلطنت اور شوکت حاصل کر کے بنی اسرائیل کی طرح خدا اور اس کے رسول سے برگشتہ نہ ہو جانا بلکہ نماز و روزہ اور جمیع امور میں اس کے احکام کی پابندی کرنا جن کی طرف اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ میں اجمالاً اشارہ ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے، ورنہ قہر الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے شوکت و سلطنت چھین لی جائے گی اور جو دنیا میں اقتدار پا کر خدا سے سرتابی کرتے ہیں اور تکبر میں آ کر دین کی پروانہیں کرتے ان کو یہ نہ سمجھو کہ وہ خدا کے قبضے میں نہیں رہے، دنیا میں بھی وہ رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی اُن کا ٹھکانا جہنم ہے اور نیز اس فقرہ لَا تَحْسَبَنَّ الخ میں مسلمانوں کو تسلی دیتا اور اپنے وعدہ خلافت کا وثوق ظاہر کرتا ہے کہ اے مسلمانو! آج جو تم کفار سے دبے ہوئے ہو اور تمہارے مقابلہ میں روم و ایران وغیرہ بڑی بڑی سلطنتیں ہیں یہ سب ہمارے بس میں ہیں ان کو ہم مغلوب و مقہور کرنے پر قادر ہیں'' (تفسیر حقانی)

❷ ''احکام بدنیہ (صلوٰۃ) اور مالیہ (زکوٰۃ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اطاعت کرو تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو...... رحمت الٰہی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ حق پرست جماعت فاتح اور فائز المرام ہوگی اور کافر خدائی طاقتوں کا کب مقابلہ کر سکتے ہیں؟''۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۶۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَإِذَا كَانُوْا مَعَهٗ

مومن تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ اس کے ساتھ کسی

عَلٰٓى أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوْهُ ۭ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَأْذِنُوْنَكَ

جمع ہونے کے کام میں ہوتے ہیں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لیں جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوْكَ لِبَعْضِ

وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں پھر جب اپنے کسی کام کیلئے اجازت مانگیں تو ان میں سے

شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ

جسے تو چاہے اجازت دے اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کر اللہ تعالیٰ بخشنے والا

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٢﴾

نہایت رحم والا ہے۔

خلاصہ

❶ اصل ایمان والے وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جب جہاد وغیرہ اجتماعی کاموں میں شریک ہوتے ہیں تو بغیر اجازت کے وہاں سے نہیں جاتے۔

❷ آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ اجازت دیں یا نہ دیں اگر کسی کو اجازت دیں تو اُس کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔

شانِ نزول

آیت مبارکہ کے شان نزول میں اکثر مفسرین حضرات نے یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے۔

”غزوہ احزاب کے موقع پر قریش مکہ ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ منورہ کی آبادی کے قریب بیر رومہ کے پاس ٹھہر گئے اور قبیلہ بنی غطفان کے لوگ آئے تو یہ لوگ اُحد کی طرف آکر ٹھہر گئے (قریش اور بنی غطفان یہ تمام مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے آئے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد کی خبر ہوگئی اس موقع پر خندق پہلے ہی سے کھودی جا چکی تھی، جس میں مسلمانوں نے خوب خوشی سے حصہ لیا...... لیکن منافقین اول تو دیر سے آتے تھے اور جب آتے تھے تو تھوڑا بہت کام کر دیتے تھے، پھر جب جانا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور اجازت کے

بغیر چپکے سے کھسک جاتے تھے اور مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جاتے تھے پھر جب ضرورت پوری ہو جاتی تھی تو واپس آجاتے تھے اللہ جل شانہ نے اس آیت میں اہل ایمان کی توصیف فرمائی۔ (در منثور، انوار البیان)

امر جامع کا مطلب

❶ امر جامع یعنی وہ کام جو اجتماع کو واجب کرے یعنی ایسا کام جس میں مسلمانوں کا مجمع ضروری سمجھا جائے جیسا کہ مخالفین سے لڑائی (وغیرہ) (حقانی)

❷ ای الذی یجمع له الناس نحو الجهاد والتدبیر فی الحرب وکل اجتماع فی اللہ حتی الجمعة والعیدین

یعنی وہ کام جس کے لئے لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے جیسے جہاد یا جنگی مشورہ اور ہر وہ اجتماع جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو یہاں تک کہ جمعہ اور عیدین کا اجتماع (المدارک)

❸ عن مجاهد فی الحرب وغیره

امام مجاہد کے نزدیک اس سے جنگ کا اجتماع مُراد ہے یعنی جب جہاد کے لئے جمع ہوں۔ (تفسیر کبیر)

آسان تفسیر

"یعنی پورے ایمان والے وہ ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ، عیدین، جہاد اور مجلس مشاورت وغیرہ تو بدون اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے یہی لوگ ہیں جو کامل اور صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں...... فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ یعنی غور وفکر کے بعد جس کو مناسب سمجھیں اجازت دے دیں مگر اجازت پر عمل کر کے چلے جانے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے محرومی اور دین پہ دنیا کو ترجیح دینے کا شائبہ ہے اس لئے اُن مخلصین کے حق میں استغفار فرمائیں تاکہ آپ کے استغفار کی برکت سے اُن کے اس نقصان کی تلافی ہو سکے"۔ (عثمانی تسہیل)

آیت ٦٣ کا جہادی مضمون

اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت کے بعد والی آیت میں بھی جہادی مضمون بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہونا لازمی ہے اور منافق لوگ جہاد کے مواقع سے چپکے کے ساتھ کھسک جاتے ہیں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

وقیل کانوا یتسللون فی الجهاد رجوعا عنه یلوذ بعضهم بعضا وقال الحسن لواذا فرارا من الجهاد

یعنی ایک قول یہ ہے کہ منافق جہاد کے اجتماع سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر کھسک جاتے تھے اور امام حسن

بصریؒ فرماتے ہیں کہ لِوَاذًا کا معنیٰ ہے جہاد سے فرار ہونے کے لئے (وہ کھسک جاتے تھے) (القرطبی)
امام قرطبیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن العربیؒ کے نزدیک ان دو آیات کا حکم جہاد کے ساتھ مخصوص ہے مگر میرے نزدیک آیات کو جہاد اور دیگر اجتماعات کے لئے عام رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

واختار ابن العربی ما ذکره فی نزول الآیة عن مالك وابن اسحاق وأن ذلك مخصوص فی الحرب قلت القول بالعموم اولی وارفع واحسن واعلی (القرطبی)

امام ابو حیانؒ لکھتے ہیں:

وقال الحسن لِوَاذًا فرارًا من الجهاد وقیل: فی حفر الخندق ینصرف المنافقون بغیر اذن ویستاذن المؤمنون اذا عرضت لهم حاجة وقال: مجاهد لواذا اخلافا وقال ایضا یتسللّون من الصف فی القتال

یعنی کئی بڑے مفسرین کے نزدیک آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ منافق جہاد سے بھاگنے اور لڑائی کی صف سے نکلنے کے لئے کھسک جاتے تھے جن کا اس آیت مبارکہ میں تذکرہ ہے۔

کلام برکت

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

’’حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے سے فرض ہوتا تھا حاضر ہونا جس کام کو بلاویں پھر یہ بھی کہ وہاں سے بے حکم چلے نہ جاویں اب بھی چاہیے اپنے سرداروں سے کرنا (موضح القرآن)

یعنی اب مسلمانوں کے امیر کا یہی حکم ہے کہ اُس کے بلانے پر حاضر ہونا چاہیے اور اُس کی اجازت کے بغیر وہاں سے نہیں جانا چاہیے...... دیگر مفسرین اور فقہا کرام نے بھی یہ مسئلہ لکھا ہے کہ خصوصاً جہاد میں اطاعت لازمی ہے (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

آیت ۶۲ اور ۶۳ کا مضمون باہم جڑا ہوا ہے اور دونوں میں مضامین جہاد کا بیان بھی ہے اس لئے آیت ۶۳ کے مضامین جہاد کو بھی آیت ۶۲ کے ساتھ بیان کرنا چاہیے (واللہ اعلم بالصواب)

تمّ سورة النّور بتوفیق الله ورحمته وفضله

وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد وآله وصحبه وسلم تسلیماً

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱٤۲۹ھ ـ ۲۳ مئی ۲۰۰۸ء یوم الجمعة

☆☆☆

سُورَةُ

الأحزاب

مدنية

ابتدائیہ

اس تالیف میں "سورۃ الاحزاب" کی درج ذیل

بائیس آیات کے مضامین جہاد کو بیان کیا گیا ہے:

آیات
۹ تا ۲۷

آیت
۶۰

آیت
۶۱

آیت
۶۲

ابتدائیہ

بائیس آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ

آیت ⑨ غزوۂ احزاب میں جب اتحادی افواج نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا تب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تیز ہوا اور فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی...... وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے۔

آیت ⑩ مسلمانوں پر حملہ کئی اطراف سے تھا اور یہ بہت ہی مشکل وقت تھا۔

آیت ⑪ یہ امتحان اور آزمائش کا وقت تھا۔

آیت ⑫ منافق اپنی اصلیت پر اتر آئے اور بے ایمانی کی باتیں بولنے لگے۔

آیت ⑬ منافقین جہاد سے بھاگتے ہیں۔

آیت ⑭ منافقین مسلمانوں کے دشمن اور کافروں کے یار ہیں۔

آیت ⑮ منافقین نے پہلے یہ عہد کیا تھا کہ ہم آئندہ جہاد سے منہ نہیں موڑیں گے۔

آیت ⑯ جہاد سے بھاگنے والے موت سے نہیں بچ سکتے اور نہ جہاد سے بھاگنا زندگی میں کوئی اضافہ کر سکتا ہے۔

آیت ⑰ اللہ تعالیٰ مارنا چاہے تو کوئی بچا نہیں سکتا، بچانا چاہے تو کوئی مار نہیں سکتا، جو اللہ تعالیٰ سے کٹ جائے گا وہی بے یار و مددگار رہ جائے گا۔

آیت ⑱ منافقین خود بھی جہاد میں نہیں نکلتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔

آیت ⑲ منافقین بخیل، بزدل، بے حد لالچی، حریص اور بے ایمان

آیت ⑳ منافقین انتہائی بزدل، جہاد سے بہت دور۔

آیت ㉑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے میدان جہاد میں ثابت قدم رہنا ایمان کا تقاضا ہے۔

آیت ㉒ اتحادی افواج کو دیکھ کر ایمان والوں کے یقین اور ایمان میں ترقی ہوگی۔

آیت ㉓ اللہ تعالیٰ کے سچے وفادار بندے، بعض شہید ہوگئے اور بعض شہادت کے انتظار میں ہیں۔

آیت ㉔ غزوۂ احزاب اور جہاد کی ایک حکمت کا بیان کہ سچے مسلمان اور منافق الگ الگ ہو جائیں۔

آیت ㉕ غزوۂ احزاب کا انجام۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مسلمانوں کو فتح ملی اور اتحادی لشکر ناکام اور نامراد واپس لوٹ گئے۔

آیت ㉖ غزوۂ بنی قریظہ۔

آیت ㉗ اموال غنیمت، فتوحات کی بشارت۔

آیت ۶۰، ۶۱، ۶۲ مسلمانوں کو کافروں سے خوفزدہ کرنے والی خبریں پھیلانے والے بدکار منافقین کی سزا۔

اختتام ابتدائیہ و آغاز معارف آیات الجہاد

سُورَةُ الأَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر ہوا جب تم پر کئی لشکر چڑھ آئے پھر ہم

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ تعالیٰ

بَصِيْرًا ۹

دیکھ رہا تھا۔

خلاصہ

۱ غزوہ احزاب یعنی غزوہ خندق کے واقعہ کا آغاز

۲ مسلمان اللہ تعالیٰ کی نعمت اور انعام کو یاد کریں جب اس نے ایسے مشکل وقت میں ان کی نصرت فرمائی

۳ اللہ تعالیٰ نے غزوہ احزاب میں مسلمانوں کی نصرت کے لیے تیز آندھی بھیجی اور فرشتے نازل فرمائے

۴ مسلمانوں کا خندق کھودنا، جنگ کے لیے ڈٹ جانا اور مشکل حالات میں استقامت دکھانا یہ سب کچھ اللہ پاک نے دیکھا اور پسند فرمایا اور ان کی امداد فرمائی۔

آسان تفسیر

”اے ایمان والو تم اس نازک وقت میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا انعام یاد کرو کہ اس نے بغیر قتال ہی کے تم کو کافروں پر غلبہ دیا اور کافروں کو باوجود پورے ساز و سامان کے ذلت و خواری کے ساتھ میدان جنگ سے بھگایا۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا انعام ایسے ہی لوگوں پہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوں اور اپنے وعدوں پہ سچے ہوں اور منافقین کے کہنے پر نہ چلتے ہوں اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں اور اسی کے حکم پر چلتے ہوں۔ جس وقت کہ دشمنوں کے لشکر اور ان کی فوجیں تمہارے سر پر آ پہنچیں قریش مکہ اور غطفان اور کنانہ اور بنو قریظہ اور بنو نضیر یہ تمام جماعتیں متفقہ طور پر تم پر آ چڑھیں تو ہم نے دشمنان اسلام پر ایک تیز ہوا بھیجی جس نے ان کے خیمے اکھاڑ دیے اور ان کے گھوڑے چھوٹ گئے اور آگیں بجھ گئیں اور مٹی ان کے منہ پر آ کر لگنے لگی اور کافروں کی فوجیں گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئیں اور وہ آندھی باوجود اس زور اور شدت کے ان سے متجاوز نہ ہوئی صرف کفار کے لشکر تک محدود رہی۔

(کما فی روایۃ حذیفۃ عند ابن کثیرؒ. واذا الریح فی عسکرھم ماتجاوز عسکرھم شبرًا (ابن کثیر)) جیسا کہ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آندھی صرف کافروں پر بھیجی گئی تھی

اور مسلمانوں پر نہیں بھیجی گئی تھی اور اہل اسلام کی مدد کے لیے ہم نے فرشتوں کے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا فرشتوں کے لشکروں نے اگرچہ جنگ بدر کی طرح کافروں سے قتال نہیں کیا مگر ان کے دل میں رعب ڈالتے تھے اور لشکر کے اطراف وجوانب میں بآواز بلند ''اللہ اکبر'' کہتے تھے۔ (کمافی روح المعانی) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے لشکر میں یکلخت سراسیمگی پھیل گئی اور سراسیمگی اور پریشانی سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر قبیلہ کا سردار اپنے لوگوں سے کہنے لگا چلو، چلو، بھاگو، بھاگو اور بعض بدحواس ہو کر کہنے لگے کہ واللہ! محمد (ﷺ) نے تم پر جادو کر دیا ہے اب تم یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ لہٰذا کوچ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا تھا کہ آندھی سے دشمنوں کو ہلاک کیا اور اپنے دوستوں اور وفاداروں یعنی صحابہ کرامؓ کو محفوظ رکھا لہٰذا اے مسلمانو! تم کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس تازہ نعمت کا شکر کرو''۔ (معارف القرآن، کاندھلوی)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے (اس وقت کے) اعمال کو دیکھتے تھے کہ تم نے ایک طویل وعریض اور گہری خندق کھودنے میں بڑی محنت اٹھائی، پھر کفار کے مقابلہ کے لیے بڑے استقلال کے ساتھ ثابت قدم رہے اس پر خوش ہو کر تمہاری امداد فرما رہے تھے۔ (بیان القرآن)

ایک ہزار فرشتے

وَّجُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے نہیں دیکھا

وھم الملائکة وکانوا الفا یہ ایک ہزار فرشتے تھے

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹھنڈی ہوا (یعنی مشرق سے آنے والی آندھی) بھیجی جس نے ان کو بالکل ٹھنڈا کر کے رکھ دیا اور ان کے چہروں پر وہ ہوا مٹی پھینکتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اترنے کا حکم دیا مشرکین کے خیموں کی کیلیں اکھڑ گئیں اور رسیاں ٹوٹ گئیں اور آگ کو بجھا دیا اور دیگوں کو الٹ دیا، ان کے گھوڑے بھاگنے لگے اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا اور فرشتوں نے ان کے لشکر کے اردگرد تکبیر کے نعرے بلند کیے پس وہ بغیر لڑائی کے پسپا ہو گئے۔

بعث اللہ علیھم صبأ باردة فی لیلة شاتیة فاخصرتھم واسفت التراب فی وجوھھم وامر الملائکة فقلعت الاوتاد وقطعت الاطناب واطفأت النیران وکبرت الملائکة فی جوانب عسکرھم فانھزموا من غیر قتال۔ (المدارک)

تفسیر مظہری میں ہے:

رِيۡحًا یہ پُروا ہوا تھی (یعنی مشرق سے آنے والی ہوا) موسم بھی سردی کا تھا، رات بھی بہت سرد تھی، پُروا ہوا کا ایک طوفان آیا جو انتہائی سرد تھا جس کی وجہ سے ڈیروں اور خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں، رسیاں ٹوٹ گئیں آگ بجھ گئی، ہانڈیاں الٹ گئیں، گھوڑے رسیاں توڑ کر بھاگ نکلے۔

جُنُوْدًا یعنی ملائکہ کا لشکر (جو غیبی امداد کے لیے بھیجا گیا تھا اور) جو لشکر کے گرد اگرد تکبیر کی آوازیں بلند کر رہے تھے، کافروں پر رعب چھا گیا خوفزدہ ہوگئے، ہر قبیلہ کے سردار نے اپنے قبیلہ کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا جب سب آ گئے تو کہا جلد بھاگو، جلد بھاگو، نتیجہ میں بغیر لڑائی کے سب بھاگ کھڑے ہوئے، اس روز فرشتوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا (صرف مسلمانوں کو اطمینان دلانے اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لیے آئے تھے)۔ (مظہری)

نصرت والی ہوا

اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احزاب میں مشرکین پر جو ہوا بھیجی مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ ''صبا'' تھی۔

قال مجاهد هی الصبا (القرطبی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

نصرت بالصبا واهلكت عادٌ بالدبور (بخاری، مسلم)

کہ میری مدد صبا (یعنی بادِ مشرق) کے ذریعہ کی گئی جبکہ قوم عاد کو دبور (یعنی مغربی ہوا) سے ہلاک کیا گیا۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ''ہوا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھی کہ اس نے مشرکین کے لشکر کو تو الٹ دیا جبکہ مسلمانوں کو اس کا پتہ تک نہ چلا حالانکہ ان کے اور مشرکین کے درمیان صرف خندق کا فاصلہ تھا۔

وكانت هذه الريح معجزة للنبی صلی الله علیه وسلم لان النبی صلی الله علیه وسلم والمسلمین كانوا قریبا منها، لم یكن بینهم وبینها الا عرض الخندق وكانوا فی عافیة منها ولا خبر عندهم بها. (القرطبی)

الغرض فرشتوں نے اور اس ہوا نے مشرکین کو ہر طرف سے ایسا اکھاڑا اور ان پر ایسا خوف مسلط ہوا کہ وہ ڈر کر بھاگ گئے اور وہ جو فیصلہ کن حملہ کرنے آئے تھے بھاگو بھاگو کی آوازیں لگا کر واپس دوڑنے لگے۔ بے شک جہاد میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اترتی ہے اور عجیب عجیب طریقوں سے اترتی ہے۔

جب ''اتحادی افواج'' نے مدینہ منورہ پر حملہ کردیا

غزوۂ احزاب

شوال ۵ھ

سورۃ الاحزاب کی آیت ۹ تا ۲۵ غزوۂ احزاب کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ملاحظہ فرمایئے

غزوۂ احزاب کا مختصر واقعہ

غزوۂ احزاب

شوال ۵ ھ

غزوۂ احزاب کا واقعہ

اس غزوہ کے وقوع میں اختلاف ہے موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ شوال ۴ ھ میں ہوا۔ امام بخاریؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ شوال ۵ ھ میں ہوا۔ تمام ائمہ مغازی اور علماء سیر کا اسی پر اتفاق ہے حافظ ذہبی اور حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہی قول صحیح اور قابل اعتماد ہے ابن سعدؒ اور واقدیؒ کہتے ہیں کہ ذیقعدہ ۵ ھ میں ہوا۔

امام بخاریؒ نے موسیٰ بن عقبہ کی تائید عبد اللہ بن عمرؓ کے اس قول سے فرمائی کہ میں احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا، اس وقت میں چودہ سال کا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا غزوۂ احد میں شریک ہونا منظور نہیں فرمایا۔ خندق کے دن پیش ہوا۔ اس وقت میں پندرہ سال کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ (بخاری شریف) جس سے صاف ظاہر ہے کہ غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں صرف ایک سال کا وقفہ ہے اور یہ مسلّم ہے کہ غزوۂ احد ۳ ھ میں ہوا، لہٰذا غزوۂ خندق ۴ ھ میں ثابت ہوا۔

جمہور ائمہ مغازی کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ غزوہ ۵ ھ میں ہوا۔ اس لیے امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ عجب نہیں عبد اللہ بن عمرؓ غزوۂ احد کے وقت پورے چودہ سال کے نہ ہوں بلکہ چودھویں سال کا آغاز ہوا اور غزوۂ خندق کے وقت پورے پندرہ سال کے ہوں اس اعتبار سے غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں دو سال کا وقفہ ہو سکتا ہے۔

نیز غزوۂ احد سے واپسی کے وقت ابو سفیان نے کہا تھا کہ سال آئندہ بدر پر ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوگا۔ یہ وعدہ کر کے مکہ واپس ہوا جب سال آئندہ ایفائے عہد کا وقت آیا تو ابو سفیان یہ کہہ کر راستہ سے واپس ہوا کہ یہ زمانہ قحط سالی کا ہے جنگ کے لیے مناسب نہیں۔ اس کے ایک سال بعد دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ جس کو غزوۂ احزاب اور غزوۂ خندق کہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ غزوہ احد اور غزوہ احزاب میں دو سال کا وقفہ ہے۔ جو جمہور علماء سیر کے قول کا موید ہے۔ (فتح الباری باب غزوۃ الخندق)

احزاب، حزب کی جمع ہے، جس کے معنی پارٹی یا جماعت کے آتے ہیں۔ اس غزوہ میں کفار کی مختلف جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو ختم کر دینے کا معاہدہ کر کے مدینہ پر چڑھ آئی تھیں، اسی لیے اس غزوہ کا نام غزوۂ احزاب رکھا گیا ہے اور چونکہ اس غزوہ میں دشمن کے آنے کے راستہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے خندق کھودی گئی تھی اس لیے اس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔

ابتداء ہجرت سے اس وقت تک کفار کے حملے مسلمانوں پر مسلسل جاری تھے غزوۂ احزاب کا حملہ بڑی بھرپور طاقت وقوت اور پختہ عزم اور عہد و میثاق کے ساتھ کیا گیا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر یہ

غزوہ سب دوسرے غزوات سے زیادہ اشد تھا۔ کیونکہ اس میں حملہ آور احزاب کفار کی تعداد بارہ ہزار سے پندرہ ہزار تک بتلائی گئی ہے، اور اس طرف سے مسلمان کل تین ہزار وہ بھی بے سروسامان اور زمانہ سخت سردی کا۔ قرآن کریم میں تو اس واقعہ کی شدت بڑی ہولناک صورت میں یہ بیان فرمائی ہے: زَاغَتِ الْاَبْصَارُ (آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں) بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (کلیجے منہ کو آنے لگے)، وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (سخت زلزلہ میں ڈالے گئے)۔ مگر جیسا کہ یہ وقت مسلمانوں پر سب سے زیادہ سخت تھا، ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد سے اس کا انجام مسلمانوں کے حق میں ایسی عظیم فتح وکامیابی کی صورت میں سامنے آیا کہ اس نے تمام مخالف گروہوں مشرکین، یہود اور منافقین کی کمر توڑ دی۔ اور آگے ان کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ مسلمانوں پر کسی حملے کا ارادہ کر سکیں۔ اس لحاظ سے یہ غزوہ کفر واسلام کا آخری معرکہ تھا جو مدینہ منورہ کی زمین پر ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال میں لڑا گیا۔

اس واقعے کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ یہود کے قبیلہ بنی نضیر اور بنی وائل کے تقریباً بیس آدمی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتے تھے مکہ مکرمہ پہنچے اور قریشی سرداروں سے ملاقات کر کے ان کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ قریشی سردار سمجھتے تھے کہ جس طرح مسلمان ہماری بت پرستی کو کفر کہتے ہیں اور اس لیے ہمارے مذہب کو برا سمجھتے ہیں یہود کا بھی یہی خیال ہے تو ان سے موافقت واتحاد کی کیا توقع رکھی جائے۔ اس لیے ان لوگوں نے یہود سے سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان دین ومذہب کا اختلاف ہے اور آپ لوگ اہل کتاب اور اہل علم ہیں، پہلے ہمیں یہ بات بتلائیں کہ آپ کے نزدیک ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا۔

سیاست کے اکھاڑے میں جھوٹ کوئی نئی چیز نہیں

ان یہودیوں نے اپنے علم وضمیر کے بالکل خلاف ان کو یہ جواب دیا کہ تمہارا دین محمد (ﷺ) کے دین سے بہتر ہے۔ اس پر یہ لوگ کچھ مطمئن ہوئے مگر اس پر بھی معاملہ یہ ٹھہرا کہ بیس آدمی یہ آنے والے اور پچاس آدمی قریشی سرداروں کے مسجد حرام میں جا کر بیت اللہ کی دیواروں سے سینے لگا کر اللہ کے سامنے یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جب تک ایک آدمی بھی زندہ رہے گا، ہم محمد (ﷺ) کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے حلم وکرم کا ایک عجوبہ

اللہ کے گھر میں اللہ کے بیت سے چمٹ کر اللہ کے دشمن اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ لڑنے کا معاہدہ کر رہے ہیں اور مطمئن ہو کر جنگ کا نیا جذبہ لے کر لوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حلم وکرم کا عجیب مظہر ہے۔ پھر ان کے اس معاہدے کا حشر بھی آخر قصہ میں معلوم ہوگا کہ سب کے سب اس جنگ سے منہ موڑ کر بھاگے۔

یہ یہودی قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد عرب کے ایک بڑے اور جنگجو قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور ان کو بتلایا کہ ہم اور قریش مکہ اس پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس نئے دین (اسلام) کے پھیلانے والوں کا ایک مرتبہ سب

مل کر استیصال کر دیں۔ آپ بھی اس پر ہم سے معاہدہ کریں اور ان کو یہ رشوت بھی پیش کی کہ خیبر میں جس قدر کھجور ایک سال میں پیدا ہوگی وہ اور بعض روایات میں اس کا نصف قبیلہ غطفان کو دیا جانے کا وعدہ کیا۔ قبیلۂ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن نے اس شرط کے ساتھ ان سے شرکت کو منظور کر لیا اور یہ لوگ بھی جنگ میں شامل ہو گئے اور باہمی قرارداد کے مطابق مکہ سے قریشیوں کا لشکر چار ہزار جوانوں اور تین سو گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹوں کے سامان کے ساتھ ابو سفیان کی قیادت میں مکہ مکرمہ سے نکلا اور مرّ ظہران میں قیام کیا یہاں قبیلہ اسلم اور قبیلہ اشجع اور بنو مرّہ، بنو کنانہ اور فزارہ اور غطفان کے سب قبائل شامل ہو گئے۔ جن کی مجموعی تعداد بعض روایات میں دس ہزار بعض میں بارہ ہزار اور بعض میں پندرہ ہزار بیان کی گئی ہے۔

مدینہ منورہ پر سب سے بڑا حملہ

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے مقابل آنے والا لشکر ایک ہزار کا تھا، پھر غزوہ احد میں حملہ کرنے والا لشکر تین ہزار کا تھا۔ اس مرتبہ لشکر کی تعداد بھی ہر پہلی مرتبہ سے زائد تھی اور سامان بھی اور تمام قبائل عرب و یہود کی اتحادی طاقت بھی۔

مسلمانوں کی جنگی تیاری

❶ اللہ پر توکل ....

❷ باہمی مشورہ ....

❸ بقدر وسعت مادی وسائل کی فراہمی ....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس متحدہ محاذ کے حرکت میں آنے کی اطلاع ملی تو سب سے پہلا کلمہ جو زبان مبارک پر آیا یہ تھا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ”یعنی ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی ہمارا بہتر کارساز ہے“۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار کے اہل حل وعقد کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا۔ اگر چہ صاحب وحی کو درحقیقت مشورہ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ براہ راست حق تعالیٰ کے اذن و اجازت سے کام کرتے ہیں مگر مشورے میں دو فائدے تھے، ایک امت کے لیے مشورہ کی سنت جاری کرنا، دوسرے قلوب مؤمنین میں باہمی ربط و اتحاد کی تجدید اور تعاون و تناصر کا جذبہ بیدار کرنا۔ اس کے بعد دفاع اور جنگ کے مادی وسائل پر غور ہوا۔ مجلس مشورہ میں حضرت سلمان فارسیؓ بھی شامل تھے جو ابھی حال میں ایک یہودی کی مصنوعی غلامی سے نجات حاصل کر کے اسلامی خدمات کے لیے تیار ہوئے تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ ہمارے بلاد فارس کے بادشاہ ایسے حالات میں دشمن کا حملہ روکنے کے لیے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشورہ قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دے دیا اور بنفسِ نفیس خود بھی اس کام میں شریک ہوئے۔

خندق کی کھدائی

یہ خندق جبل سلع کے پیچھے اس پورے راستے کی لمبائی پر کھودنا طے ہوا جس سے مدینہ کے شمال کی طرف سے

آنے والے دشمن آسکتے تھے، اس خندق کے طول وعرض کا خط خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا۔ یہ خندق قلعہ شیخین سے شروع ہو کر جبل سلع کے مغربی گوشہ تک آئی اور بعد میں اسے بڑھا کر وادی بطحان اور وادی راتونا کے مقام اتصال تک پہنچا دیا گیا۔ اس خندق کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل تھی۔ چوڑائی اور گہرائی کی صحیح مقدار کسی روایت سے معلوم نہیں ہوئی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ چوڑائی اور گہرائی بھی خاصی ہوگی جس کو عبور کرنا دشمن کے لیے آسان نہ ہو۔

حضرت سلمانؓ کے خندق کھودنے کے واقعہ میں یہ آیا ہے کہ وہ روزانہ پانچ گز لمبی اور پانچ گز گہری خندق کھودتے تھے۔ (مظہری) اس خندق کی گہرائی پانچ گز کہی جاسکتی ہے۔

اسلامی لشکر کی تعداد

اس وقت مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی اور کل چھتیس گھوڑے تھے۔

بلوغ کی عمر پندرہ سال قرار دی گئی

اسلامی لشکر میں کچھ نابالغ بچے بھی اپنے جوش ایمانی سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کو واپس کر دیا جو پندرہ سال سے کم عمر والے تھے، پندرہ سالہ نوعمر لے لیے گئے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، ابوسعید خدری، براء بن عازب رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ جس وقت یہ اسلامی لشکر مقابلہ کے لیے روانہ ہونے لگا تو جو منافقین مسلمانوں میں رلے ملے رہتے تھے انہوں نے سرکنا شروع کیا۔ کچھ چھپ کر نکل گئے، کچھ لوگوں نے جھوٹے اعذار پیش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کی اجازت لینی چاہی۔ یہ اپنے اندر سے ایک نئی آفت پھوٹی۔ (قرطبی)

اسلامی وحدت اور قومیت کی تقسیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کے لیے مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہؓ کے سپرد فرمایا اور حضرات انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہؓ کے سپرد فرمایا۔ اس وقت مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کے تعلقات بڑی مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم تھے اور سب بھائی بھائی تھے۔ مگر انتظامی سہولت کے لیے مہاجرین کی قیادت الگ اور انصار کی الگ کردی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قومیت اور اسلامی وحدت انتظامی اور معاشرتی تقسیم کے منافی نہیں بلکہ ہر جماعت پر ذمہ داری کا بوجھ ڈال دینے سے باہمی اعتماد اور تعاون وتناصر کے جذبہ کی تقویت ہوتی تھی اور اس جنگ کے سب سے پہلے کام یعنی خندق کھودنے میں اس تعاون وتناصر کا اس طرح مشاہدہ ہوا کہ:

خندق کی کھدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر کے مہاجرین وانصار کو دس دس آدمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر دس آدمیوں کو چالیس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا۔ حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ خندق کھودنے کا مشورہ دینے والے

اور کام سے واقف اور مضبوط آدمی تھے اور نہ انصار میں شامل تھے نہ مہاجرین میں، ان کے متعلق انصار اور مہاجرین میں ایک مسابقت کی فضا پیدا ہوگئی۔ انصار ان کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے، مہاجرین اپنے ساتھ۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع نزاع کے لیے مداخلت کرنے کی نوبت آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا کہ سلمان منا اهل البیت یعنی سلمان ہمارے اہل بیت میں شامل ہیں۔

صلاحیت کار میں ملکی غیر ملکی، مقامی اور بیرونی کا امتیاز

آج تو دنیا میں غیر ملکی باشندے اور غیر مقامی کو اپنی برابر کا درجہ دینا لوگ پسند نہیں کرتے، وہاں ہر فریق اہل صلاحیت کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل بیت میں خود داخل فرما کر نزاع کو ختم کیا اور عملی طور پر چند انصار اور مہاجرین شامل کر کے دس کی جماعت بنائی، جس میں حضرت عمرو بن عوفؓ اور حذیفہؓ وغیرہ مہاجرین میں سے تھے۔

ایک عظیم معجزہ

اتفاق سے جو حصہ خندق کا حضرت سلمانؓ وغیرہ کے سپرد تھا اس میں ایک سخت اور چکنے پتھر کی چٹان نکل آئی۔ حضرت سلمانؓ کے ساتھی عمرو بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ اس چٹان نے ہمارے اوزار توڑ دیئے اور ہم اس کے کاٹنے سے عاجز ہوگئے۔ تو میں نے سلمانؓ سے کہا اگرچہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم اس جگہ سے کچھ ہٹ کر خندق کھودیں اور ذرا سی کجی کے ساتھ اس کو اصل خندق سے ملا دیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھینچے ہوئے خط سے انحراف ہمیں اپنی رائے سے نہیں کرنا چاہیے، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کر کے حکم حاصل کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

قدرت کی تنبیہات

اس ساڑھے تین میل کے میدان میں خندق کھودنے والوں میں کسی کو رکاوٹ پیش نہ آئی جو عاجز کردے۔ پیش آئی تو حضرت سلمانؓ کو پیش آئی، جنہوں نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا اور اسی کو قبول کر کے یہ سلسلہ جاری ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھلا دیا کہ خندق کھودنے اور بنانے میں بھی اللہ کی طرف رجوع کے سوا چارہ نہیں۔ آلات واوزار سب جواب دے چکے۔ جس میں ان حضرات کو تعلیم تھی کہ مادی اسباب کو بقدر وسعت وطاقت جمع کرنا فرض ہے مگر ان پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔ مؤمن کا بھروسہ تمام اسباب مادیہ کو جمع کر لینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ہی پر ہونا چاہیے۔

حضرت سلمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بتلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنے حصہ کی خندق میں کام کر رہے تھے اور خندق کی مٹی کو اس جگہ سے منتقل کرنے میں مصروف تھے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جسم مبارک کو غبار نے ایسا ڈھانپ لیا تھا کہ پیٹ اور پیٹھ کی کھال نظر نہ آتی تھی۔ ان کو کوئی مشورہ یا حکم دینے کی بجائے خود ان کے ساتھ موقع پر تشریف لائے اور دس حضرات صحابہؓ مع سلمانؓ کے جو اس کے کھودنے میں مصروف تھے خندق کے اندر اتر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان

میں شامل ہو گئے اور کدال اپنے دست مبارک میں لے کر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی اور یہ آیت پڑھی تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا (یعنی پوری ہو گئی نعمت آپ کے رب کی سچائی کے ساتھ) اس ایک ہی ضرب سے چٹان کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک روشنی پتھر کی چٹان سے برآمد ہوئی اس کے بعد آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی اور آیت مذکورہ کو آخر تک پڑھا، یعنی تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا، اس دوسری ضرب سے ایک تہائی چٹان اور کٹ گئی اور اس طرح پتھر سے ایک روشنی نکلی۔ تیسری مرتبہ پھر وہی آیت پوری پڑھ کر تیسری ضرب لگائی تو باقی چٹان بھی کٹ کر ختم ہو گئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے باہر تشریف لائے اور اپنی چادر جو خندق کے کنارہ پر رکھ دی تھی اٹھالی اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ اس وقت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے جتنی مرتبہ اس پتھر پر ضرب لگائی میں نے ہر مرتبہ پتھر سے ایک روشنی نکلتی دیکھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ سے فرمایا: کیا تم نے واقعی یہ روشنی دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میری آنکھوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی ضرب میں جو روشنی نکلی میں نے اس روشنی میں یمن اور کسریٰ کے محلات دیکھے اور جبرئیل امین نے مجھے بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان شہروں کو فتح کرے گی اور جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو مجھے رومیوں کے سرخ محلات دکھائے گئے اور جبرئیل امین نے یہ خوشخبری دیدی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان شہروں کو بھی فتح کرے گی۔ یہ ارشاد سن کر سب مسلمان مطمئن ہوئے اور آئندہ عظیم الشان فتوحات پر یقین ہو گیا۔

منافقین کی طعنہ زنی اور مسلمانوں کا بے نظیر یقین ایمانی

اس وقت جو منافقین خندق کی کھدائی میں شامل تھے، وہ کہنے لگے کہ تمہیں محمد (ﷺ) کی بات پر حیرت و تعجب نہیں ہوتا؟ وہ تمہیں کیسے باطل اور بے بنیاد وعدے سنا رہے ہیں کہ یثرب میں خندق کی گہرائی کے اندر انہیں حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات نظر آرہے ہیں اور یہ کہ تم لوگ ان کو فتح کرو گے۔ ذرا اپنے حال کو تو دیکھو کہ تمہیں اپنے تن بدن کا تو ہوش نہیں، پیشاب پاخانے کی ضرورت پوری کرنے کی مہلت نہیں، تم ہو جو کسریٰ وغیرہ کے ملک فتح کرو گے۔

اسی واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی: وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا اس آیت میں وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ میں بھی انہیں منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے۔ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض چھپا ہوا تھا۔

غور کیجیے کہ اس وقت مسلمانوں کے ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر پورے یقین کا کیسا سخت امتحان تھا کہ ہر طرف سے کفار کے نرغہ اور خطرے میں ہیں، خندق کھودنے کے لیے مزدور اور خادم نہیں، خود ہی یہ محنت ایسی حالت میں برداشت کر رہے ہیں کہ سخت سردی نے سب کو پریشان کر رکھا ہے، ہر طرف سے خوف ہی خوف ہے۔ ظاہری اسباب میں اپنے بچاؤ اور بقاء پر یقین کرنا بھی آسان نہیں، دنیا کی عظیم سلطنت روم و کسریٰ کی فتوحات کی

خوشخبری پر یقین کس طرح ہو؟ مگر ایمان کی قیمت سب اعمال سے زیادہ اسی بناء پر ہے کہ اسباب وحالات کے سراسر خلاف ہونے کے وقت بھی ان کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہوا۔

واقعہ مذکورہ میں خاص ہدایت

یہ کس کو معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے جاں نثار خادم تھے جو کسی حال بھی یہ نہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس مزدوری کی محنت شاقہ میں ان کے شریک ہوں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی دل جوئی اور امت کی تعلیم کے لیے اس محنت ومزدوری میں برابر کا حصہ لیا۔ صحابہ کرام کی جاں نثاری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کمال اور نبوت ورسالت کی بنیاد پر تو تھی ہی، مگر ظاہر اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ہر محنت ومشقت اور تنگی وتکلیف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب عوام کی طرح ان میں شریک ہوتے تھے۔ حاکم ومحکوم، بادشاہ ورعیت اور صاحب اقتدار وعوام کی تفریق کا کوئی تصور وہاں نہ پیدا ہوتا اور جب سے ملوک اسلام نے اس سنت کو ترک کیا اسی وقت سے یہ تفرقے پھوٹے اور طرح طرح کے فتنے اپنے دامن میں لائے۔

مشکلات پر عبور حاصل کرنے کا نسخہ

اس واقعہ مذکورہ میں اس ناقابل تسخیر چٹان پر ضرب لگانے کے ساتھ آیت قرآن تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ تلاوت فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مشکل کو حل کرنے کے لیے اس آیت کی تلاوت ایک مجرب نسخہ ہے۔

صحابہ کرام کا ایثار اور تعاون وتناصر

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خندق کی کھدائی کے لیے ہر چالیس گز پر دس آدمی مامور تھے، مگر یہ ظاہر ہے کہ بعض لوگ قوی اور جلد کام کر لینے والے ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام میں سے جن حضرات کا اپنا حصہ کھدائی کا پورا ہو جاتا تو یہ سمجھ کر خالی نہ بیٹھتے تھے کہ ہماری ڈیوٹی پوری ہوگئی، بلکہ دوسرے صحابہ جن کا حصہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا ان کی مدد کرتے تھے۔ (قرطبی، مظہری)

ساڑھے تین میل لمبی خندق چھ دن میں مکمل

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جدوجہد اور کوشش کا نتیجہ چھ روز میں سامنے آگیا، اتنی طویل اور چوڑی اور گہری خندق کی چھ روز میں تکمیل ہوگئی۔ (مظہری)

خندق کی گہرائی اور بعض ایمان افروز واقعات

خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ تری نکل آئی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۵)

ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ چھ دن میں خندقیں کھودنے سے فارغ ہوئے۔ (طبقات ابن سعدؒ ص ۴۸ ج ۲)

موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ بیس دن میں فارغ ہوئے۔ علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ خندقیں

کھودنے سے چھ دن میں فارغ ہوئے۔ بیس دن اصل میں محاصرے کی مدت ہے، تفصیل کے لیے زرقانی ص۱۱۰ ج۲ کی مراجعت کی جائے۔

صحابہ کرام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی خندق کھودنے میں مصروف ہوئے اور اوّل خود دست مبارک سے کدال زمین پر ماری اور یہ کلمات زبان مبارک پر تھے:

بسم اللّٰہ وبہ بدینا ـــــ ولو عبدنا غیرہ شقینا

بسم اللہ۔ اور اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں مبادا اگر اس کے سوا کسی کی عبادت کریں تو بڑے ہی بدنصیب ہیں۔

حبّذا ربّا وحبّذا دینا

وہ کیا ہی اچھا رب ہے اور اس کا دین کیسا ہی اچھا دین ہے۔ (روض الانف ص۱۸۹ ج۳، فتح الباری ص۳۴ ج۷)

جاڑے کا موسم تھا، سرد ہوائیں چل رہی تھیں، کئی کئی دن کا فاقہ تھا مگر حضرات مہاجرین اور انصار نہایت ذوق کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول تھے، مٹی اٹھا اٹھا کر لاتے اور یہ پڑھتے جاتے:

نحن الذین بایعوا محمدا

علی الجھاد ما بقینا ابدا

ہم ہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور آپ ﷺ کے واسطے سے اپنی جانوں کو خدا کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد کرتے رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں یہ ارشاد فرماتے:

اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ

فاعفو للانصار والمھاجرۃ

اے اللہ بے شک زندگی تو حقیقت میں آخرت کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔ اور کبھی فرماتے:

اللھم انہ لا خیر الا خیر الآخرۃ

فبارک فی الانصار والمھاجرۃ

اے اللہ بے شک حقیقی خیر اور بھلائی آخرت ہی کی خیر اور بھلائی ہے، پس برکت دے انصار و مہاجرین میں۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس مٹی ڈھو ڈھو کر لا رہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک گرد آلود ہو گیا اور یہ کہتے جاتے تھے:

واللّٰہ لولا اللّٰہ ما اھتدینا

ولا تصدقنا ولا صلینا

خدا کی قسم اگر اللہ کی توفیق نہ ہوتی تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فانزلن سکینۃ علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا

اے اللہ ہم پر سکون اور اطمینان نازل فرما اور لڑائی کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ

ان الالیٰ قد بغوا علینا
اذا ارادوا فتنۃ ابینا

ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا یہ جب کبھی ہم کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو ہم کبھی اس کو قبول نہیں کرتے اور ابینا ابینا آواز بلند بار بار فرماتے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ کھودتے کھودتے ایک سخت چٹان آ گئی ہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ٹھہرو میں خود اترتا ہوں اور بھوک کی وجہ سے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی۔ آپ ﷺ نے کدال دست مبارک میں پکڑی اور اس چٹان پر ماری تو چٹان دفعۃً ایک تودہ ریگ تھی (یعنی ٹوٹ کر ریت بن گئی)۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے، مسند احمد اور نسائی میں اس قدر اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی بار بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر مجھ کو شام کی کنجیاں عطاء کی گئیں۔ خدا کی قسم شام کے سرخ محلوں کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر فارس کی کنجیاں مجھ کو عطاء ہوئیں، خدا کی قسم مدائن کے قصرِ ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر یمن کی کنجیاں مجھ کو عطاء ہوئیں، خدا کی قسم صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا دیکھ رہا ہوں۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ سند اس روایت کی حسن ہے اور ایک روایت میں ہے پہلی بار کدال مارنے سے ایک بجلی چمکی جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا اور صحابہ کرام نے بھی تکبیر کہی اور یہ ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین نے مجھ کو خبر دی ہے کہ میری امت ان شہروں کو فتح کرے گی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۴، ۳۰۵)

فائدہ جلیلہ

خندق کھودنا یہ طریقہ عرب کا نہ تھا بلکہ فارس کا طریقہ تھا شاہان فارس میں سب سے پہلے منوشہر بن ایرج بن افریدون نے خندقیں کھود کر جنگ کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے اس طریقہ کو اختیار فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کفار کے طریقہ جنگ کو اختیار کرنا درست ہے اور علی ہذا کفار کے ایجاد کردہ آلات حرب کا استعمال بھی درست ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ طائف میں منجنیق کا

استعمال فرمایا اور حضرت عمرؓ نے محاصرۂ تستر میں ابوموسیٰ اشعریؓ کو منجنیق قائم کرنے کا حکم دیا اور عمرو بن العاصؓ نے جب اسکندریہ کا محاصرہ کیا تو منجنیق کا استعمال کیا۔ اور علیٰ ہذا زہر آلود تیر اور تلواروں کا استعمال بھی درست ہے لیکن تدخین (یعنی دھواں پھیلانا جس سے لوگ مرجائیں جیسے آجکل زہریلا گیس نکلا ہے) کا استعمال صرف اس وقت جائز ہے کہ جب دشمنوں کو زیر کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے، بلا شدید ضرورت اور مجبوری کے تدخین کا استعمال جائز نہیں۔

اس مسئلے کی تفصیل اگر درکار ہو تو شرح السیر الکبیر جلد ثالث (باب قطع الماء عن اهل الحرب وتحريق حصنهم ونصب المجانيق عليها) سے مراجعت کریں۔

وقال تعالیٰ: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

اور مہیا کرو کافروں کے لیے جو قوت بھی مہیا کر سکتے ہو اور گھوڑے بھی پالو تا کہ تم اس قوت وشوکت سے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کر سکو۔

معلوم ہوا کہ ان تمام چیزوں کا سیکھنا ضروری ہے کہ جس سے اللہ کے دشمن مرعوب اور اللہ کے دین کی عزت اور شوکت قائم ہو۔

لشکروں کی آمد

مسلمان خندقیں کھود کر فارغ ہوئے کہ قریش دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار لے کر مدینہ پہنچے اور احد کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار مسلمانوں کی جمعیت اپنے ہمراہ لے کر مقابلہ کے لیے کوہ سلع کے قریب جا کر ٹھہرے۔ خندقیں مابین فریقین حائل تھیں، عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ ہو جانے کا حکم دیا۔

بنو قریظہ کی بدعہدی

یہود بنی قریظہ اس وقت تک الگ تھے لیکن حیی بن اخطب سردار بنو نضیر نے ان کو اپنے ساتھ ملا لینے کی پوری کوشش کی یہاں تک کہ خود کعب بن اسد سردار بنی قریظہ کے پاس گیا جو پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر چکا تھا۔ کعب نے حیی کو آتے دیکھ کر قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، حیی نے آواز دی کہ دروازہ کھولو۔ کعب نے کہا:

ويحك يا حيي انك امرأ مشوم واني قد عاهدت محمدا فلست بنا قضى مابيني فاني لم ارمنه الا صدقا ووفاء

افسوس اے حیی بلا شبہ تو منحوس آدمی ہے، میں محمد (ﷺ) سے معاہدہ کر چکا ہوں میں اب اس عہد کو نہ توڑوں گا کیونکہ میں نے محمد (ﷺ) سے سوا سچائی اور ایفائے عہد کے کچھ نہیں دیکھا۔

حیی نے کہا کہ میں تمہارے لیے دائمی عزت کا سامان لایا ہوں قریش اور غطفان کی فوجوں کو لا کر میں نے یہاں اتارا ہے، ہم سب نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا استیصال اور قلع قمع نہ کر دیں گے اس وقت تک یہاں سے ہرگز نہ ٹلیں گے۔

کعب نے کہا: خدا کی قسم تو ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی لے کر آیا ہے، میں محمد (ﷺ) سے کبھی عہد نہ توڑوں گا، میں نے ان سے سوائے سچائی اور ایفائے عہد کے کچھ نہیں دیکھا، حیی برابر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ اس کو عہد شکنی پر آمادہ کرلیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ہوئی تو سعد بن معاذ اور سعد بن عبادۃ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو تحقیق حال کے لیے روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو وہاں سے واپس آکر اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ لوگ سمجھ نہ سکیں اور وہ اگر غلط ہوں تو پھر علی الاعلان بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

یہ لوگ کعب بن اسد کے پاس گئے اور اس کو معاہدہ یاد دلایا، کعب نے کہا کیسا معاہدہ اور کون محمد (ﷺ) میرا ان سے کوئی معاہدہ نہیں، جب واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: عضل وقارہ "یعنی جس طرح قبیلہ عضل وقارہ نے اصحاب رجیع یعنی خبیبؓ کے ساتھ غدر کیا اسی طرح انہوں نے بھی غداری کی۔ (سیرۃ ابن ھشام ص۱۴۰ ج۲، زرقانی ص ۱۱۱ ج ۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی غداری اور بدعہدی سے صدمہ ہوا۔ کافروں نے ہر طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا۔ باہر کے دشمنوں کا ٹڈی دل سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اندرونی دشمن یعنی قریظہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے، ہر شخص مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا، الغرض مسلمانوں کے لیے عجب پریشانی کا وقت تھا، جاڑوں کی راتیں تھیں اور کئی کئی دن کا فاقہ تھا۔ حق جل شانہ نے سورہ احزاب میں اس معرکہ کا حال اس طرح بیان فرمایا:

إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝١٠ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝١١ (الاحزاب)

"یاد کرو اس وقت کو کہ جب دشمن تمہارے سر پر آپہنچے اوپر کی جانب سے بھی اور نیچے کی جانب سے بھی اور نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور خدا کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس جگہ اہل ایمان آزمائے گئے اور خوب ہلائے گئے"۔

یہ وقت ابتلاء اور آزمائش کا تھا۔ ابتلاء کی کسوٹی پر نفاق اور اخلاص کو کسا جارہا تھا۔ اس کسوٹی نے کھرا اور کھوٹا الگ کردکھایا۔ چنانچہ منافقین نے حیلے اور بہانے شروع کیے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر پست دیوار ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہیں بچوں اور عورتوں کی حفاظت ضروری ہے ہم اس لیے اجازت چاہتے ہیں۔

يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا (الاحزاب ۱۳)

منافقین یہ کہتے تھے کہ تحقیق ہمارے گھر خالی ہیں اور حالانکہ وہ خالی نہیں وہ محض بھاگنا چاہتے ہیں، اس لیے یہ حیلے بہانے کررہے ہیں اور مسلمان جن کے قلوب اخلاص اور ایقان سے لبریز تھے ان کی یہ حالت ہوئی جو حق جل شانہ نے بیان فرمائی۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝۲۲ (الاحزاب)

اور اہل ایمان نے جب کافروں کی فوجیں دیکھیں تو بے ساختہ یہ کہا: یہ وہی ہے کہ جو اللہ اور اسکے رسول نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے اور اس سے ان کے یقین اور اطاعت میں زیادتی ہوگئی۔

حضرت جابرؓ کی دعوت میں ایک کھلا معجزہ

اسی خندق کی کھدائی کے دوران وہ مشہور واقعہ پیش آیا کہ ایک روز حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر محسوس کیا کہ بھوک کے سبب آپ متاثر ہو رہے ہیں، اپنی اہلیہ سے جا کر کہا کہ تمہارے پاس کچھ ہو تو پکالو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کا اثر دیکھا نہیں جاتا۔ اہلیہ نے بتلایا کہ ہمارے گھر میں ایک صاع بھر جو رکھے ہیں میں ان کو پیس کر آٹا بناتی ہوں۔ ایک صاع ہمارے وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے۔ اہلیہ پیسنے پکانے میں لگ گئی، گھر میں ایک بکری کا بچہ تھا، حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کر کے گوشت تیار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کے لیے چلے تو اہلیہ نے پکار کر کہا کہ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت بڑا مجمع صحابہ کا ہے، صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح تنہا بلا لائیں، مجھے رسوا نہ کیجیے کہ صحابہ کرام کا اتنا بڑا مجمع چلا آئے۔ حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری حقیقت حال عرض کر دی کہ صرف اتنا کھانا ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر میں اعلان فرمادیا کہ چلو جابر کے گھر دعوت ہے۔ حضرت جابرؓ حیران تھے۔ گھر پہنچے تو اہلیہ نے سخت پریشانی کا اظہار کیا اور پوچھا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل حقیقت اور کھانے کی مقدار بتلادی تھی؟ جابرؓ نے فرمایا ہاں، وہ میں بتلا چکا ہوں تو اہلیہ محترمہ مطمئن ہوئیں کہ پھر ہمیں فکر نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہیں جس طرح چاہیں کریں۔

واقعہ کی تفصیل اس جگہ غیر ضروری ہے، اتنا نتیجہ معلوم کر لینا کافی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے روٹی اور سالن سب کو دینے اور کھلانے کا اہتمام فرمایا اور پورے مجمع نے شکم سیر ہو کر کھایا اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سب مجمع کے فارغ ہونے کے بعد بھی نہ ہماری ہنڈیا میں سے کچھ گوشت کم نظر آتا تھا اور نہ گوندھے ہوئے آٹے میں کوئی کمی معلوم ہوتی تھی۔ ہم سب گھر والوں نے بھی شکم سیر ہو کر کھایا باقی پڑوسیوں میں تقسیم کر دیا۔

اس طرح چھ روز میں جب خندق سے فراغت ہوگئی تو احزاب کا لشکر آ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جبل سلع کو اپنی پشت کی طرف رکھ کر فوج کی صف بندی کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک جنگی تدبیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ قبیلہ غطفان کے رئیس نے ان یہودیوں کے ساتھ شرکت خیبر کے پھل اور کھجور کی طمع میں کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غطفان کے دوسرداروں عیینہ ابن حصن اور

ابوالحارث بن عمرو کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے، اگر تم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس چلے جاؤ۔ یہ گفتگو درمیان میں تھی اور دونوں سردار راضی ہو چکے تھے، قریب تھا کہ معاہد صلح پر دستخط ہو جائیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت ارادہ کیا کہ صحابہ کرام سے اس معاملہ میں مشورہ لیں۔ قبیلہ اوس وخزرج کے دو بزرگ سعدین یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کو بلا کر ان سے مشورہ لیا۔

حضرت سعدؓ کی غیرت ایمانی اور عزم شدید

دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے تو ہمارے کچھ کہنے کی مجال نہیں ہم قبول کریں گے، ورنہ بتائیں کہ یہ آپ کی طبعی رائے ہے یا آپ نے ہمیں مشقت وتکلیف سے بچانے کے لیے یہ تدبیر کی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ امر الٰہی اس کا ہے اور نہ میری طبیعت کا تقاضا ہے بلکہ صرف تمہاری مصیبت وتکلیف کو دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے کیونکہ تم لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو۔ میں نے چاہا فریق مقابل کی قوت کو اس طرح فوراً توڑ دیا جائے۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم جس وقت بتوں کو پوجتے تھے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانتے تھے نہ اس کی عبادت کرتے تھے، اس وقت ان لوگوں کو ہمارے شہر کے پھل میں سے ایک دانہ کی طمع رکھنے کی ہمت نہیں تھی، بجز اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوں اور مہمانی کے طور پر ہم ان کو کھلا دیں یا پھر ہم سے خرید کر لے جائیں۔ آج جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت عطاء فرمائی اور اسلام کا اعزاز عطاء فرمایا، کیا آج ہم ان لوگوں کو اپنا پھل اور اپنے اموال دیدیں گے؟ ہمیں ان کی مصالحت کی کوئی حاجت نہیں، ہم تو ان کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کی اولوالعزمی اور غیرت ایمانی کو دیکھ کر اپنا یہ ارادہ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ سعدؓ نے صلح نامہ کا کاغذ ان کے ہاتھوں سے لے کر تحریر مٹادی، کیونکہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے۔ غطفان کے سردار عیینہ اور حارث جو خود اس صلح کے لیے تیار ہو کر مجلس میں موجود تھے، صحابہ کرامؓ کی یہ قوت وشدت دیکھ کر خود بھی اپنے دلوں میں متزلزل ہو گئے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ کا زخمی ہونا اور ان کی دعاء

ادھر خندق کے دونوں طرفوں سے تیر اندازی اور پتھراؤ کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت سعد بن معاذؓ بنی حارثہ کے قلعہ میں جہاں عورتوں کو محفوظ کر دیا گیا تھا، اپنی والدہ کے پاس گئے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں بھی اس وقت اسی قلعہ میں تھی اور عورتوں کو پردے کے احکام اس وقت تک آئے نہ تھے، میں نے دیکھا کہ سعد بن معاذؓ ایک چھوٹی سی زرہ پہنے ہوئے ہیں جس میں سے ان کے ہاتھ نکل رہے تھے اور ان کی والدہ ان سے کہہ رہی ہیں کہ جاؤ جلدی کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لشکر میں شامل ہو جاؤ۔ میں نے ان کی والدہ سے کہا کہ ان کے لیے کوئی بڑی زرہ

ہوتی تو بہتر تھا۔ مجھے ان کے ہاتھ پاؤں کا خطرہ ہے جو زرہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ والدہ نے کہا کچھ مضائقہ نہیں، اللہ کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

حضرت سعد بن معاذؓ لشکر میں پہنچے تو ان کو تیر لگا جس نے ان کی رگ اکحل کو کاٹ ڈالا۔ اس وقت حضرت سعدؓ نے یہ دعاء کی کہ یا اللہ اگر آئندہ بھی قریش کا کوئی حملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر ہونا مقدر ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھیے، کیونکہ اس سے زیادہ میری کوئی تمنا نہیں کہ میں اس قوم سے مقاتلہ کروں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں پہنچائیں، وطن سے نکالا اور آپ کی تکذیب کی۔ اور اگر آئندہ آپ کے علم میں یہ جنگ کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو آپ مجھے موت شہادت عطاء فرمائیں مگر اس وقت تک مجھے موت نہ آئے جب تک بنی قریظہ سے ان کی غداری کا انتقام لے کر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

حق تعالیٰ نے آپ کی یہ دونوں دعائیں قبول فرمائیں اس واقعہ احزاب کو کفار کا آخری حملہ بنا دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی فتوحات کا دور شروع ہوا۔ پہلے خیبر پھر مکہ مکرمہ اور پھر دوسرے بلاد فتح ہوئے اور بنو قریظہ کا واقعہ آگے آتا ہے کہ وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور ان کے معاملہ کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذؓ ہی کے سپرد کیا گیا۔ ان کے فیصلہ کے مطابق ان کے جوان قتل کیے گئے اور عورتیں اور بچے قید کر لیے گئے۔

اس واقعہ احزاب میں صحابہ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات بھر خندق کی دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی۔ اگر کسی وقت آرام کے لیے لیٹے بھی تو ذرا کسی طرف سے شور و شغب کی آواز آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلحہ باندھ کر میدان میں جاتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ ایک رات میں کئی کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا آرام کرنے کے لیے تشریف لائے اور کوئی آواز سنی تو باہر تشریف لے گئے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں بہت سے غزوات غزوۂ مریسیع، خیبر، حدیبیہ، فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی ہوں، آپ پر کسی غزوہ میں ایسی شدت اور مشقت نہیں ہوئی، جیسی غزوۂ خندق میں پیش آئی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو زخم بھی بہت لگے، سردی کی شدت سے بھی تکلیف اٹھائی، اس کے ساتھ کھانے پینے کی ضروریات میں بھی تنگی تھی۔ (مظہری)

رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں اس جہاد میں قضا ہوئیں

ایک روز مقابل کفار نے یہ طے کیا کہ سب مل کر یکبارگی حملہ کرو اور کسی طرح خندق کو عبور کر کے آگے پہنچو۔ یہ طے کر کے بڑی بے جگری سے مسلمانوں کے مقابلہ میں آ گئے، اور سخت تیر اندازی کی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو دن بھر ایسا مشغول رہنا پڑا کہ نماز کے لیے بھی ذرا سی مہلت نہ ملی، چار نمازیں عشاء کے وقت میں پڑھی گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی دعاء

جب مسلمانوں پر شدت کی انتہاء ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے کفار کے لیے بددعاء کی اور

تین روز پیر، منگل، بدھ مسجد فتح کے اندر مسلسل احزاب کی شکست وفرار اور مسلمانوں کی فتح کے لیے دعاء کرتے رہے۔
تیسرے روز بدھ کے دن ظہر وعصر کے درمیان دعاء قبول ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاداں وفرحاں صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے، فتح کی بشارت سنائی، صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ اس وقت کے بعد کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔ (مظہری)

دو دعائیں

مسند احمد میں ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ہم نے حصار کی شدت اور سختی کا ذکر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعاء مانگو:

❶ اللهم استر عوراتنا وآمن روعاتنا

اے اللہ ہمارے عیبوں کو چھپا اور ہمارے خوف کو دور کر۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ یہ دعاء فرمائی:

❷ اللهم منزل الكتاب ومجرى السحاب وهازم الحزاب اهزمهم وانصرنا عليهم (صحيح بخاری كتاب الجهاد باب لاتمنو القاء العدو)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء قبول فرمائی اور قریش اور غطفان پر ایک سخت ہوا مسلط کی کہ جس سے ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے، رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں، گرد وغبار اڑ کر آنکھوں میں بھرنے لگا جس سے کفار کا تمام لشکر سراسیمہ ہوگیا۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ الخ (الاحزاب ۹)

اے ایمان والو یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو تم پر اس وقت ہوا کہ جب کافروں کے بہت سے لشکر تمہارے سروں پر آ پہنچے اس وقت ہم نے تمہارے دشمنوں پر ایک آندھی بھیجی اور تمہاری مدد کے لیے آسمان سے ایسے لشکر اتارے جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے یعنی فرشتے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا سے فرشتے مراد ہیں۔ جنہوں نے کافروں کے دلوں کو مرعوب اور خوفزدہ بنایا اور مسلمانوں کے دلوں کو قوی اور مضبوط کیا۔ اس طرح کفار کا دس ہزار کا لشکر وہاں سے سراسیمہ ہو کر بھاگا۔ کما قال تعالیٰ:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ (الاحزاب ۲۵) (زرقانی ص ۱۲۲ ج ۲)

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مع ان کے غیظ وغضب کے واپس کر دیا اور ذرہ برابر کسی بھلائی کو حاصل نہ کر سکے اور اللہ نے اہل ایمان کی طرف سے لڑائی میں کفایت کی اور اللہ تعالیٰ بڑا توانا اور غلبہ والا ہے۔

کشود کار اور فتح کے اسباب کا آغاز

دشمنوں کی صفوں میں قبیلہ غطفان ایک بڑی طاقت تھی، حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے انہی میں سے ایک شخص

نعیم ابن مسعودؓ کے دل میں ایمان ڈال دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور بتلایا کہ ابھی تک میری قوم میں کسی کو یہ معلوم نہیں کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں، اب مجھے فرمائیں کہ میں اسلام کی کیا خدمت کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اکیلے آدمی یہاں کوئی خاص کام نہ کر سکو گے، اپنی قوم میں واپس جا کر انہی میں مل کر اسلام سے مدافعت کا کوئی کام کر سکو تو کرو۔ نعیم ابن مسعودؓ ذہین سمجھدار آدمی تھے، ایک منصوبہ دل میں بنالیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی کہ میں ان لوگوں میں جا کر جو مصلحت دیکھوں کہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔

نعیم بن مسعودؓ یہاں سے بنو قریظہ کے پاس گئے جن کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں ان کے قدیم تعلقات تھے ان سے کہا کہ اے بنو قریظہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارا قدیم دوست ہوں، انہوں نے اقرار کیا کہ ہمیں آپ کی دوستی میں کوئی شبہ نہیں، اس کے بعد حضرت نعیم ابن مسعودؓ نے بنو قریظہ کے سرداروں سے ناصحانہ اور خیر خواہانہ انداز میں سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ قریش مکہ ہوں یا ہمارا قبیلہ غطفان یا دوسرے قبائل یہود وغیرہ، ان کا وطن یہاں نہیں، یہ اگر شکست کھا کر بھاگ جائیں تو ان کا کوئی نقصان نہیں، تمہارا معاملہ ان سب سے مختلف ہے۔ مدینہ تمہارا وطن ہے، تمہاری عورتیں اور اموال سب یہاں ہیں۔ اگر تم نے ان لوگوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی اور بعد میں یہ لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے تو تمہارا کیا بنے گا، کیا تم تنہا مسلمانوں کا مقابلہ کر سکو گے؟ اس لیے میں تمہاری خیر خواہی سے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم لوگ ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہو جب تک یہ لوگ اپنے خاص سرداروں کی ایک تعداد تمہارے پاس رہن نہ رکھ دیں کہ وہ تم کو مسلمانوں کے حوالے کر کے بھاگ نہ جائیں۔

بنو قریظہ کو ان کا یہ مشورہ بہت اچھا معلوم ہوا، اس کی قدر کی اور کہا کہ آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔

اس کے بعد نعیم بن مسعودؓ قریشی سرداروں کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں آپ کا دوست ہوں اور محمد (ﷺ) سے بری ہوں۔ مجھے ایک خبر ملی ہے تمہاری خیر خواہی کا تقاضہ ہے کہ میں وہ خبر تمہیں پہنچا دوں، بشرطیکہ آپ لوگ میرے نام کا اظہار نہ کریں۔ وہ خبر یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ تمہارے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد اپنے فیصلے پر نادم ہوئے اور اس کی اطلاع محمد (ﷺ) کے پاس یہ کہہ کر بھیج دی ہے کہ کیا آپ ہم سے اس شرط پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم قریش اور غطفان کے چند سرداروں کو آپ کے حوالے کر دیں کہ آپ ان کی گردن مار دیں، پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر ان سب سے جنگ کریں۔ محمد (ﷺ) نے ان کی بات کو قبول کر لیا ہے۔ اب بنو قریظہ تم سے بطور رہن کے تمہارے کچھ سرداروں کا مطالبہ کریں گے، اب آپ لوگ اپنے معاملہ کو سوچ لیں۔

اس کے بعد نعیم بن مسعودؓ اپنے قبیلہ غطفان میں گئے اور ان کو یہی خبر سنائی۔ اس کے ساتھ ہی ابو سفیان نے قریش کی طرف سے عکرمہ بن ابی جہل کو غطفان کی طرف سے ورقہ ابن غطفان کو اس کام کے لیے مقرر کیا کہ وہ بنو قریظہ سے جا کر کہیں کہ اب ہمارا سامان جنگ بھی ختم ہو رہا ہے اور ہمارے آدمی بھی مسلسل جنگ سے تھک رہے

ہیں، ہم آپ کے معاہدے کے مطابق آپ کی امداد اور شرکت کے منتظر ہیں۔ بنو قریظہ نے ان کو اپنی قرارداد کے مطابق یہی جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہیں ہوں گے جب تک تم دونوں قبیلوں کے چند سردار ہمارے پاس بطور رہن (یرغمال) کے نہ پہنچ جائیں۔ عکرمہ اور ورقہ نے یہ خبر ابوسفیان کو پہنچادی تو قریش اور غطفان کے سرداروں نے یقین کرلیا کہ نعیم بن مسعودؓ نے جو خبر دی تھی وہ صحیح ہے۔ اور بنو قریظہ سے کہلا بھیجا کہ ہم اپنا ایک آدمی بھی آپ کو نہیں دیں گے، پھر آپ کا دل چاہے تو ہمارے ساتھ جنگ میں شرکت کریں اور نہ چاہیں تو نہ کریں۔ بنو قریظہ کو یہ حال دیکھ کر اس بات پر جو نعیم ابن مسعودؓ نے کہی تھی اور زیادہ یقین ہو گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن گروہ میں سے ایک شخص کے ذریعہ ان کے آپس میں پھوٹ ڈال دی اور ان لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

اس کے ساتھ دوسری آسمانی افتاد ان پر یہ آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سخت اور برفانی ہوا ان پر مسلط کر دی، جس نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے، ہنڈیاں چولھوں سے اڑا دیں۔ یہ تو ظاہری اسباب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاؤں اکھاڑنے کے لیے پیدا فرما دیے تھے اس پر مزید اپنے فرشتے بھیج دیے جو باطنی طور پر ان کے دلوں پر رعب طاری کر دیں، ان دونوں باتوں کا ذکر آیات مذکورہ کے شروع میں بھی اس طرح فرمایا گیا ہے: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ''یعنی ہم نے بھیج دی ان کے اوپر ایک تند و سخت ہوا اور بھیج دیئے فرشتوں کے لشکر''۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اب ان لوگوں کے لیے بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

حضرت حذیفہؓ کا دشمن کے لشکر میں جانے اور خبر لانے کا واقعہ

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعیم ابن مسعودؓ کی کارگذاری اور احزاب کے درمیان پھوٹ کے واقعات کی خبر ملی تو ارادہ فرمایا کہ اپنا کوئی آدمی جا کر دشمن کے لشکر اور ان کے ارادوں کا پتہ لائے۔ رات کا وقت تھا، صحابہ کرام دن بھر کی محنت و مقابلہ سے چور چور سخت سردی کے سبب سمٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کون ہے جو کھڑا ہو اور دشمن کے لشکر میں جا کر ان کی خبر لائے اور اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے؟ جاں نثاروں کا مجمع تھا مگر حالات نے ایسا مجبور کر رکھا تھا کہ کوئی کھڑا نہ ہوسکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو گئے اور کچھ دیر نماز میں مشغول رہنے کے بعد پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ کوئی شخص جو دشمن کے لشکر کی مجھے خبر لا دے اور اس کے عوض میں جنت حاصل کرے۔ اس مرتبہ بھی پورے مجمع میں سناٹا رہا، کوئی نہیں اٹھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر نماز میں مشغول ہو گئے اور کچھ دیر کے بعد پھر تیسری مرتبہ وہی خطاب فرمایا کہ جو ایسا کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ مگر پوری قوم دن بھر کی سخت تکان اور کئی دن کے فاقہ سے اور بھوک سے اور اوپر سے سردی کی شدت سے ایسی بے بس ہو رہی تھی کہ پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔

حضرت حذیفہؓ بن یمان راوی حدیث فرماتے ہیں کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام لے کر فرمایا کہ حذیفہ تم جاؤ۔ حالت میری بھی سب جیسی تھی، مگر نام لے کر حکم دینے پر اطاعت کے سوا چارہ نہیں تھا۔ میں

کھڑا ہو گیا اور سردی سے میرا تمام بدن کانپ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سر اور چہرے پر پھیرا اور فرمایا کہ دشمن کے لشکر میں جاؤ اور مجھے صرف خبر لا کر دو اور میرے پاس واپس آنے سے پہلے کوئی کام نہ کرو اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حفاظت کے لیے دعاء فرمائی۔ میں نے اپنی تیر کمان اٹھائی اور اپنے کپڑے اپنے اوپر باندھ لیے اور ان کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب یہاں سے روانہ ہوا تو عجیب ماجرا یہ دیکھا کہ خیمے کے اندر بیٹھے ہوئے جو سردی سے کپکپی طاری تھی وہ ختم ہو گئی اور میں اس طرح چل رہا تھا جیسے کوئی گرم حمام کے اندر ہو، یہاں تک کہ میں ان کے لشکر میں پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ہوا کے طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے تھے اور ہانڈیاں الٹ دی تھیں۔ ابوسفیان آگ سینک رہے تھے۔ میں نے یہ دیکھ کر اپنا تیر کمان میں مستحکم کیا اور ابوسفیان پر تیر پھینکنے ہی والا تھا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کچھ کام وہاں سے واپس آنے تک نہ کرنا۔ ابوسفیان بالکل میری زد میں تھے، مگر اس فرمان کی بناء پر میں نے اپنا تیر الگ کر لیا۔ ابوسفیان حالات سے پریشان ہو کر واپسی کا اعلان کرنا چاہتے تھے، مگر اس کے لیے ضروری تھا کہ قوم کے ذمہ داروں سے بات کریں۔ رات کی تاریکی میں اور سناٹے میں یہ خطرہ بھی تھا کہ کوئی جاسوس موجود ہو اور ان کی بات سن لے۔ اس لیے ابوسفیان نے یہ ہوشیاری کی کہ بات کرنے سے پہلے سارے مجمع کو کہا کہ ہر شخص اپنے برابر والے آدمی کو پہچان لے تاکہ کوئی غیر آدمی ہماری بات نہ سن سکے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اب مجھے خطرہ ہوا کہ میرے برابر کا آدمی جب مجھ سے پوچھے گا کہ تو کون ہے تو میرا راز کھل جائے گا۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری اور دلیری سے خود مسابقت کر کے اپنے برابر والے آدمی کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا تعجب ہے تم مجھے نہیں جانتے، میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت حذیفہؓ کو گرفتاری سے بچا لیا۔

ابوسفیان نے جب یہ اطمینان کر لیا کہ مجمع اپنا ہی ہے کوئی غیر نہیں تو اس نے پریشان کن حالات اور بنو قریظہ کی بدعہدی اور سامان جنگ ختم ہو جانے کے واقعات سنا کر کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اب آپ سب واپس چلیں اور میں بھی واپس جا رہا ہوں، اسی وقت لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور سب واپس جانے لگے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں یہاں سے واپس چلا تو محسوس ہوا کہ میرے گرد کوئی گرم حمام ہے جو مجھے سردی سے بچا رہا ہے۔ واپس پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں مشغول پایا، جب آپ نے سلام پھیرا تو میں نے واقعہ کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مسرت خبر سے خوش ہو کر ہنسنے لگے۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک چمکنے لگے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے قدموں میں جگہ دی، اور جو چادر آپ ﷺ اوڑھے ہوئے تھے اس کا ایک حصہ مجھ پر ڈال دیا، یہاں تک کہ میں سو گیا۔ جب صبح ہو گئی تو آپ ﷺ نے ہی یہ کہہ کر مجھے بیدار فرمایا کہ قم یا نومان کھڑا ہو جا اے بہت سونے والے۔

قریش کی واپسی

جب قریش واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الآن نغزوهم ولا يغزوننا نحن نسير اليهم (بخاری شریف)

اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ کافر ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے ہم ہی ان پر حملہ کرنے کے لیے چلیں گے یعنی کفر اب اتنا کمزور ہوگیا کہ اب اس میں اتنی قوت نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی اقدام کر سکے اور اسلام فقط اپنا دفاع کرے بلکہ اس کے برعکس اب اسلام اتنا قوی ہوگیا ہے کہ وہ کفر کے مقابلہ میں ابتداءً اقدام کرے گا اور جارحانہ حملہ آور ہوگا۔

تنبیہ

جو لوگ اسلام میں اقدامی جہاد کے منکر ہیں وہ بخاری کی روایت کے ان الفاظ کو خوب بغور پڑھ لیں۔

اور جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی اور زبان مبارک پر یہ کلمات تھے:

لا اله الا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير آئبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده (بخاری شریف ص ۵۹۰)

شہداءِ غزوۂ احزاب

ابن سعدؒ اور بلاذریؒ کہتے ہیں کہ محاصرہ پندرہ دن رہا۔ واقدیؒ کہتے ہیں یہی قول سب سے زیادہ راجح ہے۔ سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ چوبیس دن رہا۔ اس غزوہ میں مشرکین میں کے تین آدمی قتل ہوئے نوفل بن عبداللہ، عمرو بن عبدود، منبہ بن عبید اور چھ آدمی مسلمانوں کے شہید ہوئے:

1. سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
2. انس بن اویس رضی اللہ عنہ
3. عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ
4. طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ
5. ثعلبہ بن عنمہ رضی اللہ عنہ
6. کعب بن زید رضی اللہ عنہ

اور دو نام حافظ دمیاطی نے اضافہ کیے:

7. قیس بن زید رضی اللہ عنہ
8. عبداللہ بن ابی خالد رضی اللہ عنہ

(ماخوذ از معارف القرآن و سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ

جب وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر کی طرف اور نیچے کی طرف سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھرا گئی تھیں

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰

اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔

خلاصہ

۱ غزوہ احزاب میں مسلمان ہر طرف سے گھیرے جا چکے تھے مدینہ منورہ کے اونچے حصے یعنی مشرق کی طرف اور نچلے حصے یعنی مغرب کی طرف دشمنوں کے لشکر موجود تھے۔

۲ وہ ایسا خوف اور دہشت کا وقت تھا کہ آنکھیں پتھرا رہی تھیں اور بعض لوگ آنکھیں پھیر رہے تھے، کچھ لوگوں کے تیور بدل گئے اور دوستی جتلانے والے آنکھیں چرانے لگے۔

۳ خوف و ہراس کی وجہ سے دل دھڑک رہے تھے گویا کہ اپنی جگہ سے اٹھ کر گلے میں آ گئے ہوں۔

۴ اور مختلف لوگ اللہ تعالیٰ سے طرح طرح کے گمان کر رہے تھے الغرض بہت سخت وقت تھا اور بڑی سخت آزمائش تھی۔

اوپر نیچے ہر طرف سے حملہ

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ

(جب وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر کی طرف اور نیچے کی طرف سے چڑھ آئے)

۱ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر طرف سے گھر جانا ہے کہ تم اس وقت ہر طرف سے دشمنوں کے گھیرے میں تھے۔

ویحتمل ان یکون من فوق ومن اسفل کناية عن الاحاطة من جميع الجوانب كانه قيل: اذ جاؤكم محيطين بكم كقوله تعالىٰ يغشاهم العذاب من فوقهم ومن تحت ارجلهم (روح المعانی)

۲ مگر زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ اوپر کی طرف سے مراد مدینہ منورہ کے مشرق کی طرف ان لشکروں کا آنا اور نیچے کی طرف سے مراد مدینہ منورہ کے مغرب کی طرف سے ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مغرب کی طرف سے تو خود مدینہ منورہ میں موجودہ بنو قریظہ کے یہودی تھے جبکہ مشرق کی طرف سے قریش اور دیگر قبیلوں کا لشکر تھا۔

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ ای الاحزاب وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ تقدم عن حذیفة رضی الله عنه انهم بنو قریظه (ابن کثیر)

جبکہ دیگر مفسرین کے نزدیک اوپر کی طرف سے آنے والے بنوغطفان، اہل نجد، بنونضیر وغیرہ اور نیچے کی طرف سے آنے والے قریش، احابیش، بنوکنانہ اور اہل تہامہ وغیرہ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اوپر سے آنے والے بنوقریظہ تھے اور نیچے سے آنے والے قریش، اسد، غطفان، سلیم وغیرہ۔ (روح المعانی)

مِّن فَوْقِكُمْ ای من اعلی الوادی من قبل المشرق بنو غطفان

وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ من اسفل الوادی من قبل المغرب قریش (المدارک)

آنکھیں پھر گئیں

وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ

حضرات مفسرین اس کے دو ترجمے بیان فرماتے ہیں:

❶ مالت عن سننها ومستوی نظرها حیرة او عدلت عن کل شیء فلم تلتفت الا الی عدوها لشدة الروع

یعنی خوف اور وحشت کی وجہ سے آنکھیں پتھرا گئیں۔ (المدارک)

❷ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

اور آنکھیں ڈگنے لگیں یعنی تیور بدلنے لگے لوگوں کے۔ اور دوستی جتانے والے لگے آنکھیں چرانے۔ (موضح القرآن)

شدید خوف کے وقت یہ دونوں حالتیں ہوتی ہیں، آنکھیں دائیں بائیں دیکھنا بھول کر پتھرا جاتی ہیں اور کئی لوگ ایسے مشکل وقت میں آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

دلوں کا خوف اور ایک دعاء

صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ دل خوف کی وجہ سے حلق میں آرہے ہیں کوئی دعاء ارشاد فرمادیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دعاء پڑھو:

اللهم استر عوراتنا وأمن روعاتنا

پس اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر آندھی بھیج کران کو پسپا فرمادیا۔

عن ابی سعید رضی الله عنه قال: قلنا یوم الخندق: یارسول الله هل من شیء نقول، فقد بلغت القلوب الحناجر قال صلی الله علیه وسلم نعم قولوا: اللهم استر عوراتنا وأمن روعاتنا. قال: فضرب وجوه اعدائه بالریح فهزمهم بالریح، وکذا رواه الامام احمد بن حنبل عن ابی عامر العقدی. (تفسیرابن کثیر)

طرح طرح کے گمان

وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا

اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔

❶ مسلمان یہ گمان کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ سچا ہے اور ان کو فتح ملے گی، جبکہ منافق یہ گمان کر رہے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی اب بالکل ختم ہو جائیں گے ان کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔

ظن المنافقون ان محمدا صلى الله عليه وسلم واصحابه يستأصلون وايقن المؤمنون ان ما وعدالله ورسوله حق وانه سيظهره على الدين كله ولو كره المشركون. (ابن كثير عن حسن)

❷ ''یعنی کوئی کچھ سمجھتا تھا، کوئی کچھ انکلیں لگا رہا تھا، مسلمانوں نے سمجھا کہ اس مرتبہ اور سخت آزمائش آئی دیکھئے کیا صورت پیش آئے۔ کچے اعمال والوں نے خیال کیا بس جی اب کی بار نہیں بچیں گے، منافقین کا تو پوچھنا ہی کیا آگے ان کے مقولے آتے ہیں۔ (عثمانی)

ایک منافق نے یہاں تک کہا کہ محمد (ﷺ) ہم سے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا وعدہ کرتے تھے اور اب یہ حالت ہے کہ ہم بیت الخلاء تک بھی نہیں جا سکتے۔

حتى قال معتب بن قشير اخو بني عمرو بن عوف كان محمد يعدنا ان ناكل كنوز كسرىٰ وقيصر، واحدنا لا يقدر على ان يذهب الى الغائط. (ابن كثير)

❸ ایمان والوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اس بار آزمائش سخت ہوگی تو وہ پھسلنے اور کمزوری دکھانے سے ڈر رہے تھے جبکہ منافقین نے جو گمان کیا وہ تو آگے آیات میں آ رہا ہے۔

خطاب للذين امنو ومنهم الثبت القلوب والاقدام والضعاف القلوب الذين هم على حرف والمنافقون، فظن الاوّلون بالله انه يتبليهم فخافوا الزلل وضعف الاحتمال واما الآخرون فظنوا بالله ماحكى عنهم (المدارك)

❹ ''اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے جیسا کہ مواقع شدّت میں طبعی طور پر مختلف وسوسے آیا کرتے ہیں اور یہ کچھ مذموم نہیں''۔ (بیان القرآن)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱

اس موقع پر ایماندار آزمائے گئے اور سخت ہلا دیئے گئے۔

خلاصہ

❶ ایسے شدید وقت میں اہل ایمان کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ تاکہ مخلص اور منافق کی پہچان ہوجائے اور ثابت قدم رہنے والوں اور بھاگ جانے والوں میں امتیاز ہوجائے۔ الحمدللہ مسلمان اس امتحان میں پورے اترے اور منافقین کا نفاق ظاہر ہوگیا۔

❷ اور اس موقع پر اہل ایمان خوف اور دہشت کے ساتھ خوب ہلائے گئے اور جھڑ جھڑائے گئے، تب مخلصین ثابت قدم رہے اور منافقوں اور کمزوروں کے قدم اکھڑ گئے۔

یہ سخت آزمائش پانچ چیزوں سے تھی

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کا امتحان لیا گیا تاکہ مخلص اور منافق الگ الگ ہوجائیں اور یہ آزمائش ان چیزوں کے ذریعے تھی:

❶ خوف

❷ قتال یعنی جنگ

❸ بھوک

❹ محاصرہ

❺ دشمنوں سے جنگی حالت میں آمنا سامنا

ای عند ذلک اختبر المؤمنون لیتبین المخلص من المنافق وکان هذا الابتلاء بالخوف والقتال والجوع والحصر والنزال (القرطبی)

ان پانچ چیزوں کو لکھنا اور پڑھنا آسان ہے مگر جب یہ پانچوں کسی انسان پر جمع ہوجائیں تو اس کے ہوش وحواس تک جواب دے جاتے ہیں، آفرین ہے حضرات صحابہ کرام پر کہ ان حالات میں بھی وہ ڈٹے رہے، وفادار رہے اور ثابت قدم رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

روح المعانی میں ہے کہ مسلمانوں کی یہ آزمائش

❶ بھوک کے ذریعہ سے تھی (عن ضحاک)

❷ شدید محاصرے کے ذریعے سے تھی (عن مجاہد)

❸ یا ایمان پر ثابت قدمی کے بارے میں تھی

و ابتلاء هم على ماروى عن الضحاك بالجوع، وعلى ماروى عن مجاهد بشدة الحصار، وعلى ما قيل بالصبر على الايمان (روح المعانی)

''ایسے ہی شدید وقت میں اہل ایمان کا امتحان کیا گیا تا کہ ثابت قدم اور متزلزل اور صادق اور منافق ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائے سو الحمد للہ مسلمان امتحان میں پورے اترے اور منافقین کا نفاق ظاہر ہو گیا''۔ (معارف القرآن، کاندھلوی)

فائدہ برائے طلبہ علم

"هنا" للقريب من المكان و "هنالك" للبعيد و "هناك" للوسط۔ ويشار به الى الوقت (القرطبی)

اندرونی زلزلہ

وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا

اور وہ اس وقت سخت جھنجھوڑے گئے، زلزلے میں ڈالے گئے اس جملے کے حضرات مفسرین نے تین معنی لکھے ہیں:

❶ خوف کی وجہ سے وہ خوب ہلائے گئے یعنی ہل کر رہ گئے۔

❷ وہ اپنے رہنے کی جگہوں سے حالات کی وجہ سے دور پھینکے گئے کہ سوائے خندق کے ان کے پاس کوئی پناہ گاہ نہیں تھی۔

❸ وہ جس عقیدے اور سوچ پر تھے اس کے بارے میں ان کے اندر ایک اضطراب اور زلزلہ برپا ہوا۔

پس کچھ لوگ دین سے پھسل گئے جبکہ مخلص لوگ اس زلزلے میں بھی اپنے دین پر مضبوطی سے جمے رہے۔

قال ابن سلام: اى حركوا بالخوف تحريكا شديدا وقال الضحاك هو ازاحتهم عن اماكنهم حتى لم يكن لهم الا موضع الخندق

وقيل: انه اضطرابهم عما كانوا عليه فمنهم من اضطرب فى نفسه ومنهم من اضطرب فى دينه (القرطبی)

سُورَةُ الأَحْزَابِ مَدَنِيَّة آیت ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ

اور جبکہ منافق اور جن کے دلوں میں شک تھا کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جو ہم سے وعدہ

وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿۱۲﴾

کیا تھا صرف دھوکا ہی تھا۔

خلاصہ

بعض منافق کہنے لگے کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے تھے کہ میرا دین مشرق ومغرب میں پھیلے گا اور فارس، روم، صنعاء کے محلات مجھ کو دیے گئے۔ یہاں تو مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ وعدے کہاں ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہیے اب بھی ناامیدی کے وقت بے ایمانی کی باتیں نہ بولیں۔ (عثمانی، موضح قرآن)

شانِ نزول

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

طعمہ بن ابیرق اور معتب بن قشیر اور تقریباً ستر افراد نے غزوہ خندق کے دن کہا کہ آپ (ﷺ) ہم سے کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کا کس طرح سے وعدہ کرتے ہیں حالانکہ ہم میں سے کوئی (دشمنوں کے محاصرے اور تیراندازی کی وجہ سے) قضائے حاجت کے لیے بھی نہیں نکل سکتا۔ یہ باتیں انہوں نے تب کہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹان توڑتے وقت صحابہ کرام کو فتوحات کی بشارتیں عطاء فرمائیں۔

و ذلك ان طعمة بن ابيرق ومعتب بن قشير وجماعة نحو من سبعين رجلا قالوا يوم الخندق: كيف يعدنا كنوز كسرىٰ وقيصر ولا يستطيع احدنا ان يتبرز؟ وانما قالوا ذلك لما فشا فی اصحاب النبی صلی اللّٰه عليه وسلم من قوله عند ضرب الصخرة (القرطبی)

جن کے دلوں میں مرض تھا

منافق کا معنیٰ تو معلوم ہے مگر وہ کون لوگ تھے جن کے دلوں میں مرض تھا؟ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

❶ یہ منافقین ہی کی صفت ہے کہ وہ منافق جن کے دلوں میں شک اور نفاق کا مرض تھا۔

قيل: هو وصف المنافقين بالواو (المدارك)

❷ یہ وہ مسلمان تھے جنہیں دین کی بصیرت حاصل نہیں تھی منافقین ان کو شبہات میں ڈال کر اپنی طرف مائل کر

لیتے تھے۔وقیل هم قوم لا بصیرة لهم فی الدین کان المنافقون یستمیلونهم بادخال الشبه علیهم۔ (المدارک)

❸ یہ نومسلم لوگ تھے جن کا عقیدہ مضبوط نہیں ہوا تھا۔

وقیل: قوم کانوا ضعفاء الاعتقاد لقرب عهدهم بالاسلام۔ (روح المعانی)

یہ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا کی تفصیل ہے

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ پہلے جو ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے طرح طرح کے گمان کر رہے تھے یہ اس کی تفصیل ہے کہ منافقین کا گمان یہ تھا کہ (نعوذ باللہ) ہمارے ساتھ دھوکا اور فریب ہوا ہے۔ (تفسیر کبیر)

ہماری طاقت سے زائد بوجھ ڈالا جا رہا ہے

غُرُوْرًا دھوکا اور فریب کو کہتے ہیں۔

ای امرا یغرنا ویوقعنا فیما لا طاقة لنا به

یعنی ہمیں فریب میں ڈالنے والی باتیں کی جاتی ہیں اور ان چیزوں میں ہمیں ڈالا جاتا ہے جن کی ہمارے اندر طاقت نہیں ہے۔ (البحر المحیط)

یہ منافقین کا سدا بہار الزام ہے کہ جہاد ہماری استطاعت میں نہیں ہے اور دشمن ہم سے بہت طاقتور ہیں اور ہم ان کے مقابلے کی قوت اور استطاعت نہیں رکھتے۔ اُس زمانے سے لیکر آج تک جہاد کے منکر ''نفاق فتنے'' اسی بات کو اپنی سب سے بڑی دلیل سمجھتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ

اور جبکہ ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی اے مدینہ والو تمہارے لیے ٹھہرنے کا موقع نہیں سولوٹ چلو

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا

اور ان میں سے کچھ لوگ نبی سے رخصت مانگنے لگے کہنے لگے کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں اور حالانکہ

هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

وہ اکیلے نہ تھے وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

خلاصہ

❶ غزوۂ احزاب کے موقع پر بعض منافقین نے دوسروں سے کہا کہ اے یثرب والو یہاں محاذ جنگ پر ٹھہرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لیے واپس اپنے گھروں کو لوٹ چلو تو جان بچ جائے گی۔

❷ اور کچھ نے یہ بہانہ بنایا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں ہمیں گھروں میں جانے کی اجازت دی جائے، حالانکہ ان کے گھر غیر محفوظ نہیں تھے وہ تو صرف جہاد سے بھاگنا چاہتے تھے۔

واپس لوٹ چلو

بعض منافقین اس سخت صورتحال میں محاذ جنگ چھوڑ کر واپس اپنے گھروں کو لوٹنے کی بات کر رہے تھے۔انہوں نے کہا فَارْجِعُوْا کہ واپس لوٹ جاؤ۔حضرات مفسرین نے اس کے کئی معنیٰ لکھے ہیں:

❶ اسلامی لشکر سے الگ ہو کر واپس اپنے گھروں میں لوٹ جاؤ تاکہ مشرکین تمہیں قتل نہ کریں۔

❷ دین اسلام چھوڑ کر واپس کفر اختیار کر لو کیونکہ مسلمان رہنے کی صورت میں موت یقینی ہے۔

❸ حضور اکرم (ﷺ) سے جو بیعت کی ہے اس کو توڑ دو اور (نعوذ باللہ) آپ (ﷺ) کو مشرکین کے حوالے کر دو۔

❹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے منافق ہونے کا پتہ چل چکا ہے اس لیے ان کا ساتھ چھوڑ کر مشرکین اور یہودیوں کے ساتھ مل جاؤ، ورنہ رسول اللہ (ﷺ) کامیاب ہونے کے بعد تمہیں مار دیں گے۔

فَارْجِعُوْا الی بیوتکم ومنازلکم امروهم بالهرب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقيل فارجعوا كفارا الى دينكم الاوّل واسلموه الى اعدائه (البحر المحيط)

فقالو: لا مقام لكم على معنىٰ لا مقام لكم مع النبي صلى الله عليه وسلم لانه ان غلب

قتلکم فارجعوا عما بایعتموہ علیه واسلموہ علیه الصلوٰۃ والسلام أو فارجعوا عن الاسلام واتفقوا مع الاحزاب۔ (روح المعانی)

تفسیر حقانی میں ہے:

مقاتلؒ کہتے ہیں وہ بنوسالم کے منافق تھے۔ سدیؒ کہتے ہیں عبداللہ بن ابی اور اس کے یاروں نے کہا تھا، بعض کہتے ہیں "بن قیظی" اور اس کے دوستوں نے کہا تھا۔ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ اے مدینہ والو تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کی جگہ نہیں یا تم دشمن کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے، میدان جنگ چھوڑ کر اپنے اپنے گھر چلو، یا تم دین اسلام پر قائم نہیں رہ سکتے دین چھوڑ کر کفر کی طرف رجوع کرو کہ دشمنوں سے پناہ پاؤ۔

"یَثْرِبَ" ابو عبیدہؒ کہتے ہیں یثرب زمین کے ایک قطعہ کا نام ہے اور مدینہ اس کے ایک گوشے میں آباد ہے، بعض کہتے ہیں خاص مدینہ کا پہلا نام یثرب ہے، بخاری و مسلم وغیرہما نے روایت کی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایسے شہر میں رہنے کا حکم ہوا جو اور شہروں کو کھا جائے گا، اس کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے "الحدیث۔ اس سے معلوم ہوا کہ یثرب مدینہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر "یثرب" نام لینے سے منع کیا جیسا کہ امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اس لیے کہ یثرب کے نام میں سرزنش کے معنیٰ پائے جاتے ہیں اس لیے مدینہ نام لینا بہتر ٹھہرایا"۔ (تفسیر حقانی)

یہودیوں کا مشورہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ مدینہ منورہ کے یہودیوں نے عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین سے کہا کہ کیوں خود کو ابوسفیان اور ان کے لشکر کے ہاتھوں سے قتل کراتے ہو، واپس ہمارے پاس مدینہ لوٹ آؤ ہم بھی مشرکین کے لشکر کے ساتھ ہیں اس طرح تم بچ جاؤ گے۔

قال ابن عباس: قالت الیهود لعبد الله بن ابی ابن سلول واصحابه من المنافقین ما الذی یحملکم علی قتل انفسکم بید ابی سفیان واصحابه! فارجعوا الی المدینة فانا مع القوم فانتم أمنون۔ (القرطبی)

منافق کے نزدیک اصل کامیابی جان کا بچ جانا

منافق کے نزدیک اصل اور بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس کی جان بچ جائے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی اپنی جان بچانے کے لیے وہ ہر برائی اور بے غیرتی کرنے پر تیار تھے، یہاں تک کہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے حوالے کرنے کی باتیں کر رہے تھے۔

منافقوں کی یہ علامت ہر زمانے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جہاد سے بھاگنے والے

بعض منافقین نے کہا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، چھوٹی چھوٹی دیواریں ہیں، چوروں اور دشمنوں کا خوف ہے،

وغیرہ وغیرہ۔اس لیے ہمیں گھر جانے کی اجازت دی جائے۔قرآن پاک نے فرمایا کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں ان کے گھر غیر محفوظ نہیں ہیں وہ صرف جہاد سے اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کرنے سے بھاگنا چاہتے ہیں۔

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ ای بنو حارثة يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ اعتذروا ان بيوتهم عرضة للعدو والسارق لانها غير محصنة فاستاذنوه ليحصنوها ثم يرجعوا اليه فاكذبهم الله بانهم لا يخافون ذلك وانما يريدون الفرار من القتال۔ (المدارك)

اِلَّا فِرَارًا ای هربا من القتال ونصرة المؤمنين قاله جماعة (روح المعانی)

موذی زبانیں

منافقوں کو جب جان کا خطرہ پڑے یا کافروں کا خوف ہو تو ان کی زبانیں مسلمانوں کے خلاف اور مجاہدین کے خلاف بہت سخت چلنے لگتی ہیں۔مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کو معلوم تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کو "یثرب" کہنا پسند نہیں فرماتے تو شاید اسی لیے انہوں نے يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ اے یثرب والو کی آواز لگائی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچا سکیں (اور اپنے لوگوں میں علاقہ پرستی کا تعصب جگا سکیں)

وكأن القائلين اختاروا يثرب من بين الاسماء مخالفة له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما علموا من كراهيته عليه الصلوٰة والسلام لهذا الاسم من بينها۔ (روح المعانی)

فائدہ

اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے مدینہ منورہ کے ناموں پر بھی روشنی ڈالی ہے،امام ابن کثیرؒ نے گیارہ نام ذکر فرمائے ہیں۔شائقین رجوع فرمالیں۔

کلام برکت

"یثرب نام تھا مدینے کا۔یعنی سارے عرب ہمارے دشمن ہوئے تو ہم کو رہنے کا ٹھکانا کہاں؟ سب لشکر سے جدا ہو جاؤ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ باہر کھڑے تھے،شہر میں محکم (یعنی مضبوط) حویلیوں کونا کے بند کر کر زنانے ان میں رکھ دیے تھے۔یہ (منافقین) بہانہ کرنے لگے کہ ہمارے گھر کھلے ہیں اور وہ جھوٹ بات تھی"۔(موضح القرآن)

سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْہِمْ مِّنْ اَقْطَارِہَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَۃَ لَاٰتَوْہَا

اور اگر کسی طرف سے کوئی ان پر گھس آتا پھر ان سے فساد کی درخواست کی جاتی تو فساد پر آمادہ ہوجاتے

وَمَا تَلَبَّثُوْا بِہَآ اِلَّا یَسِیْرًا ﴿۱۴﴾

اور دیر نہ کرتے مگر بہت ہی کم۔

خلاصہ

ان منافقین کی اندرونی حالت یہ ہے کہ اگر مدینہ میں کفار کا لشکر ہر جانب سے اچانک داخل ہوجائے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں محفوظ ہوں پھر وہ کفار ان سے فتنہ فساد یعنی مسلمانوں سے لڑنے کی درخواست کریں تو یہ فوراً مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار ہوجائیں گے اور اس میں دیر نہیں کریں گے مگر بہت تھوڑی۔ یعنی ان کی بات سنتے ہی مسلمانوں سے مقابلہ اور جنگ کے لیے تیار ہوجائیں گے اور دیر نہ کریں گے مگر صرف اتنی جتنی کہ سوال و جواب اور ہتھیار اٹھانے اور گھر سے نکلنے میں دیر لگتی ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصل میں ان کو مسلمانوں سے عداوت اور کفار سے محبت ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کی فتح و نصرت ہرگز نہیں چاہتے اور صرف تعداد بڑھانے کی حد تک بھی مسلمانوں کی نصرت نہیں کرنا چاہتے، باقی گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا تو صرف بہانہ ہے۔ (بیان القرآن تسہیل)

منافقین مسلمانوں کے دشمن کافروں کے یار

اس آیت مبارکہ میں منافقین کی بہت اہم نشانی بیان فرمائی ہے کہ یہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر تو جہاد نہیں کرنا چاہتے لیکن اگر کافروں کا طاقتور لشکر ان کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں سے لڑانا چاہے تو فوراً تیار ہوجائیں گے۔ اس زمانے میں بھی کئی دانشور جو خود کو مسلمان کہلواتے ہیں مجاہدین کے جہاد کو قتل و غارت اور فساد قرار دیتے ہیں جبکہ امریکہ اگر مسلمانوں کو قتل کرے تو یہ خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امریکہ نے امن قائم کیا ہے اور دہشت گردی ختم کی ہے۔

اللھم انا نعوذبک من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق

آسان تفسیر

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

الفتنۃ ای الردۃ والرجوع الی اظھاد الکفر و مقاتلۃ المسلمین قال ابن عطیۃ ولو دخلت المدینۃ من اقطارھا واشتد الحرب الحقیقی ثم سئلو الفتنۃ والحرب لمحمد صلی

اللہ علیہ وسلم لطاروا الیھا واتوھا مجیبین فیھا ولم یتلبثوا فی بیوتھم لحفظھا الا یسیرا قیل قدر ما یاخذون سلاحھم۔ (البحر المحیط)

اسی تفسیر کو اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

’’یعنی (یہ لوگ) جھوٹے حیلے بنا رہے ہیں۔ اگر فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیم (یعنی دشمن) ادھر اُدھر سے گھس آئے پھر ان سے مطالبہ کرے کہ دین اسلام چھوڑ دو، جسے بظاہر یہ لوگ اختیار کیے ہوئے ہیں، یا یہ کہے کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنے فساد برپا کرو، اس وقت ان کا جھوٹ صاف کھل جائے۔ فوراً ان مطالبات کی تائید میں نکل پڑیں۔ نہ گھروں کے کھلے ہونے کا عذر کریں نہ لٹنے کا۔ بس بات چیت کرنے اور ہتھیار اٹھا کر لانے میں جو تھوڑی دیر لگے گی اسے مستثنیٰ کر کے ایک منٹ کا توقف نہ کریں، اسلام کے ظاہری دعوے سے دستبردار ہو کر فوراً فتنہ و فساد کی آگ میں کود پڑیں‘‘۔ (عثمانی)

انہیں مسلمانوں سے دشمنی ہے اور کافروں سے محبت

’’اگر مدینہ کے اطراف سے کوئی لشکر ان پر گھس آئے پھر ان سے فتنے کا سوال کیا جائے تو یہ ضرور فتنے کو منظور کر لیں گے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کا مقصد مسلمانوں کے ساتھ شریک قتال ہونے سے منہ موڑنا ہے۔ اگر کافروں کا کوئی لشکر ان کے پاس پہنچ جائے اور وہ ان سے کہے کہ چلو مسلمانوں سے لڑو تو یہ ضرور ان کی بات مان لیں گے اور اپنے گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں گے بس کافروں کے کہتے ہی چل پڑیں گے یا اتنی دیر لگائیں گے جتنی دیر میں ہتھیار لے لیں، اس وقت انہیں گھروں کی حفاظت کا بالکل خیال نہیں رہے گا، انہیں مسلمانوں سے دشمنی ہے اور کافروں سے محبت ہے۔

قال صاحب الروح ان طلبھم الاذن فی الرجوع لیس لا ختلال بیوتھم بل لنفاقھم وکراھتھم نصرتک

تفسیر روح المعانی کے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ان کا واپسی کی اجازت مانگنا واقعۃً کوئی گھروں کے نقصان کے اندیشہ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کے منافق ہونے اور آپ کی مدد کو ناپسند کرنے کی وجہ سے تھا‘‘۔ (انوار البیان)

فتنے میں پڑنے کے بعد یہ جلدی ہلاک ہو جائیں گے

بعض مفسرین کے نزدیک ﴿وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کافروں کے کہنے میں آ کر فتنے میں پڑ گئے یعنی انہوں نے کفر کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں سے جنگ کی تو پھر یہ مدینہ منورہ میں نہیں رہ سکیں گے مگر بہت تھوڑا سا وقت۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرما دے گا۔

او ما لبثوا بالمدينة بعد ارتدادهم الا يسيرا فان الله يهلكهم (المدارك)

غور فرمائیں

امریکہ یورپ اور نیٹو کی صلیبی اتحادی فوجیں مسلمانوں کے ممالک پر حملہ آور ہوتی ہیں اور ان کے ملکوں میں ہر طرف سے گھس آتی ہیں نام کے وہ مسلمان جوان اتحادی فوجوں کے ساتھ مل کر مخلص مسلمانوں سے لڑتے ہیں وہ اس آیت مبارکہ پر غور کریں۔اسی طرح اسلامی ممالک کے جو حکمران اور فوجیں اتحادی صلیبی فوجوں کا ساتھ دیتی ہیں وہ بھی اس آیت پر غور کریں۔(واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ

حالانکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے عہد کرچکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ تعالیٰ سے

عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ۝۱۵

عہد کرنے کی باز پرس ہو گی۔

خلاصہ

ان منافقین نے غزوۂ احزاب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے پختہ اور مضبوط عہد کیا تھا کہ آئندہ ہم کافروں سے جہاد میں پشت نہیں پھیریں گے بلکہ مضبوطی کے ساتھ لڑیں گے...... اب ان کا وہ عہد کہاں گیا؟ خوب یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی باز پرس ہو گی۔ پوچھا جائے گا کہ عہد پورا کیوں نہیں کیا اور عہد توڑنے پر سزا بھی دی جائے گی......

یہ عہد کب کیا تھا؟

ان لوگوں نے جہاد سے پیٹھ نہ پھیرنے کا عہد کب کیا تھا، اس میں کئی اقوال ہیں:

❶ غزوۂ بدر کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ اگر آئندہ جہاد ہوا تو ہم بھی ضرور شریک ہوں گے اور بہادری سے لڑیں گے۔

❷ غزوۂ احد کے بعد انہوں نے یہ عہد کیا تھا۔

❸ وہ جب بھی جہاد سے رہ جاتے تھے تو آئندہ کے لیے شرکت کا عہد کر لیتے تھے۔

❹ منیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے وقت کا عہد یاد دلایا جا رہا ہے (تب اس سے مراد صرف منافقین نہیں ہوں گے۔ یہ قول ضعیف ہے)

ای من قبل غزوة الخندق وبعد بدر قال قتادة وذلك انهم غابوا عن بدر ورأوا ما اعطى الله اهل بدر من الكرامة والنصر، فقالوا لئن اشهدنا الله قتالاً لنقاتلن وقال يزيد بن رومان: هم بنو حارثة هموا يوم احد ان يفشلوا مع بنى سلمة فلما نزل فيهم مانزل عاهدوا الله الا يعودوا لمثلها فذكر الله لهم الذى اعطوه من ا نفسهم. قال مقاتل والكلبى هم سبعون رجلا بايعوا النبى صلى الله عليه وسلم ليلة العقبة. (القرطبى)

او من قبل نظرهم الى الاحزاب (المدارك)

فانھم قبل ذلك تخلفوا واظھروا عذرا وندما وذکروا ان القتال لا یزال لھم قدما.
(تفسیر کبیر)

آسان تفسیر

”اس آیت میں بھی انہیں لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے گھروں کے خالی ہونے کا بہانہ کر کے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے اجازت طلب کی تھی۔ ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ الآیۃ یعنی ان لوگوں نے اس سے پہلے عہد کیا تھا کہ پشت پھیر کر نہ جائیں گے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بنو حارثہ کا ذکر ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے قبیلہ بنو سلمہ مراد ہے، یہ لوگ غزوۂ احد کے موقع پر بزدلی دکھا چکے تھے پھر توبہ کر کے شریک ہو گئے تھے اور خندق کا واقعہ پیش آنے سے پہلے عہد کیا تھا کہ راہِ فرار اختیار نہ کریں گے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ میں ان منافقوں کا ذکر ہے جو غزوۂ بدر کی شرکت سے رہ گئے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے وہاں مسلمانوں کو فتح عطاء فرمائی اور کافروں کو بری طرح شکست دی تو یہ کہنے لگے افسوس ہم شریک نہ ہوئے، اگر ہم شریک ہوتے تو یوں کرتب دکھاتے اور ایسا کرتے، ویسا کرتے۔ آئندہ جب کوئی جہاد کا موقع ہوگا تو ہم اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے۔ جب غزوۂ خندق کا موقع آیا تو ان کے سارے دعوے اور معاہدے دھرے کے دھرے رہ گئے اور فرار کی راہیں اختیار کرنے لگے۔

وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی، عہد کی خلاف ورزی اور عہد شکنی کر کے سزا کے مستحق ہو چکے ہیں“۔ (انوار البیان)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

”جنگ احد کے بعد اقرار کیا تھا کہ پھر ہم ایسی حرکت نہ کریں گے“۔ (موضح القرآن)

سُوْرَةُ الْأَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۶، ۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ

کہہ دو اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور

اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ

اس وقت سوائے تھوڑے دنوں کے نفع اٹھاؤ گے۔ کہہ دو کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچا سکے

اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ

اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا تم پر مہربانی کرنا چاہے اور اللہ تعالیٰ کے

لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔

خلاصہ

❶ منافقین مرنے اور قتل ہونے کے ڈر سے میدان جہاد سے بھاگ رہے ہیں تو ان کو بتادیا جائے کہ میدان جہاد سے بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ جب موت کا وقت آجائے تو وہ ہر جگہ پہنچ جاتی ہے گھر میں ہو یا میدان جہاد میں۔ اور اگر وقت نہ آیا ہو تو میدان جنگ میں بھی موت نہیں آسکتی۔ تب بھاگ کر اتنے ہی دن جی لوگے جو قسمت میں لکھے ہیں، بالآخر پھر موت آہی جائے گی۔

❷ اگر ان منافقین کا یہ گمان ہے کہ ان کے قلعے، محلات یا کافروں سے یاری ان کو بچاسکتی ہے تو ان کو بتادیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور قوت کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔ وہ اگر تمہیں قتل، شکست یا ذلت میں ڈالنا چاہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور اگر تم پر اپنا فضل فرمانا چاہے تو کوئی اس میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ یاد رکھو جو اللہ تعالیٰ سے کٹ جائے گا وہی بے یار ومددگار رہ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی فائدہ نہیں

امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں یہ حکیمانہ کلام فرماتے ہیں:

تقدیر لکھی جاچکی ہے، جو کچھ طے ہوچکا ہے اس سے کوئی بھاگ کر بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو مقدر فرمادیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کا حکم دیا جائے وہ اگر یہ حکم پورا نہیں کرے گا بلکہ نافرمانی کرے گا تو اُسے اس نافرمانی سے کوئی فوری فائدہ نہیں ملے گا، البتہ اپنے وقت پر اس نافرمانی کی سزا اُسے ضرور ملے گی۔

(اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا، پس اس حکم کو نہ ماننے والے سزا تو پائیں گے مگر جہاد میں نہ جا کر وہ کوئی فوری نفع یا فائدہ اٹھالیں گے تو یہ ناممکن ہے)

اشارة الی ان الامور مقدرة لا یمکن الفرار مما وقع علیه القرار وما قدره الله کائن فمن امر بشیء اذا خالفه یبقیٰ فی ورطة العقاب آجلا ولا ینتفع بالمخالفة عاجلا۔ (تفسیر کبیر)

کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں؟

”یعنی جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا، قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی اور اگر ابھی موت مقدر نہیں تو میدان سے بھاگنا بے سود ہے۔ کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور اگر فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہی ہو گیا تو کے دن (یعنی کتنے دن؟) آخرت موت آنی ہے، اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور نہ معلوم کس سختی اور ذلت سے آئے۔

اللہ تعالیٰ کے ارادے کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ نہ کوئی تدبیر اور حیلہ اس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اسی پر توکل کرے اور ہر حالت میں اسی کی مرضی کا طلبگار رہے۔ ورنہ دنیا کی برائی بھلائی یا سختی نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی، پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چرائے جو عاقبت خراب ہو اور دنیا کی تکلیف ہٹ نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جہاد چھوڑنے میں کوئی فائدہ تو ملے گا نہیں البتہ عاقبت خراب ہوگی اور دنیا میں جو تکلیف مقدر ہے وہ بھی آ کر رہے گی۔

آسان تفسیر

”(ان دو آیات میں) راہِ فرار اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم موت سے یا قتل کے ڈر سے بھاگ گئے تو تمہارا یہ بھاگنا تمہیں نفع نہ دے گا، اگر بھاگ گئے تو کتنا جیو گے؟ اجل مقررہ کے مطابق موت تو آ ہی جائے گی اور عمر کا جو بقیہ حصہ ہے اس سے بھی زیادہ نفع حاصل نہیں کر سکتے، بھاگ کر عمر نہیں بڑھ سکتی کیونکہ اس کا وقت مقرر ہے، مزید فرمایا کہ ہر چیز کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر تم بھاگ گئے اور جہاں پہنچے وہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہلاک فرما دیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ سے کون بچا سکتا ہے؟ اور وہ تم پر فضل فرمائے مثلاً زندہ رکھے جو کہ ایک دنیاوی رحمت ہے تو اسے اس سے کون روک سکتا ہے؟“ (تفسیر انوار البیان)

مسئلہ جہاد پر دو اہم نکتے

❶ ہر زمانے میں منافقین جہاد میں موت دیکھتے ہیں کیونکہ وہ کافروں کی طاقت کو نا قابل شکست سمجھتے ہیں، آیت ⑯ میں یہ پکا فیصلہ سنا دیا گیا کہ جہاد میں موت نہیں اور فرار میں زندگی نہیں۔ موت اپنے وقت پر آتی ہے اور زندگی کے لمحات مقرر ہیں ان میں کمی و زیادتی نہیں ہو سکتی۔

❷ منافقین کا ہر دور میں یہی نعرہ ہوتا ہے کہ ہم ساری دنیا سے کٹ کر کیسے زندگی گزاریں گے؟ اگر ہم جہاد

کریں یا جہاد کی بات کریں تو ہم کافروں کی عالمی برادری سے کٹ جائیں گے تو پھر ہم دنیا میں کیسے رہیں گے؟ آیت ⓱ میں اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ ساری دنیا کے کافروں سے کٹ کر زندہ رہنا اور زندگی گزارنا ممکن ہے مگر اللہ تعالیٰ سے کٹ کر کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ موت، زندگی، نفع، نقصان اور عزت و ذلت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سے جڑنے کی فکر کرو وہی مددگار ہے وہی کارساز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے کٹ کر ساری دنیا سے جڑنے کا منافقانہ شوق دل سے نکال دو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو ساری دنیا مل کر تمہیں کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

ان دو آیات نے دو واضح اصول سمجھا دیئے اور جہاد کا مسئلہ سمجھا دیا اور جہاد کے خلاف ہر تاویل و تحریف کا دروازہ بند کر دیا۔ اور ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ ان آیات میں جو اصول بتا کر جہاد کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے وہ اصول قیامت تک کے لیے ہیں، اس لیے جہاد کی تمام آیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام کے زمانے کے ساتھ مخصوص ماننا ایک کھلی غلطی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب آیت ⓰ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

”یعنی جس کی قسمت میں موت ہے اس کو بچاؤ نہ ہوگا بھاگنے سے اور اگر موت نہیں تو بھاگ کر بچا کے دن (یعنی کتنے دن؟) (موضح القرآن)

آیت ⓰۔ یاد رکھو اے منافقین! موت کا وقت معین ہے اس سے کہاں بھاگ سکتے ہو

آیت ⓱۔ اللہ تعالیٰ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ (حضرت لاہوریؒ)

سُوۡرَۃُ الۡاَحۡزَابِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۸، ۱۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الۡمُعَوِّقِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَ الۡقَآئِلِیۡنَ لِاِخۡوَانِہِمۡ ہَلُمَّ

تحقیق اللہ تعالیٰ تم میں سے روکنے والوں کو جانتا ہے اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے

اِلَیۡنَا ۚ وَ لَا یَاۡتُوۡنَ الۡبَاۡسَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّۃً عَلَیۡکُمۡ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ

پاس آجاؤ اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں۔ تم سے ہمدردی کرتے ہوئے پھر جب

الۡخَوۡفُ رَاَیۡتَہُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ تَدُوۡرُ اَعۡیُنُہُمۡ کَالَّذِیۡ یُغۡشٰی

ڈر کا وقت آجائے تو تو انہیں دیکھے گا کہ تیری طرف دیکھتے ہیں ان کی آنکھیں پھرتی ہیں جیسے

عَلَیۡہِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا ذَہَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡکُمۡ بِاَلۡسِنَۃٍ حِدَادٍ

کسی پر موت کی بے ہوشی آئے پھر جب ڈر جاتا رہے تو تمہیں تیز زبانوں سے طعنہ

اَشِحَّۃً عَلَی الۡخَیۡرِ ؕ اُولٰٓئِکَ لَمۡ یُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰہُ اَعۡمَالَہُمۡ ؕ

دیتے ہیں مال کے لالچی ہیں یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال ضائع

وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ﴿۱۹﴾

کر دیئے اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔

خلاصہ ۱

1. منافقین مسلمانوں کو جہاد سے روکتے ہیں
2. خود بھی جہاد میں شرکت نہیں کرتے
3. اسلام اور مسلمانوں کے لیے اپنے جان و مال کو خرچ کرنے میں سخت بخیل ہیں
4. انتہائی بزدل ہیں
5. مال کے بے حد لالچی ہیں
6. ان بے ایمان لوگوں کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے ضائع فرمادیا ہے

خلاصہ ۲

”بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو دوسروں کو لڑائی میں جانے سے روکتے ہیں جو اپنے نسبی یا وطنی بھائیوں سے یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی طرف نہ جاؤ بلکہ ہماری طرف آجاؤ سلامت رہو گے،

مسلمانوں کی طرف جا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور ان کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ نہیں آتے یہ منافق لڑائی میں مگر بہت تھوڑا، کبھی کبھی دکھانے اور سنانے کے لیے آجاتے ہیں اس حال میں کہ یہ منافقین تمہاری جانی اور مالی مدد کرنے میں بڑے بخیل ہیں ان کے دل حرص اور طمع سے بھرے ہوئے ہیں، کسی وقت اگر لڑائی میں شرکت کرتے ہیں تو اس طمع کی بناء پر شرکت کرتے ہیں کہ مال غنیمت کے ہم مستحق ہو جائیں۔ پھر جب کبھی خوف کا موقع پیش آئے تو آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے کہ یہ لوگ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں حیرت اور دہشت سے ایسے چکراتی ہیں جیسے وہ شخص کہ جس پر موت کی وجہ سے غشی طاری ہو گئی ہو تو اس کے ہوش وحواس جاتے رہتے ہیں اور اس کی نگاہ اوپر کو چڑھ جاتی ہے، پھر وہ پلک نہیں مار سکتا، اسی طرح لڑائی کے وقت بزدلوں کا حال ہوتا ہے کہ خوف کی وجہ سے ان کی آنکھیں اوپر کو چڑھ جاتی ہیں، پھر جب وہ خوف چلا جاتا ہے اور ڈر کا وقت نکل جاتا ہے اور امن ہو جاتا ہے تو تیز زبانوں سے تم پر زبان درازی کرتے ہیں اس حال میں کہ مال غنیمت کے بارے میں سخت حریص ہوتے ہیں یعنی فتح کے بعد اپنی بہادری جتلاتے ہیں اور چڑھ چڑھ کے باتیں کرتے ہیں کہ ہماری پشت پناہی سے تم کو فتح حاصل ہوئی لہٰذا مال غنیمت سے ہم کو بھی حصہ دو، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی باتوں پر یقین نہیں، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ملیا میٹ کر دیا اور ان کا جہاد اور ان کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے جس کو چاہے توفیق دے اور جس کو چاہے محروم کرے۔" (معارف القرآن کاندھلوی)

ان دو آیات سے متعلق چند واقعات

❶ ایک مخلص مسلمان غزوۂ خندق کے موقع پر اپنے سگے بھائی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ چپاتی اور بھنا ہوا گوشت کھا رہا ہے اور اس کے آس پاس نبیذ (کھجوروں کا میٹھا پانی) پڑا ہے، یہ شخص منافق تھا، مخلص مسلمان نے اس سے کہا تو یہاں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیزوں اور تلواروں کے درمیان ہیں اس پر بھنا ہوا گوشت کھانے والے شخص نے کہا کہ تو بھی میرے پاس آجا کہ اب تو تم لوگ ایسے گھیرے میں آگئے ہو کہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، مخلص مسلمان نے کہا کہ تو جھوٹا ہے اللہ کی قسم میں تیری بات کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دوں گا، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آیت کریمہ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ لے کر نازل ہو چکے ہیں۔ (قرطبی، روح المعانی، انوار البیان)

❷ یہودیوں نے منافقین کو پیغام بھیجا کہ تم لوگ ابوسفیان اور ان کی جماعت اور دوستوں کے ہاتھوں کیوں اپنی جان کو تباہ کر رہے ہو، اگر اس مرتبہ انہوں نے تم پر قابو پا لیا تو تم میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے، ہمیں تم پر ترس آرہا ہے، تم ہمارے بھائی ہو اور پڑوسی ہو، ہمارے پاس آجاؤ۔ یہود کی باتوں سے متاثر ہو کر "رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مخلص مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں جنگ کرنے سے روکنے لگے اور خوفزدہ کرنے لگے کہ دیکھو اگر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے تم پر قابو پا لیا تو تم میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے، تمہیں محمد (ﷺ)

سے کس خیر کی امید ہے اس جنگ کا تو یہ حاصل ہے کہ ہم سب یہیں مقتول ہو جائیں، چلو ہم اپنے یہودی بھائیوں کے پاس چلیں۔ منافقوں کی یہ بات سن کر اہل ایمان کا ایمان اور مضبوط ہو گیا اور ان میں ثواب کی امید اور زیادہ پکی ہو گئی۔ (معالم التنزیل، انوار البیان)

❸ منافقین نے مسلمانوں سے کہا محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی مٹھی بھر ہیں یہ سب ہلاک ہو جائیں گے اس لیے تم ان کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ آ جاؤ۔ (روایت کے الفاظ میں "اکلۃ رأس" کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ہے یہ لوگ اتنے تھوڑے سے ہیں کہ (کسی جانور کا) ایک سر ان سب کے کھانے کے لیے کافی ہو سکتا ہے، یہ لفظ تعداد کی کمی بتانے کے لیے بولا جاتا ہے)

انھم المنافقون، قالوا للمسلمین: ما محمد واصحابہ الا اکلۃ رأس وھو ھالک ومن معہ فھلم الینا (القرطبی)

آسان تفسیر

اور اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو جہاد سے روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ۔

اِخْوَانِهِمْ بھائیوں سے مراد مدینہ منورہ کے باشندے ہیں یعنی ہمارے پاس آ جاؤ محمد (ﷺ) کا ساتھ چھوڑ دو ان کے ساتھ مل کر جنگ نہ کرو ہم کو تمہارے مارے جانے کا اندیشہ ہے۔

عائق موڑ دینے والا عوق پھیر دینا عائق سے مراد ہوتا ہے خیر سے روکنے والا۔ یہاں اَلْمُعَوِّقِيْنَ سے مراد وہ منافق ہیں جو لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے اور آپ کے ہمراہ رہنے سے روکتے تھے، قتادہؒ نے کہا یہ لوگ منافق تھے جو انصار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے سے روکتے تھے اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے تھے محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی گوشت (کی طرح) ہیں ابوسفیان اور اس کے ساتھی ان کو لقمہ بنالیں گے، یہ شخص تو تباہ ہونے ہی والا ہے اس کو چھوڑ دو (نعوذ باللہ)

وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا یہ منافقین لڑائی میں شریک نہیں ہوتے مگر بہت کم۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت منافقوں کے کلام کا حصہ ہے مطلب یہ ہے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ''جنگ خندق'' زیادہ دیر جاری نہیں رکھ سکیں گے اور لڑائی میں تھوڑی ہی دیر رک سکیں گے۔

(جس طرح اس زمانے کے مغرب پرست دانشور مجاہدین کے بارے میں یہی پیشین گوئی کرتے رہتے ہیں کہ وہ اتحادی فوجوں کے مقابلے میں زیادہ دیر نہیں لڑ سکیں گے)

اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ تمہارے حق میں سخت بخیل ہیں۔ یعنی تمہاری مدد کرنے یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے یا تمہاری فتح یا مال غنیمت حاصل ہو جانے کے معاملہ میں بڑے بخیل ہیں۔ یعنی تمہاری مدد اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا نہیں چاہتے اور تمہاری فتح ان کو گوارا نہیں ہے اشحۃ...... شحیح کی جمع ہے۔

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ

پھر جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تم کو تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں۔

❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمہاری تنقیص (توہین) کرتے ہیں اور تمہاری غیبت کرتے ہیں۔

❷ بعض اہل تفسیر کے نزدیک سَلَقُوْكُمْ سے مراد ہے دکھ پہنچانا یعنی تم کو اذیت پہنچاتے ہیں اور حالت امن میں زبان کے تیر تم پر چلاتے ہیں۔

❸ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت تم سے زبان درازی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم لڑائی میں تمہارے ساتھ تھے، تم ہم سے زیادہ مال غنیمت کے حقدار نہیں۔

فعند الغنيمة اشحّ قوم وابسطهم لسانا ووقت البأس اجبن قوم واخوفهم

یعنی غنیمت کی تقسیم کے وقت وہ سب سے زیادہ حریص اور زبان دراز ہوتے ہیں اور جنگ کے وقت سب سے زیادہ بزدل اور خوفزدہ۔

❹ جنگ کے بعد بہت فصیح وبلیغ اونچی اونچی باتیں کر کے اپنی بہادری کے قصے گھڑتے ہیں۔

ای فاذا كان الامن تكلموا كلاما بليغا فصيحا عاليا، وادعوا لانفسهم المقامات العاليه في الشجاعة والنجدة (ابن كثير)

”یعنی آڑے وقت رفاقت سے جی چراتے ہیں، ڈر کے مارے جان نکلتی ہے اور فتح کے بعد آ کر باتیں بناتے اور سب سے زیادہ مردانگی جتاتے ہیں اور مال غنیمت پر مارے حرص کے گرے پڑتے ہیں۔ (قرطبی، مظہری، ابن کثیر، عثمانی)

منافقین کی حالت پر ایک شعر

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

یعنی منافقین میں کوئی خیر نہیں ہے، ان میں بزدلی، جھوٹ اور خیر کی قلت جمع ہے انہی جیسے لوگوں کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ

”وہ لوگ امن کی حالت میں گدھوں جیسے ہیں، بدزبان اور سخت مزاج اور جنگ میں وہ حائضہ عورتوں کی طرح ہیں۔“

ای ليس فيهم خير قد جمعوا الجبن والكذب وقلة الخير فهم كما قال في امثالهم الشاعر

افي السلم اعيارا جفاء وغلظة: وفي الحرب امثال النساء العوارك

ای في حال المسالمة كانهم الحمر، والاعيار جمع عير وهو الحمار، وفي الحرب كانهم النساء الحيض (ابن كثير)

امن کی حالت میں سختی، بدزبانی اور بد خلقی اور جنگ کی حالت میں نامردی، سستی اور زنانہ پن۔

ایسے بے ایمان لوگوں کے اعمال اللہ پاک نے اکارت فرما دیئے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ

خیال کرتے ہیں کہ فوجیں نہیں گئیں اور اگر فوجیں آجائیں تو آرزو کریں کہ کاش

اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْبَآئِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ

ہم باہر گاؤں میں جا رہیں تمہاری خبریں پوچھا کریں اور اگر تم میں بھی رہیں

مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾

تو بہت ہی کم لڑیں۔

خلاصہ

کفار کی فوجیں ناکام واپس جاچکیں ہیں، لیکن ان ڈرپوک منافقوں کو ان کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا اور فرض کیجئے کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کردیں تو ان کی تمنا یہ ہوگی کہ اب وہ شہر میں بھی نہ ٹھہریں جب تک لڑائی رہے کسی گاؤں میں رہنے لگیں اور وہیں دور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ لڑائی کا نقشہ کیسا ہے؟ مسلمانوں کو شکست ہوئی یا نہیں؟ اور اگر یہ گاؤں میں نہ جائیں بلکہ تمہارے درمیان رہیں تب بھی برائے نام قتال میں حصہ لیں گے۔ (مفہوم عثمانی)

بزدلی کی انتہاء

اکثر مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ ان آیات میں منافقین کی انتہائی بزدلی کو بیان فرمایا گیا ہے کہ کافروں کی فوجیں ناکام ونامراد لوٹ چکی ہیں مگر منافقوں کو ان کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا۔ اس میں یہ بات بھی ہوسکتی ہے کہ وہ کافروں کی طاقت کو ناقابل شکست سمجھتے ہیں اور ان کے دل کی خواہش بھی یہی ہوتی ہے کہ کافروں کی فوجیں مخلص مسلمانوں کا صفایا کردیں اس لیے ان کو یقین نہیں آتا کہ واقعی کافروں کی فوجیں واپس جا چکی ہیں۔ اس زمانے میں بھی کافروں کی اتحادی فوجیں ہر جگہ مسلمان مجاہدین کے سامنے حالت شکست میں ہیں مگر نام کے مسلمان دانشور یہی کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ کافروں نے ابھی تک اپنی طاقت اور ٹیکنالوجی استعمال ہی نہیں کی اور ان کو بالکل شکست نہیں ہوئی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسلام دشمن صحافت

غزوۂ احزاب میں تو منافقین اچانک پھنس گئے تھے کہ ان کو مدینہ منورہ میں رہنا پڑا لیکن اگر کافروں نے دوبارہ حملہ کیا تو ان کی خواہش ہوگی کہ دور جا کر کسی دیہات میں جا بیٹھیں مگر وہاں بیٹھ کر بھی مسلمانوں کی شکست کی خبروں کا

انتظار کرتے رہیں۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

یتحدثون اما هلك محمد واصحابه اما غلب ابوسفیان واحزابه

یعنی وہاں دیہات میں بیٹھ کر یہ باتیں کرتے رہیں کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے ساتھی ختم ہوگئے (نعوذ باللہ)۔کیاابوسفیان اوراس کالشکر غالب آ گیا؟(القرطبی)

وقیل کان منهم فی اطراف المدینة من لم یحضر الخندق جعلوا یسئلون عن اخبارکم ویتمنون هزیمة المسلمین

ایک قول یہ بھی ہے کہ کچھ منافقین مدینہ منورہ کے اطراف میں رہتے تھےاور غزوۂ خندق میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ باہر بیٹھ کر مسلمانوں کی خبریں پوچھتے رہتے تھےاوراس بات کی تمنارکھتے تھے کہ مسلمانوں کوشکست ہوجائے۔(القرطبی)

دو چار پتھر

وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِیْلًا

”اے مسلمانو! یہ منافق اگرتمہارے اندررہ جائیں تب بھی تمہیں فائدہ نہیں پہنچاسکتے بس نام کے لیے ذراسی جنگ کرلیں گے جس سے ریاکاری مقصود ہوگی،ایک دو پتھر پھینک کرکہیں گے کہ ہم نے بھی تو جنگ میں شرکت کی تھی۔“(انوارالبیان)

یعنی کافروں والی تمام حرکتیں کرکے بھی مسلمانوں کی جان نہیں چھوڑتے بلکہ مسلمانوں میں خودکوشمارکرانے کے لیے کچھ نہ کچھ کرلیتے ہیں۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

ای رمیا بالنبل والحجارة علی طریق الریاء والسمعة

یعنی بطور ریاکاری اوردکھاوے کے چند تیراورپتھر پھینک لیں گے۔(القرطبی)

سُورَةُ الأَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ

اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾

اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے۔

خلاصہ

❶ میدان جہاد میں ثابت قدم رہنا اور اس معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا ایمان کا تقاضہ ہے۔ پس جس کا ایمان کامل ہوگا وہ جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے ثابت قدم رہے گا۔ اس میں منافقین کو بھی عار دلائی گئی ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود ایمان کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے اور جہاد سے منہ موڑتے ہیں۔ (مفہوم بیان القرآن)

جہاد میں ثابت قدمی کی عجیب اور مؤثر دعوت

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کی قربانیوں کو پیش کر کے ایمان والوں کو جہاد میں ثابت قدمی کی دعوت دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اس آیت مبارکہ پر مفسرین کرام کی بعض ایمان افروز تقریریں۔

آپ ﷺ پر ذرہ برابر خوف طاری نہیں ہوا

''مؤمنین کے لیے اس نازک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل نمونہ ہے کہ ذرہ بھر خوف وہراس طاری نہیں ہوا اور استقامت سے اسلام کی حمایت (یعنی نصرت اور حفاظت) فرمائی اس استقامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح پائی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار''۔ (حضرت لاہوریؒ)

قتال فی سبیل اللہ میں ثابت قدم رہ کر آپ ﷺ کی اقتداء کرو

اسوۂ حسنہ

اقتداء بہ فی القتال والثبات فی مواطنہ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو قتال میں اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے میں۔ (جلالین)

جہاد میں آپ ﷺ کے استقلال کو دیکھو

”یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو، ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں، حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر ان ہی پر ہے (یعنی کفار کا اصل نشانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سب سے زیادہ قیمتی تھی اور سب سے زیادہ بوجھ اور مشقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی تھی) مگر مجال ہے پائے استقامت ذرا جنبش کھا جائے جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہیے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت وسکون اور نشست و برخاست میں ان کے نقش قدم پر چلیں اور ہمت واستقلال وغیرہ میں ان کی چال سیکھیں۔“ (عثمانی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو، ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتا ہے، سب سے زیادہ محنت اور اندیشہ اس پر ہے۔ (موضح القرآن)

آپ ﷺ کا مثالی جہاد

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ غزوۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد کی پیروی کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت، میدان جنگ میں مضبوطی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رباط، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشقتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے اس بات کا امیدوار رہنا کہ وہ اچھے حالات لائے گا۔ ان تمام امور میں مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔

ولھذا امر تبارک وتعالیٰ الناس بالتأسی بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب فی صبرہ ومصابرتہ ومرابطتہ ومجاھدتہ وانتظارہ الفرج من ربہ عزو جل، صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ دائما الی یوم الدین۔ (تفسیر ابن کثیر)

جہاد میں آپ ﷺ کی قربانیاں

”اُسْوَۃٌ“ معنی قدوۃٌ یعنی وہ طریقہ جس کی اقتداء کی جائے، اس جگہ مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تمہارے لیے خصائل حمیدہ موجود ہیں جو تمہارے لیے واجب العمل ہیں، مثلاً لڑائی میں ثابت قدم رہنا اور شدائد کو برداشت کرنا۔ یا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقتداء ہیں، تمہارے لیے ان کی اقتداء ہی مناسب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اُسْوَۃٌ ایتساء سے مشتق ہے یعنی تم لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھی ہمدردی کرنا لازم ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی مدد کی تم بھی ویسی ہی دین کی مدد کرتے رہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت جنگ میں شہید ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا شہید ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں، مگر انہوں نے ہر دکھ پر صبر کیا اور تمہاری ہمدردی کی، لہٰذا تم بھی ان کی

طرح مصائب وشدائد پر صبر رکھواور ان سے ہمدردی کرواور ان کے طریقہ پر چلو۔

فلقد شج وجهه، وكسرت رباعيته، وقتل عمه حمزةُ وجاع بطنه ولم يلف الاصابرا محتسباً وشاكرا وراضيا۔ (مظهري، قرطبي)

ہمت اور شجاعت آپ ﷺ کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے

’’ہمت اور شجاعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں، البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول خدا کے اندر عمدہ نمونہ ہے کہ دیکھو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سختیوں میں کیسے ثابت قدم رہے حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور خطرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی تھا، مگر ان سختیوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہے، اہل ایمان کو چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں‘‘۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

آپ ﷺ سے زیادہ کون پیارا ہے؟

’’آگے ثبات فی الحرب (یعنی جہاد میں ثابت قدمی) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداء واتباع کا مقتضائے ایمان ہونا بیان فرماتے ہیں، تاکہ منافقین کی تعییر ہو، (یعنی ان کو عار دلایا جائے) کہ باجود دعوے ایمان اس کے مقتضاء سے تخلف کیا اور مخلصین کی تبشیر ہو کہ یہ لوگ البتہ (یعنی یقیناً) مصداق كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ الخ کے ہیں پس ارشاد فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو یعنی مؤمن کامل ہو يَرْجُوا میں مبدأ ومعاد کا اعتقاد آگیا اور ذکر اللہ میں سب طاعتیں آگئیں غرض ایسے شخص کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی (جہاد میں) شریک رہے تو آپ سے زیادہ کون پیارا ہے کہ وہ اقتداء نہ کرے اور اپنی جان بچائے پھرے۔ (بیان القرآن)

صرف دعویٰ کرنے سے کام نہیں چلتا

’’غزوۂ احزاب میں بھی سب کو وہی کرنا لازم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، کسی کو اپنی جان بچا کر چلے جانا درست نہیں تھا۔ اس میں اہل ایمان کو تعلیم فرمادی کہ جیسے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور اتباع کیا اسی طرح آئندہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اپنے لیے اسوۂ حسنہ یعنی عملی زندگی کا نمونہ بنائیں، جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور یوم آخرت کی پیشی کا یقین رکھتے ہیں انہیں ایسا ہی ہونا چاہیے، مؤمنین کی تعلیم وتلقین کے ساتھ ہی منافقین پر تعریض بھی ہے جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود راہ فرار کو پسند کیا اور لوگوں کو غزوہ کی شرکت سے روکا۔ بات یہ ہے کہ صرف دعویٰ کچھ کام نہیں دیتا، جب کسی کام کا دعویٰ کرے تو اسکو سچا کر دکھائے۔ منافقین دنیاوی مصالح کی بناء پر ایمان کا دعویٰ تو کر بیٹھے جب آزمائش آئی تو وعدہ کو نبھاہ

نہ سکے، ان کا اعمال واقوال سے جھوٹا ہونا صاف طریقے پر واضح ہوگیا"۔(انوارالبیان)

آپ ﷺ نے اپنی جان مبارک سے جہاد کیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ایک عظیم صفت ہے جس کا حق ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے۔ وہ صفت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی جان سے جہاد کیا (یعنی جہاد میں اپنی جان اور اپنا مال لگایا) او فیہ خصلة من حقھا ان یؤتسیٰ بھا حیث قاتل بنفسہٖ (المدارک)

بغیر جہاد اتباع سنت کا دعویٰ؟

آیت مبارکہ کا مفہوم حضرات مفسرین کی عبارتوں کی روشنی میں واضح ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ جہاد میں شرکت، جہاد میں ثابت قدمی اور جہاد میں قربانی یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ، طریقہ اور سنتیں ہیں۔ پس وہ لوگ جنہوں نے جہاد کو سراسر اپنی زندگیوں سے نکال دیا ہے اور وہ اتباع سنت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں وہ اس آیت مبارکہ پر غور فرمائیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

اور جب مومنوں نے فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے جس کا ہم سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں ترقی ہوگئی۔

خلاصہ

پکے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفر کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذبذب یا پریشان ہونے کے اُنکی اطاعت شعاری کا جذبہ اور اُن کا یقین اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ پر اور زیادہ بڑھ گیا۔

وہ کہنے لگے کہ یہ تو وہ ہی منظر ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے دے رکھی تھی اور جس کے متعلق اُن کا وعدہ ہو چکا تھا جیسا کہ سورۃ بقرۃ میں فرمایا اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (بقرۃ ۲۱۴)

(ترجمہ: کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ حالات پیش نہیں آئے جو اُن کو پیش آئے جو تم سے پہلے ہو گزرے انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ رسول اور جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے بول اُٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب ہوگی سنو بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے)

اور سورۃ صٓ میں جو مکیہ ہے فرمایا تھا:

جند ما هنالك مهزوم من الأحزاب (صٓ)

ترجمہ: وہاں اُن کے لشکر شکست پائیں گے (عثمانی)

وعدہ کونسا؟

ایمان والوں نے جب کفار کے "اتحادی لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کا ہم سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا۔ تو اس سے مراد کونسا وعدہ ہے؟

❶ یہ وہ وعدہ ہے جس کا تذکرہ سورۃ بقرۃ آیت ۲۱۴ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ میں ہے کہ مسلمانوں پہ سخت آزمائش آئے گی مگر آخر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اُنکی مدد کے لیے پہنچ جائے گی یہ حضرت قتادہؒ کا قول ہے۔

یرید قوله تعالیٰ فی سورۃ البقرۃ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا یَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ (البقرۃ ۲۱۴) فلما رأوا الاحزاب یوم الخندق قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ قالہ قتادۃ (القرطبی)

❷ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا تھا کہ کافروں کے متحدہ لشکر نو یا دس راتوں میں تم تک پہنچنے والے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا صحابہ کرام نے جب ان اتحادی لشکروں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے وقت پر پہنچتے دیکھا تو کہا کہ یہ وہی ہے جس کا ہم سے وعدہ فرمایا گیا تھا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صحابہ ان الأحزاب سائرون الیکم فی آخر تسع لیال اوعشر فلما رأوھم قد اقبلوا للمیعاد قالوا ذاک (المدارک)

حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی یہی دو اقوال تحریر فرمائے ہیں:

"وعدہ اللہ تعالیٰ کا یہی کہ فرمایا تھا تکلیف پاؤ گے کافروں کے ہاتھ سے آخر تم کو غلبہ ہے اور یہ بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا آٹھ دس دن میں تم پر فوجیں آتی ہیں" (موضح القرآن)

❸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو فتوحات کی جو بشارتیں دی تھیں وہ مراد ہیں (قرطبی، کبیر)

آزمائش اور امتحان کا وعدہ تھا

"مؤمنین صحابہؓ کی تعریف فرمائی کہ جب انہوں نے کافروں کے گروہوں کو دیکھ لیا کہ وہ باہمی مشورے کر کے آ گئے ہیں تو انہوں نے یوں کہا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا...... یعنی اہل ایمان کی جانچ اور امتحان کا جو قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر ہے اسی میں کا ایک یہ امتحان وابتلاء ہے، دشمنوں کی آمد اہل ایمان کے لیے ایمان میں اضافہ کا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو زیادہ بشاشت کے ساتھ تسلیم کرنے کا سبب بن گئی، سورۃ بقرۃ میں امتحان کا ذکر فرمایا ہے وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ (۱۵۵) (الآیۃ) اور سورۃ ال عمران میں فرمایا ہے: اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَیَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ (۱۴۲) اور سورۃ عنکبوت میں فرمایا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ۝۲ اور فرمایا وَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَیَعۡلَمَنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ۝۱۱ ان آیات میں واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ اہل ایمان کا امتحان ہوگا اور مؤمنین ومنافقین الگ الگ پہچان لیے جائیں گے (انوار البیان)

منافقین کے برعکس

منافقین نے کہا تھا کہ مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا کہ ہمارے ساتھ دھوکے کا وعدہ ہوا ہے،

اس کے برعکس ایمان والوں نے فرمایا کہ هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ کہ ہم نے تمام وعدوں کو سچا پایا ہے۔ دراصل خوف کے وقت منافق کو اپنی جان کی پڑ جاتی ہے کہ اسے کس طرح سے بچائے جبکہ مؤمن کو اُس وقت بھی اپنے ایمان کی فکر پڑی رہتی ہے کہ اس وقت ایمان کا تقاضا کیا ہے۔

حضرت کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ:

’’اب آگے اِن منافقین کے مقابلہ میں مؤمنین مخلصین کے صدق اور اخلاص کا ذکر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام کو یہ خبر دی تھی کہ احزاب یعنی کفار کے لشکر تم پر چڑھ کر آئیں گے جس سے تم پر کام سخت ہو جائے گا لیکن بالآخر تم ہی ان پر فتح پاؤ گے چنانچہ فرماتے ہیں اور جب مؤمنین مخلصین نے احزاب یعنی کفار کے لشکروں کو آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی شئے ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور رسول نے سچ کہا تھا اور احزاب کے دیکھنے سے اُن کے ایمان اور تسلیم میں اور ترقی ہوگئی یعنی اُن کا یقین بڑھ گیا اور فرمانبرداری اور جانثاری اور زیادہ ہوگئی اور کہنے لگے کہ یہ تو وہی بات ہے جس کی ہم کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے خبر دے دی تھی آج ہم نے اس کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا‘‘ (معارف القرآن کاندھلوی)

سُوْرَةُ الْأَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ

ایمان والوں میں سے ایسے آدمی بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا پھر ان میں

مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

سے بعض تو اپنا کام پورا کر چکے اور بعض منتظر ہیں اور عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

خلاصہ

منافقین نے جو عہد کیا تھا جیسا کہ (آیت ۱۵ میں) گزر چکا ہے اُسے توڑ کر بے حیائی کے ساتھ میدان جنگ سے ہٹ گئے اُن کے برعکس کتنے پکّے مسلمان ہیں، جنہوں نے اپنا عہد و پیمان سچّا کر دکھلایا۔ بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا، اللہ و رسول کو جو زبان دے چکے تھے، پہاڑ کی طرح اُس پر جمے رہے۔ اُن میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمّہ پورا کر چکے ہیں، یعنی جہاد ہی میں جان دے دی جیسے شہدائے بدر و اُحد جن میں سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا قصہ بہت مشہور ہے اور بہت سے مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو، بہر حال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے چکے اور جو مشتاقِ شہادت ہیں) اپنے عہد و پیمان کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے (عثمانی)

فائدہ

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا ھذا من قضیٰ نحبہ (یہ اُن میں سے ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے) گویا اُن کو اسی زندگی میں شہید قرار دے دیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ احد میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتیٰ کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ (عثمانی)

شانِ نزول

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

نذر رجال من الصحابة انهم اذا لقوا حربًا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثبتوا وقاتلوا حتى يستشهدوا وهم عثمان بن عفان و طلحه وسعيدبن زيد وحمزة ومعصب وغيرهم

یعنی صحابہ کرام میں سے بعض حضرات نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ جب بھی انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا موقع ملا تو وہ شہادت پانے تک ثابت قدمی سے لڑتے رہیں گے یہ عہد حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت طلحہ، حضرت سعید بن زید، حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے کیا تھا۔ (المدارک، کشاف)

نذر اور موت

قَضٰی نَحْبَهٗ ...... نحب کے معنیٰ نذر کے بھی آتے ہیں اور موت کے بھی

قال بعضھم اجلہ وقال البخاری عھدہ وھو یرجع الی الاوّل (ابن کثیر)

دونوں کا مقصد ایک ہی ہے ...... یعنی ان میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کردی کہ شہید ہوگئے یا مطلب یہ ہے کہ اُن میں سے بعض شہید ہو چکے ہیں اس طرح سے انہوں نے اپنا عہد پورا کر دیا ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے:

پس اُن میں سے کچھ لوگوں نے تو اپنی نذر پوری کر دی اور عہد کو کامل طور پر پورا کر دیا اب کئے ہوئے وعدہ کا کوئی بار اس پر باقی نہیں رہا مطلب یہ ہے کہ اُس نے جہاد وطاعت پر صبر کیا (یعنی ڈٹا رہا) یہاں تک کہ شہید ہو گیا یا مر گیا نحبٌ کا معنیٰ نذر بھی ہے موت بھی قَضٰی نَحْبَهٗ اُس نے اپنی معیادِ زندگی پوری کر لی یعنی مر گیا نحب اگر بمعنیٰ موت لیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ اُس نے اپنا عہد پورا کر دیا اور اسی حالت میں اس کی موت آ گئی جیسے حضرت حمزہؓ وغیرہ تھے (مظہری)

ایک ایسے دن کا انتظار جس میں جہاد ہو

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ اور کچھ ان میں سے انتظار کر رہے ہیں۔

امام مجاہدؒ فرماتے ہیں:

وہ ایک ایسے دن کا انتظار کر رہے ہیں جس میں جہاد ہو اور وہ اس میں اپنی نذر پوری کریں یعنی لڑتے ہوئے شہید ہو جائیں۔ وقال مجاھد ینتظر یومًا فیہ جھاد فیقضی نحبہ (البحر المحیط)

خاص الخاص ایمان والوں کا تذکرہ

بیان القرآن وغیرہ میں ہے کہ اس آیت میں خاص الخاص ایمان والوں کا تذکرہ ہے۔ یہ حضرات جہاد وشہادت کا خاص شوق اور جذبہ رکھتے تھے۔ ملاحظہ فرمایئے اس کے مطابق ایک عبارت:

''اب بعض خاص الخاص مؤمنین صادقین کا حال ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں منجملہ ان مؤمنین مخلصین میں کچھ ایسے مردانِ خدا بھی ہیں کہ جنہوں نے سچ کر دکھایا اس بات کو جس کا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا جیسے انس بن النضر رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء جو اتفاق سے غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے تو ان کو اس کا بہت افسوس ہوا کہ میں پہلے غزوہ میں لڑائی سے غائب رہا اور کہنے لگے کہ اگر خدا تعالیٰ نے پھر کافروں سے جہاد کا موقع دیا تو خدا دیکھ لے

گا کہ میں اُسکی راہ میں کیا کرتا ہوں پھر ان معاہدین کی دو قسمیں ہو گئیں بعضے تو وہ ہیں جو اپنی نذر کو پوری کر چکے اور خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی دکھلا کر شہید ہو گئے جیسے انس بن النضرؓ اور مصعب بن عمیرؓ اور حمزہؓ یہ لوگ تو وہ ہیں، جنہوں نے اپنے عہد کی وفا کی اور اپنی نذر سے فارغ ہوئے اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جو وقت کے منتظر ہیں جیسے عثمانؓ اور طلحہؓ کہ ابھی شہید نہیں ہوئے مگر شہادت کے مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرہ برابر اپنا عہد بدلا نہیں اپنے عہد پر قائم ہیں، اپنی بات سے پھرے نہیں ان لوگوں نے اپنے عہد کو نہ توڑا اور نہ بدلا اہل صدق اور اہل وفا کا یہی حال ہوتا ہے بخلاف منافقین کے کہ وہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے جیسا کہ منافقین کے بیان میں گزر چکا ہے۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ (الایہ) (معارف القرآن کاندھلوی)

آسان تفسیر

"اس کے بعد اُن مؤمنین کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے ایمان والے عام عہد اور اقرار کے علاوہ بھی کچھ عہد زائد کیا تھا، اُن کے لیے فرمایا کہ بعض نے تو اپنی نذر پوری کر دی یعنی معاہدے کے مطابق جہاد میں شرکت کر کے شہید ہو گئے اُن کے بارے میں فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ فرمایا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں کہ جب موقع ہو گا اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

یہاں مفسرین کرام نے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے (یہ واقعہ بخاری و مسلم میں موجود ہے) جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میرے چچا انس بن النضر رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کی شرکت سے رہ گئے تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ: آپ کا مشرکین سے جنگ کرنے کا یہ پہلا موقع تھا میں جس میں شریک نہیں ہوا اب اگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جنگ کرنے کا موقع دیا تو میں جان جوکھوں میں ڈال کر دکھادوں گا، جب غزوہ احد کا موقع آیا تو یہ اس میں شریک ہو گئے اور مسلمانوں کو جب ظاہری شکست ہو گئی تو بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ ایمان والوں نے جو کچھ کیا میں اس کی معذرت پیش کرتا ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا میں اُس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، یہ کہہ کر آگے بڑھے مشرکین کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی اور اُن سے کہا میرے رب کی قسم! مجھے اُحد کے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اس کے بعد لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اُن کی نعش ملی تو چونکہ مشرکین نے اُن کے ناک کان کاٹ دیئے تھے...... اس لیے انگلیوں کے پوروں سے اُنکی بہن نے انہیں پہچانا۔ شمار کیا تو دیکھا کہ اُن کے جسم پر اسّی سے کچھ اوپر تلوار، نیزہ اور تیر کے زخم تھے، ہم سمجھ رہے تھے کہ یہ آیت یعنی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ حضرت انس بن نضر اور اُن جیسے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ص ۵۲۰ ج ۳ وذکرہ البخاریؒ فی کتاب التفسیر من جامعہ ص ۷۰۵ ج ۲ قال انس بن مالک نریٰ ھذہ الایہ نزلت فی انس بن نضر)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا کہ یہ آیت انس بن نضرؓ اور اُن جیسے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی ان اصحاب کے اسمائے گرامی جو مفسرین نے لکھے ہیں ان میں سید الشھداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم ہیں، بعض روایات میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو یہ بات پسند کرے کہ کسی ایسے شخص کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہو تو طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھے (معالم التنزیل)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ غزوہ اُحد اور غزوہ احزاب میں شہید نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مَّن قَضٰى نَحْبَهٗ کا مصداق بتایا، کیوں کہ انہوں نے غزوہ اُحد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے تیروں سے اپنے ہاتھ کے ذریعے بچایا تھا، یعنی ڈھال کی جگہ اپنے ہاتھوں سے کام لیا تھا، جس کی وجہ سے اُن کا ہاتھ شل ہو گیا تھا، اور اُن کے جسم میں ستر سے کچھ اوپر زخم آ گئے تھے، اپنی طرف سے تو انہوں نے نذر پوری کر ہی دی تھی اور شہید ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی دی اور جنگ جمل کے موقع پر ۳۰ھ میں شہید ہوئے، صحابہ کرامؓ کے دشمن ذرا غور تو کریں کہ انہوں نے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں۔ (انوار البیان)

سُورَةُ الأَحْزَابِ مَدَنِيَّة آیت ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ

تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو عذاب دے یا

شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

ان کی توبہ قبول کرے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ

❶ غزوہ احزاب کی ایک حکمت کا بیان

❷ جہاد کی ایک حکمت کا بیان

❸ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان کر جہاد کرنے والے سچے ہیں، ان صادقین کو اُن کے صدق کا بدلہ ملے گا

❹ اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ وہ منافقین کو عذاب دے یا توبہ کی توفیق دے کر بخش دے وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے

جہاد کی حکمت کا بیان

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

ای امر اللہ بالجهاد لیجزی الصادقین فی آلاخرة بصدقهم الخ

یعنی اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تا کہ سچوں کو آخرت میں اُن کے سچ کا بدلہ دے اور منافقین کو چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو توبہ کی توفیق دے۔ (القرطبی)

یعنی جہاد کے ذریعے سچے مخلص مسلمان اور منافقوں کے درمیان امتیاز ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے صدق دل سے اسلام قبول کیا ہوتا ہے وہ جہاد میں نکل کھڑے ہوتے ہیں اور جن کا اسلام زبانی ہوتا ہے تو جہاد کے موقع پر اُن کا نفاق کھل جاتا ہے۔

غزوۂ احزاب کی حکمت کا بیان

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

”آگے اس غزوہ کی ایک حکمت بیان فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اس لیے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو اُن کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو چاہے سزا دے چاہے اُن کو (نفاق سے) توبہ کی توفیق دے کیونکہ ایسے مصائب اور حوادث میں مخلص اور متصنع متمیز ہو جاتا ہے۔“ (بیان القرآن)

”اب آئندہ آیت میں اس غزوہ کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ یہ غزوہ منجانب اللہ ابتلاء اور امتحان تھا جس کا

مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ محبین صادقین کو اُن کے صدق اور اخلاص کی جزا دے اور منافقوں اور جھوٹوں کو عذاب دے اگر چاہے کہ وہ نفاق پر مریں یا اُن کو توبہ کی توفیق دے اگر چاہے کہ اُن کی مغفرت کرے یہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی زیر مشیت ہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے کہ جسکو چاہتا ہے توبہ کی توفیق عطاء کر کے اس کی مغفرت کر دیتا ہے (معارف القرآن کاندھلوی)

عہد پورا کرنے والے سچے

بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت کا تعلق اس سے پچھلی آیت کے ساتھ ہے...... مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے جہاد میں ثابت قدمی کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا اپنا عہد پورا کیا وہ لوگ سچے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ بدلہ عطاء فرمائے گا...... تفسیر مظہری میں ہے۔

صدق سے مراد عہد کا پورا کرنا ہے (مظہری)

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ بوفا ئهم العهد

یعنی جن لوگوں نے اپنا عہد پورا کر کے اپنے سچے ہونے کا ثبوت دیا اللہ تعالیٰ اُن کو بدلہ عطاء فرمائے گا (المدارک)

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

وعدوں کو سچا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے گا اور منافقین کو اگر چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف فرمائے اور توبہ کی توفیق دے (حضرت لاہوریؒ)

سُوْرَةُ الْأَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا لوٹایا انہیں کچھ بھی ہاتھ نہ آیا اور اللہ تعالیٰ

الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

نے مسلمانوں کی لڑائی اپنے ذمہ لے لی اور اللہ طاقت ور غالب ہے۔

خلاصہ

1. غزوہ اُحزاب کا انجام...... کفار کو ناکامی ہوئی اور مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔
2. کافر مسلمانوں کے خلاف جس غیظ اور غصے سے بھرے ہوئے آئے تھے اللہ تعالیٰ نے اُس کے ساتھ اُنکو ناکام لوٹا دیا۔
3. اللہ تعالیٰ اِس لڑائی میں خود مسلمانوں کی طرف سے کافی ہوگیا اور مسلمانوں کو عمومی جنگ نہیں کرنی پڑی
4. اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے اُس کے لیے یہ سب کچھ کرنا کچھ بھی دشوار نہیں

آسان تفسیر

”اب اس غزوہ کے انجام اور آخری حالت کو بیان کرتے ہیں...... اور اس لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ بیس پچیس روز بعد ان تمام کافر جماعتوں کو جو مدینہ پر چڑھ کر آئی تھیں اللہ تعالیٰ نے اُنکو اُن کے غیظ سمیت بے نیل مرام (یعنی مقصد حاصل کیے بغیر) واپس کر دیا، یعنی جس طرح غصہ میں بھرے ہوئے آئے تھے، اسی طرح غصہ میں بھرے ہوئے واپس ناکام واپس ہوگئے اور دل کی بھڑاس نہ نکال سکے اور کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکے اور اللہ تعالیٰ نے ”بادصبا“ اور فرشتوں کے ذریعہ اہل ایمان سے لڑائی کی کفایت فرمائی کہ بغیر لڑائی کے مسلمانوں کو فتح اور نصرت عطاء کی اور بلا جنگ وجدال کے دشمنوں کو اُن کے بلاد سے نکال باہر کیا اور اس آیت وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ میں اشارہ اس طرف ہے کہ اب مسلمانوں اور قریش کے درمیان لڑائی ختم ہوئی، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ احزاب کی واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آلان نغزوھم ولا یغزوننا (بخاری)

اب ہم مشرکین عرب پر چڑھ کر جائیں گے اور اُن پر حملہ آور ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر چڑھ کر گئے اور مکہ مکرمہ فتح کیا...... اور اسطرح کافروں کی جماعتوں کو ہٹا دینے اور بھگا دینے کو عجیب نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ زور آور زبردست ہے اُسے یہ کام کوئی دشوار نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حول اور قوت سے اُن کو اس طرح غائب وخاسر پھیر دیا۔“ (معارف القرآن کاندھلوی)

تین چیزوں سے نصرت

یہ بہت بڑا حملہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی نصرت فرمائی تو کفار کا متحدہ لشکر واپس لوٹ گیا اور ہمیشہ کے لیے حوصلہ بھی ہار گیا...... امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تین چیزوں کے ذریعے ہوئی ❶ فرشتے ❷ تیز ہوا یعنی سرد آندھی ❸ رعب۔

پہلی دو چیزوں نے متحدہ لشکر کو اکھاڑ پھینکا اور رعب کی وجہ سے بنو قریظہ کے یہودی اپنے قلعوں میں بند ہو گئے

بأن ارسل علیھم ریحاو جنودًا حتی رجعوا ورجعت بنو قریظة الی صیاصیھم فکفیٰ امر قریظة بالرعب (القرطبی)

فرشتوں کے اسلحے کی جھنکار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب محاذ جنگ سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کافی گرد و غبار تھا، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پانی لے آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھونے لگیں، اتنے میں جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے اور فرمایا آپ نے اسلحہ اتار دیا جبکہ آسمان والوں (یعنی فرشتوں نے) ابھی تک نہیں اتارا میں مشرکین کے لشکر کا مسلسل پیچھا کرتا رہا یہاں تک کہ اُن کو ”مقام روحا“ سے آگے تک چھوڑ آیا ہوں، پھر فرمایا بنو قریظہ کی طرف تشریف لے چلیے...... ابو سفیان بتاتے تھے کہ واپسی پر میں مسلسل اپنے پیچھے اسلحے کی جھنکار سن رہا تھا یہاں تک کہ میں ”روحا“ سے آگے نکل گیا۔

وأصبح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فعاد الی المدینة وبه من الشعث ماشاء اللّٰہ، فجاءته فاطمة بغسول فکانت تغسل راسهٗ فاتاہ جبریل فقال "وضعت السّلاح ولم تضعه اھل السماء" مازِلت اتبعھم حتی جاوزت بھم الروحاء ثم قال انھض الی بنی قریظه وقال ابو سفیان مازلت أسمع قعقعة السلاح حتی جاوزت الروحا (القرطبی)

تقریر دلپذیر

امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں جو دلپذیر تقریر فرمائی ہے، اُس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

❶ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر تیز ہوا اور ”جنود الہیہ“ (الٰہی لشکر) بھیج کر اُن کو مدینہ منورہ سے ہٹا دیا اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو یہ ہوا اس لشکر کو ویسے کاٹ پھینکتی جس طرح قوم عاد کو منحوس ہوا نے کاٹ ڈالا تھا

❷ یہ کفار و مشرکین دنیا و آخرت کی خیر سے محروم رہے بلکہ دنیا و آخرت کی ذلت اور خسارہ اُن کا مقدر بنا

❸ مسلمانوں کو نہ تو کافروں سے عمومی جنگ کرنی پڑی اور نہ آمنے سامنے کا مقابلہ ہوا اللہ تعالیٰ خود ہی اکیلے اُن کے لیے کافی ہو گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔

لا الہ الا اللہ وحدہ، صدق وعدہ، ونصر عبدہ واعز جندہ، وھزم الآحزاب وحدہ فلا شئی بعدہ (بخاری)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اُس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اپنے لشکر کو عزت دی اور اکیلے تمام لشکروں کو شکست دی، اُس کے بعد کوئی نہیں۔

❹ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے غزوہ احزاب میں یہ دعا فرمائی

اللھم منزل الکتاب، سریع الحساب، اھزم الأحزاب، اللّٰھم اھزمھم وزلزلھم

اے پروردگار، کتاب کو نازل فرمانے والے، جلدی حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دے اے اللہ ان لشکروں کو شکست دے اور انہیں ہلا دے (بخاری، مسلم)

(آج کل جب کہ کفار و مشرکین کے اتحادی لشکر امت مسلمہ پر حملہ آور ہیں مسلمانوں کو اس دعا کا اہتمام کرنا چاہیے)

❺ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ اس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ اب قریش کے ساتھ جنگ کا خاتمہ ہے وہ اب کبھی حملہ نہیں کر سکیں گے بلکہ مسلمان اُن پر حملہ آور ہوں گے (تفسیر ابن کثیر)

فائدہ

امام ابوحیانؒ نے تفسیر البحر المحیط میں وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ کے کئی معنی لکھے ہیں اور غزوہ احزاب میں شہید ہونے والے چھ مسلمانوں اور قتل ہونے والے چار مشرکوں کا بھی تذکرہ کیا ہے اور عمرو بن عبدودّ کے قتل کا واقعہ بھی لکھا ہے شائقین طلبہ علم ملاحظہ فرمالیں۔

اللہ تعالیٰ کی قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے

”یعنی کفار کا لشکر ذلت و ناکامی سے پیچ و تاب کھاتا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا میدان چھوڑ کر واپس ہوا، نہ فتح ملی نہ کچھ سامان ہاتھ آیا...... ہاں عمرو بن عبدود جب اُن کا نامور سوار جسے لوگ ایک ہزار سواروں کے برابر گنتے تھے اس لڑائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے کھیت رہا (یعنی ہلاک ہوا) مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار لے کر اُس کی لاش ہمیں دے دی جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تم لے جاؤ ہم مردوں کا ثمن کھانے والے نہیں وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ یعنی مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آنے دی، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کر دیا کہ کفار از خود سراسیمہ اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے اللہ تعالیٰ کی زبردست قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔“ (عثمانی)

☆☆☆

عہد شکن، دغاباز، موذی یہودیوں کے خلاف لڑی جانے والی تاریخی جنگ

غزوۂ بنی قریظہ

ذیقعدہ ۵ھ بروز بدھ

غزوۂ بنی قریظہ

ذیقعدہ ۵ھ بروز بدھ (زرقانی ص ۱۲۶ ج ۲)

سورۃ الاحزاب آیت ۲۶، ۲۷ میں غزوہ بنی قریظہ کا بیان ہے

ان آیات کے معارف ملاحظہ کرنے سے پہلے غزوہ بنی قریظہ پر ایک نظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے آپ نے اور تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے۔ جب ظہر کا وقت قریب آیا تو جبرئیل امین ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے (ابن سعدؒ کی روایت میں ہے کہ جبرئیل امین موضع جنائز (یعنی وہ جگہ جو آپ نے نماز جنازہ کے لیے مسجد سے علیحدہ بنوائی تھی) کے قریب آ کر کھڑے ہوگئے۔ (طبقات ص ۵۳ ج ۲) معلوم ہوا کہ جنازہ کی نماز مسجد میں نہ پڑھنی چاہیے ورنہ جنازہ کے لیے مسجد سے علیحدہ جگہ بنانے کی کیا حاجت تھی) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا: کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ جبرئیل امین نے کہا فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں کھولے اور نہ وہ ہنوز واپس ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا ہے اور میں خود بنی قریظہ کی طرف جا رہا ہوں اور ان کو جا کر متزلزل کرتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۱۶، ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی قریظہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین پہلے سے معاہدہ تھا۔ جب قریش دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آئے تو بنی قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد توڑ کر قریش کے ساتھ مل گئے۔ اللہ عزوجل نے جب احزاب کو شکست دی تو بنی قریظہ قلعوں میں گھس گئے۔ جبرئیل امین فرشتوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ فوراً بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں، آپ نے فرمایا میرے اصحاب ابھی تھکے ہوئے ہیں، جبرئیل امین نے کہا آپ اس کا خیال نہ کریں روانہ ہو جائیں میں ابھی جا کر ان کو متزلزل کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جبرئیل امین فرشتوں کی جماعت کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوچۂ بنی غنم تمام گرد وغبار سے بھر گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ غبار کہ جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سواری سے کوچہ بنی غنم میں اٹھا تھا وہ اب تک میری نظروں میں ہے گویا کہ اس وقت میں اس غبار کو اٹھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ (بخاری شریف)

جبرئیل امین تو روانہ ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی شخص سوائے بنی قریظہ کے کہیں نماز عصر نہ پڑھے۔ راستہ میں جب نماز عصر کا وقت آیا تو اختلاف ہوا بعض نے کہا کہ ہم تو بنی قریظہ ہی پہنچ کر نماز پڑھیں گے۔ بعض نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد نہ تھا (کہ نماز قضا کر دی جائے بلکہ مقصود تعجیل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی پر اظہار ناراضی نہیں فرمایا (بخاری شریف) اس لیے کہ نیت ہر ایک کی بخیر تھی۔

فائدہ

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں جس نے حدیث کے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اس کو بھی اجر ملا اور جس نے اجتہاد اور استنباط کیا اس کو بھی اجر ملا لیکن جن لوگوں نے ظاہر الفاظ پر نظر کر کے بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا نہ کی حتیٰ کہ وقت عصر نکل گیا تو ان لوگوں کو فقط ایک فضیلت حاصل ہوئی یعنی حکم نبوی کی تعمیل کا اجر ملا اور جن لوگوں نے اجتہاد اور استنباط سے کام لیا اور سمجھا کہ منشا نبوی یہ نہیں کہ نماز عصر قضا کر دی جائے بلکہ مقصود جلد پہنچنا ہے۔ اس لیے نماز عصر راستہ ہی میں پڑھ لی ان لوگوں کو اس اجتہاد اور استنباط کی بدولت دو فضیلتیں حاصل ہوئیں ایک فضیلت حکم نبوی کی تعمیل کی اور دوسری فضیلت صلوٰۃ وسطیٰ (نماز عصر) کی محافظت کی (جو در حقیقت بے شمار فضائل کو متضمن اور شامل ہے جس کی محافظت کا حکم قرآن کریم میں آیا ہے حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى اور حدیث میں ہے کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی اس کے اعمال حبط ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر الفاظ پر عمل کرنے والوں پر اگرچہ اظہار ناراضی نہیں فرمایا اس لیے کہ نیت بخیر تھی لیکن جن لوگوں نے اجتہاد اور استنباط سے کام لیا ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔ (فتح الباری ص ۳۱۶ ج ۷)

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسلامی جھنڈا دے کر روانہ فرمایا جب حضرت علی وہاں پہنچے تو یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلم کھلا گالیاں دیں (جو ایک مستقل اور ناقابل عفو جرم ہے) اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس روانہ ہوئے اور پہنچ کر بنی قریظہ کا محاصرہ کیا، پچیس روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا اس اثناء میں ان کے سردار کعب بن اسد نے ان کو جمع کر کے یہ کہا کہ میں تین باتیں تم پر پیش کرتا ہوں ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو تا کہ تم کو اس مصیبت سے نجات ملے۔

اوّل یہ کہ ہم اس شخص (یعنی محمد ﷺ) پر ایمان لے آئیں اور اس کے متبع اور پیرو بن جائیں۔

فو اللہ لقد تبین لکم انہ لنبی مرسل وانہ للذی تجدونہ فی کتابکم فتأمنون علی دمائکم واموالکم وابناءکم ونساءکم

کیونکہ خدا کی قسم تم پر یہ بات بالکل واضح اور روشن ہو چکی ہے کہ وہ بلاشبہ اللہ عزوجل کے نبی اور رسول ہیں اور تحقیق یہ وہی نبی ہیں جن کو تم تورات میں لکھا پاتے ہو۔ اگر ایمان لے آؤ گے تو تمہاری جان اور مال بچے اور عورتیں سب محفوظ ہو جائیں گے۔

بنی قریظہ نے کہا کہ ہم کو یہ منظور نہیں، ہم اپنا دین نہیں چھوڑیں گے، کعب نے کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو دوسری بات یہ ہے کہ بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے بے فکر ہو جاؤ اور شمشیر بکف ہو کر پوری ہمت اور تن دہی کے ساتھ محمد (ﷺ) کا مقابلہ کرو اگر ناکام رہے تو بچوں اور عورتوں کا کوئی غم نہ ہوگا اور اگر کامیاب ہو گئے تو عورتیں بہت ہیں ان سے بچے بھی پیدا ہو جائیں گے۔ بنو قریظہ نے کہا بلاوجہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے زندگی کا لطف برباد کرنا ہے،

کعب نے کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو تیسری بات یہ ہے کہ آج ہفتہ کی شب ہے عجب نہیں کہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب غافل اور بے خبر ہوں اور ہماری جانب سے بایں وجہ مطمئن ہوں کہ یہ دن یہود کے نزدیک محترم ہے اس میں وہ حملہ نہیں کرسکتے۔ مسلمانوں کی اس بے خبری اور غفلت سے یہ نفع اٹھاؤ کہ یکایک ان پر شب خون مارو، بنوقریظہ نے کہا اے کعب تجھ کو معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف اسی دن کی بے حرمتی کی وجہ سے بندر اور سور بنائے گئے پھر تو ہم کو اسی کا حکم دیتا ہے، الغرض بنوقریظہ نے کعب کی ایک بات کو نہ مانا۔

ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے بنی قریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے اس لیے ان کو یہ امید ہوئی کہ شاید وہ اس آڑے وقت میں ہماری کوئی مدد کرسکیں اس بنا پر بنوقریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ابولبابہؓ کو ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم ان سے مشورہ کریں آپ نے ابولبابہؓ کو اجازت دی۔ ابولبابہ کو دیکھ کر سب جمع ہو گئے بچے اور عورتیں ان کو دیکھ کر رونے لگے یہ دیکھ کر ابولبابہؓ کا دل بھر آیا۔ بنوقریظہ نے جب اُن سے یہ دریافت کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منظور کرلیں اور آپ کے فیصلہ پر راضی ہوجائیں۔ ابولبابہؓ نے کہا ہاں بہتر ہے لیکن حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ذبح کیے جاؤ گے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تمہارے قتل کا ہے۔ ابولبابہ اپنی جگہ سے ابھی ہٹے نہ تھے فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے اللہ عزوجل اور اُس کے رسول کے ساتھ خیانت کی اور سیدھے وہاں سے مسجد نبوی میں پہنچے اور اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ عزوجل میری توبہ قبول نہ فرمائے گا اس وقت تک اس جگہ سے نہ ٹلوں گا اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ بنی قریظہ میں کبھی قدم نہ رکھوں گا اور جس شہر میں اللہ اور اُس کے رسول کی خیانت کی ہے اس کو کبھی نہ دیکھوں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ہوئی تو یہ ارشاد فرمایا اگر وہ سیدھا میرے پاس آتا تو میں اس کے لیے استغفار کرتا لیکن جب وہ ایسا کر گزرا ہے تو میں اس کو اپنے ہاتھ سے نہ کھولوں گا جب تک اللہ عزوجل اس کی توبہ نازل نہ فرمائے۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۶۔ البدایۃ والنہایہ ج ۴، ۱۱۹)

بالآخر مجبور ہو کر بنوقریظہ اس پر آمادہ ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں وہ ہمیں منظور ہے۔ جس طرح خزرج اور بنونضیر میں حلیفانہ تعلقات تھے۔ اسی طرح اوس اور بنوقریظہ میں حلیفانہ تعلقات تھے اس لیے اوس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ خزرج کے التماس پر حضور ﷺ نے بنی نضیر کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اسی طرح کا معاملہ ہماری استدعا پر بنوقریظہ کے ساتھ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا فیصلہ تم ہی میں کا ایک شخص کردے انہوں نے کہا یا رسول اللہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کردیں وہ ہمیں منظور ہے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب خندق میں زخمی ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لیے مسجد نبوی میں ایک جگہ خیمہ لگوا دیا تھا کہ قریب سے ان کی عیادت کرسکیں ان کے بلانے کے لیے آدمی بھیجا حمار پر سوار ہو کر تشریف لائے جب آپ کے قریب پہنچے تو یہ فرمایا:

قوموا الی سیدکم اپنے سردار کی تعظیم کے لیے اٹھو (اور یا یہ معنی لیے جائیں کہ اپنے سردار کے اتارنے کے لیے اٹھو کیونکہ وہ بیمار تھے) جب اتار کر بیٹھا دیئے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنا فیصلہ تیرے سپرد کیا ہے سعدؓ نے کہا میں ان کی بابت یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں کے لڑنے والے یعنی مرد قتل کیے جائیں اور عورتیں اور بچے اسیر کر کے لونڈی اور غلام بنا لیے جائیں اور اُن کا تمام مال اسباب مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے آپ نے ارشاد فرمایا بے شک تو نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔

بعد ازاں حضرت سعدؓ نے یہ دعا مانگی اے اللہ تجھ کو خوب معلوم ہے کہ مجھ کو اس سے زیادہ کوئی محبوب چیز نہیں کہ اس قوم سے جہاد کروں جس قوم نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور حرم سے اس کو نکالا اے اللہ میں گمان کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے اور ان کے مابین لڑائی کو ختم کر دیا ہے پس اگر قریش سے ابھی لڑنا باقی ہے تو مجھ کو زندہ رکھ تاکہ تیری راہ میں اُن سے جہاد کروں اور اگر تو نے لڑائی کو ختم کر دیا ہے تو اس زخم کو جاری کر دے اور اسی کو میری شہادت کا ذریعہ بنا دے۔

دعاء کا ختم کرنا تھا کہ زخم جاری ہو گیا اسی میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سعدؓ بن معاذ کی موت سے عرش ہل گیا۔ (رواہ البخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ آسمان کے تمام دروازے ان کے لیے کھول دیئے گئے اور آسمانوں کے فرشتے ان کی روح کے چڑھنے سے مسرور ہوئے (رواہ الحاکم، فتح الباری، مناقب سعد بن معاذؓ)

اور ستر ہزار فرشتے ان کے جنازے میں شریک ہوئے جو اس سے قبل کبھی آسمان سے نازل نہ ہوئے تھے

(ذکرہ ابن عائذ، ورواہ البز از واسنادہ جید، البدایۃ والنہایہ ج ۴۔ ص ۱۲۸)

چنانچہ انصار میں سے کسی نے اس بارے میں شعر کہا ہے:

وما اهتزّ عرش الله من موت هالك

سمعنا به الا لِسَعْد ابي عمرو

(استیعاب لابن عبدالبر ص ۳۴، ج ۲ ترجمہ سعد بن معاذؓ)

ہم نے سوائے سعد بن معاذؓ کے اور کسی مرنے والے کے لیے کبھی نہیں سنا کہ عرش خداوندی اس کے مرنے سے ہلا ہو۔ اور ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (روض الانف ص ۱۹۳ ج ۳)

تمام بنی قریظہ گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور ایک انصاری عورت کے مکان میں ان کو محبوس رکھا گیا اور بازار میں ان کے لیے خندقیں کھدوائی گئیں بعد ازاں دو دو چار چار کو اس مکان سے نکلوایا جاتا اور ان خندقوں میں ان کی گردنیں ماری جاتیں۔ حیی بن اخطب اور سردار بنی قریظہ کعب بن اسد کی بھی گردن ماری گئی حیی ابن اخطب (جس کے کہنے سے کعب بن اسد سردار بنی قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بد عہدی کی اور معاہدہ توڑا)

جب آپ کے سامنے لایا گیا تو آپ کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے اللہ میں اپنے نفس کو آپ کی دشمنی کی بارے میں ملامت نہیں کرتا لیکن حق یہ ہے کہ خدا جس کی مدد نہ کرے اس کا کوئی مددگار نہیں پھر لوگوں کی طرف دیکھا اے لوگو کچھ مضائقہ نہیں اللہ نے بنی اسرائیل کے لیے جو سزا مقدر کی تھی اور جو مصیبت ان کے لیے لکھ دی تھی وہ پوری ہوئی یہ کہہ کر جیہ بیٹھ گیا اور اس کی گردن ماری گئی عورتوں میں سوائے ایک عورت کے کوئی قتل نہیں کی گئی جس کا یہ جرم یہ تھا کہ اس نے کوٹھے سے چکی کا پاٹ گرایا تھا جس سے خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے (اس عورت کا نام بنانہ تھا حکم قرظی کی بیوی تھی عیون الاثر ص ۸۷ ج ۲)

ترمذی۔ نسائی۔ ابن حبان میں حضرت جابر سے باسناد صحیح مروی ہے کہ ان کی تعداد چار سو تھی اور سبایا بنی قریظہ یعنی قیدیوں کو فروخت کرنے کے لیے نجد اور شام کی طرف بھیجا اور ان کی قیمت سے گھوڑے اور ہتھیار خریدے گئے اور جو مال اسباب بنی قریظہ سے غنیمت میں ملا تھا وہ مسلمانوں پر تقسیم کیا گیا (زرقانی ج ۲ ص ۱۳) بنی قریظہ کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی:

وَ اَنۡزَلَ الَّذِیۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ (الی آخره) (الاحزاب ۲۶)

’’ترجمہ: اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے اور ایک گروہ کو قید کرتے تھے اور اللہ نے تم کو وارث بنایا ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا اور اس زمین کا جس پر تم نے ابھی تک قدم بھی نہیں رکھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘ (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

تنبیہ:

بنی قریظہ کے متعلق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ عین تورات کے مطابق تھا، جس پر ان کا ایمان تھا، چنانچہ تورات سفر استثناء باب بستم آیت دہم میں ہے۔

’’جب تو کسی شہر کے پاس لڑنے کے لیے آپہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر، اگر وہ صلح منظور کرے اور تیرے لیے دروازہ کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جائے تیری خراج گزار ہوگی اور تیری خدمت کرے گی اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند قدوس تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کردے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ اپنے لیے لے اور تو اپنے دشمنوں کی لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے کھائیو۔‘‘

اور ابولبابہ مسجد کے ستون سے بندھے ہوئے تھے صرف نماز اور قضاء حاجت کے لیے کھول دیئے جاتے تھے نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میں اسی طرح رہوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا اللہ عزوجل میری توبہ قبول فرمائیں چھ روز کے بعد سحر کے وقت ان کی توبہ نازل ہوئی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے گھر میں تھے۔ حضرت ام سلمہ نے آپ سے اجازت لے کر ان کو بشارت سنائی اور مبارکباد دی۔ مسلمان دوڑے کہ ان

کو کھولیں۔ ابولبابہؓ نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے اس وقت نہ کھلوں گا چنانچہ آپ جب صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے تو خود دست مبارک سے ان کو کھولا۔

شہداء غزوہ بنی قریظہ

غزوہ بنی قریظہ میں صرف ایک مسلمان شہید ہوئے ان کا اسم گرامی ہے حضرت خلاّد بن سوید رضی اللہ عنہ اور ایک صحابی کا انتقال ہوا ان کا اسم گرامی ہے حضرت ابو سنان بن محصن بن حرثان رضی اللہ عنہ (روح المعانی)

سُورَةُ الأَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۶، ۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ

اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا

وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

اور ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرلیا۔

وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ

اوران کی زمین اوران کے گھروں اوران کے مالوں کا تمہیں مالک بنادیا اور (تمہیں مالک بنادیا) اُس زمین کا جس پر تم نے

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

کبھی قدم نہیں رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

خلاصہ

❶ اہل کتاب میں سے ”بنوقریظہ“ نے مشرکوں کے اتحادی لشکر کا تعاون کیا تھا، ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعوں سے اتار دیا۔

الذين عاونوا الاحزاب: قريشا وغطفان، وهم بنوقريظة من صياصيهم اى حصونهم

❷ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر رعب مسلط فرمادیا (کہ انہیں مسلمانوں سے لڑنے، حملہ کرنے یا دفاع کرنے کی ہمت نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنے قلعوں میں محصور ہوگئے اور پھر اتر آئے)

❸ مسلمانوں نے ان کے مردوں کو قتل کردیا

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وهم رجال

❹ اوران کی عورتوں، بچوں کو قیدی بنالیا

وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا هم النساء والذرية

❺ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی زمینوں، گھروں اور اموال کا مالک بنادیا

❻ اور بعد میں مسلمانوں کو اس زمین کا بھی مالک بنادیا جس پر انہوں نے ابھی تک قدم نہیں رکھا تھا

اس سے مراد یا تو حنین کی زمین ہے، یا مکہ مکرمہ یا روم و فارس یا ہر وہ زمین جو قیامت تک مسلمان فتح کریں گے (یا خیبر مراد ہے یا یمن وغیرہ)

قال یزید بن رمعان وابن زید ومقاتل: یعنی حنین ولم یکونوا نالوھا فوعدھم اللہ ایاہ وقال قتادۃ: کنا نتحدث انھا مکۃ وقال الحسن: ھی فارس وروم وقال عکرمۃ: کل ارض تفتح الی یوم القیمۃ

⑦ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

اس کے تین مطلب بیان کیے گئے ہیں:

☆ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سزا دینے اور معاف کرنے پر قادر ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ قلعوں اور شہروں کو فتح کرانے پر قادر ہے۔

☆ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا فیہ وجھان: احدھما: علی ما اراد بعبادہ من نقمۃ او عفو قدیر قالہ محمد بن اسحاق الثانی: علی ما اراد ان یفتحہ من الحصون والقریٰ قدیر۔ قالہ النقاش وقیل: كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مما وعدکموہ قَدِیْرًا لا تردّ قدرتہ ولا یجوز علیہ العجز تعالیٰ۔ (القرطبی)

(دو آیات کا یہ خلاصہ تفسیر قرطبی سے ماخوذ ہے)

فائدہ

ان دو آیات کی تفسیر میں کئی مفسرین حضرات نے ”غزوہ بنی قریظہ“ کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ روح المعانی اور تفسیر مظہری میں زیادہ تفصیل ہے اور صاحب تفسیر مظہری نے اس غزوہ کی روشنی میں کئی ”احکام جہاد“ کو بھی بیان کیا ہے، مثلاً یہ غزوہ ”ذوالقعدہ“ کے مہینہ میں ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتداء کرنا جائز ہے۔ اس کے علاوہ مال غنیمت کی تقسیم کے مسائل اور غلام باندیوں کے مسائل پر بھی مفصل روشنی ڈالی ہے۔ شائقین طلبہ علم تفسیر مظہری میں مطالعہ فرمالیں۔ یہاں صرف حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر پر اکتفاء کیا جارہا ہے، جس کو تفسیر عثمانی میں تسہیل اور اضافے کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

آسان تفسیر

”یہ یہود ”بنی قریظہ“ ہیں، مدینہ کے شرقی جانب ان کا مضبوط قلعہ تھا اور (وہ) پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیے ہوئے تھے۔

جنگ احزاب کے موقع پر ”حیی بن اخطب“ کے اغواء (یعنی گمراہ کرنے) سے تمام معاہدات بالائے طاق رکھ کر مشرکین کی مدد پر کھڑے ہوگئے، ان میں سے بعض نے مسلمان عورتوں پر حملہ کرنا چاہا، جس کا جواب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بڑی بہادری سے دیا۔ جب کفار قریش وغیرہ عاجز ہوکر چلے گئے تو ”بنو قریظہ“ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احزاب سے فارغ ہوکر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے چہرہ پر غبار کا اثر تھا فرمایا، یارسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتاردیے جبکہ فرشتے ہنوز (یعنی ابھی

تک) ہتھیار بند ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ''بنو قریظہ'' پر حملہ کیا جائے۔ فوراً منادی ہوگئی کہ ''بنو قریظہ'' کے بدعہد یہودیوں پر چڑھائی ہے۔ نہایت سرعت کے ساتھ اسلامی فوج نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ چوبیس پچیس دن محاصرہ جاری رہا۔ آخر محصورین تاب نہ لا سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجنے شروع کیے۔ اخیر میں ان کی طرف سے بات اس پر ٹھہری کہ ہم قلعوں سے باہر آتے ہیں اور ''اوس'' کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حَکم ٹھہراتے ہیں۔ (کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے) جو فیصلہ ہمارے حق میں حضرت سعدؓ کریں گے ہم کو منظور ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبول فرمایا۔ قصہ مختصر حضرت سعد تشریف لائے اور بحیثیت ایک مسلّم حَکم کے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے سب جوان قتل کردیے جائیں اور عورتیں لڑکے، سب قیدِ غلامی میں لائے جائیں اور ان کے اموال وجائیداد کے مالک مہاجرین ہوں، اللہ اور رسول کی مرضی اور ان کی بدعہدی کی سزا یہی تھی اور یہ فیصلہ ٹھیک ان کی مسلّمہ آسمانی کتاب ''تورات'' کے موافق تھا۔ اس فیصلہ کے مطابق کئی سو یہودی جوان قتل کیے گئے اور کئی سو عورتیں اور لڑکے قید ہوئے (جن کو فروخت کر کے مسلمانوں نے جہاد کے لیے اسلحہ خریدا) اور ان کے املاک واموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، یہ زمین جو مدینہ کے قریب ہاتھ لگی حضرت نے مہاجرین پر تقسیم کردی۔ ان کے گزران کا ٹھکانا ہوگیا اور انصار پر سے ان کا خرچ ہلکا ہوا اور دوسری زمین سے مراد خیبر کی زمین ہے جو اس کے دو برس بعد ہاتھ لگی اس سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب آسودہ ہوگئے، بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسری زمین مکہ کی ہے۔ بعض نے فارس وروم کی زمینیں مراد لی ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے فتح ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ قیامت تک جو زمینیں فتح کی جائیں گی سب اس میں شامل ہیں۔ (واللہ اعلم) (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے بڑی فتوحات کی بشارت ہے

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا اختتام اس پر کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس میں اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت زیادہ فتوحات ملیں گی اور یہ کچھ مشکل نہیں کیونکہ جس طرح اس نے مسلمانوں کو بنوقریظہ کی زمین کا مالک بنادیا اسی طرح وہ دوسرے ملکوں کو فتح کرانے کی قدرت بھی رکھتا ہے اور کوئی چیز اسے عاجز نہیں کرسکتی۔

وختم تعالیٰ هذه الآية بقدرته على كل شيء فلا يعجزه شيء وكان في ذلك اشارة الى فتحه على المسلمين الفتوح الكثيرة، وانه لا يستبعد ذلك فكما ملكهم هذه فكذلك هو قادر على ان يملكهم غيرها من البلاد۔ (البحر المحيط)

اتحادی لشکروں کی شکست کے بعد

مشرکین کے بہت سے قبائل اور یہودیوں نے اتحادی لشکر بنایا اور مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مسلمان ڈٹ گئے، تب اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت فرمائی۔ جب یہ اتحادی لشکر ناکام ہوکر لوٹا تو گویا مشرکین اور

یہودیوں کی ہوا ہی اکھڑ گئی اور مسلمانوں کے لیے فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ آج کل بھی امت مسلمہ کے خلاف ’’اتحادی لشکروں‘‘ اور ’’اتحادی حملوں‘‘ کا زور ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ان اتحادی لشکروں کو ناکام واپسی کا منہ دیکھنا پڑا تو بہت امید ہے کہ انشاء اللہ ان کی ہوا اکھڑ جائے گی اور مسلمانوں کے لیے عظیم فتوحات کا دروازہ پھر کھل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ قادر و قدیر سے اسی کی دعاء ہے۔

وما ذلك على الله بعزيز (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْأَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۶۰ تا ۶۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ

اگر منافق اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں غلط خبریں اڑانے والے

فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا

باز نہ آئیں گے تو آپ کو ہم ان کے پیچھے لگادیں گے پھر وہ اس شہر میں تیرے پاس نہ ٹھہریں گے۔ مگر

قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾

بہت کم لعنت کیے گئے ہیں جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ

یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ان لوگوں میں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے قانون میں کوئی

تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

تبدیلی ہرگز نہ پائیں گے۔

خلاصہ

❶ کچھ لوگ مدینہ منورہ میں مقیم تھے، ان میں تین خرابیاں تھیں ○ نفاق ○ بدکاری ○ مسلمانوں کو کافروں سے خوفزدہ کرنے والی خبریں اڑانا۔ ان کو تنبیہ کی گئی کہ باز نہ آئے تو ان کو مدینہ منورہ سے نکال دیا جائے گا اور ان سے قتال کیا جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔

❷ اگر باز نہ آئے تو منافق اور جن کے دل میں روگ (مرض) ہے (یعنی جن کو بدنظری اور شہوت پرستی کا روگ لگا ہوا ہے) اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں (یہ غالباً یہود ہیں جو اکثر جھوٹی خبریں اڑا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا کرتے تھے اور ممکن ہے منافق ہی مراد ہوں) یہ لوگ اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے تاکہ چند روز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں اور جتنے دن رہیں ذلیل و مرعوب ہو کر رہیں، چنانچہ یہود نکالے گئے اور منافقوں نے دھمکی سن کر شاید اپنا رویہ بدل دیا ہوگا اس لیے اس سزا سے بچے رہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”جو لوگ بدنیت تھے مدینہ میں عورتوں کو چھیڑتے، ٹوکتے اور جھوٹی خبریں اڑاتے، مخالفوں کے زور اور مسلمانوں کے ضعف وشکست کی، ان کو فرمایا۔“ (موضح القرآن)

(یعنی وہ لوگ مسلمانوں کی کمزوری اور شکست کی اور کافروں کی طاقت اور قوت اور فتح کی خبریں پھیلایا اور اڑایا

کرتے تھے تو ان کو روکنے کا طریقہ بیان فرمایا)

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ: یعنی عادت اللہ یہی رہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں جنہوں نے شرارتیں کیں اور فتنے فساد پھیلائے اسی طرح ذلیل وخوار، یا ہلاک کیے گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پہلی کتابوں میں بھی یہ حکم ہوا ہے کہ مفسدوں کو اپنے درمیان سے نکال باہر کرو جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ''تورات'' سے نقل کیا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

کافروں کا رعب اور خوف پھیلانے والے

اَلْمُرْجِفُوْنَ یہ وہ لوگ تھے جو مسلمانوں میں ایسی خبریں پھیلاتے تھے جن سے ان کے دلوں میں کافروں کا رعب اور خوف بیٹھ جائے اور وہ کافروں سے ڈرنے لگیں اور ان کے دل جہاد کے بارے میں متزلزل ہو جائیں۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ بس آج کل میں دشمن حملہ کرنے والا ہے۔ مسلمانوں کے فلاں لشکر کو شکست ہو چکی ہے اور فلاں جگہ کافروں نے مسلمانوں پر فتح حاصل کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے چند عبارتیں:

❶ والمرجفون فی المدینة قوم کانوا یخبرون المؤمنین بما یسوء هم من عدوهم فیقولون اذا خرجت سرایا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انهم قد قتلوا اوهزموا وان العدو قد اتاکم. (قرطبی)

❷ هم اناس کانوا یرجفون باخبار السوء عن سرایا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فیقولون هزموا وقتلوا وجری علیهم کیت وکیت فیکسرون بذلك قلوب المؤمنین. (المدارك)

❸ اور مدینہ میں سنسنی پیدا کرنے والے، اگر اپنی سنسنی خیز جھوٹی خبروں کو پھیلانے سے باز نہ آئے، رجفة کا معنی ہے زلزلہ اور حرکت کا شدید اضطراب۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کے دستوں کو بھیجتے تھے تو کچھ منافق مدینہ میں جھوٹی خبریں پھیلاتے تھے کبھی کہتے جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا وہ مارے گئے یا شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے، کبھی کہتے عنقریب دشمن مسلمانوں پر مدینہ میں حملہ کرنے والا ہے۔'' (تفسیر مظہری)

❹ نیز دشمنان اسلام جن میں مدینہ کے رہنے والے یہودی بھی تھے اور منافق بھی، یہ حرکت بھی کرتے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر جب کہیں جاتے تو لوگوں میں رعب پیدا کرنے والی باتیں پھیلاتے اور شکست کی خبریں اڑا دیتے اور خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے یوں کہتے تھے کہ دشمن آ گیا، دشمن آ گیا۔'' (انوار البیان)

❺ اور دوسری ایذاء رسانی اس طرح سے تھی کہ ایسی جھوٹی خبریں اڑاتے کہ جس سے مسلمان پریشان ہو جائیں اور گھبرا جائیں جسے آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا کہتے ہیں ان ایذاؤں کے سدّ باب کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔'' (معارف القرآن کاندھلوی)

❻ یہ لوگ کہتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب مغلوب ہو کر مدینہ منورہ سے نکال دیئے جائیں گے

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء عنقریب پکڑے جائیں گے۔ (نعوذ باللہ)

المرجف الذی یؤذی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالارجاف بقوله غلب محمد (صلى الله عليه وسلم) وسیخرج من المدینة وسیؤخذ وهؤلآء (تفسیر کبیر)

فائدہ

مذکورہ بالا تمام عبارتوں کو غور سے پڑھ لیں اور پھر ان لوگوں کے طرز عمل پر غور کریں جو دن رات مسلمانوں میں کافروں کی طاقت کا رعب پھیلاتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو خوفزدہ کرتے ہیں اور مجاہدین کی شکست کی پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔ بظاہر یہ لوگ دانشور اور مسلمانوں کے خیر خواہ کہلاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کافروں کا خوف اور رعب پھیلانے والے مرجفین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔

ارجاف حرام ہے

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ''ارجاف'' یعنی مسلمانوں کو خوفزدہ، مرعوب اور کمزور کرنے والی خبریں پھیلانا حرام ہے، کیونکہ اس میں بھی ایذاء رسانی ہے اور یہ آیت ارجاف کے ذریعہ ایذاء پہنچانے کو حرام قرار دیتی ہے۔

فالارجاف حرام، لان فیه اذایة، فدلت الآیة علی تحریم الایذاء بالارجاف (القرطبی)

خطرناک

عام طور پر منافق سے جنگ نہیں کی جاتی مگر جب وہ اسلامی معاشرے میں زنا اور بدکاری پھیلانے لگے اور مسلمانوں کے دلوں پر کافروں کا رعب اور خوف بٹھانے لگے تو حکم دیا گیا کہ اس کے ساتھ شدید قتال کیا جائے کیونکہ یہ دو چیزیں اسلامی معاشرے کو تباہ و برباد کردیتی ہیں۔ پس مسلمانوں کو ان فتنوں پر گہری نظر رکھنی چاہئے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

اللهم طهر قلوبنا من النفاق والمرض وثبت قلوبنا علی دینك وطاعتك برحمتك یا ارحم الراحمین، وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آله واصحابه اجمعین وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

یکم جمادی الآخر ۱۴۲۹ھ

یوم الجمعہ، بعد صلوٰۃ الجمعۃ دار الہجرۃ

۶/ جون ۲۰۰۸ء

☆☆☆

سُوْرَةُ

مُحَمَّدٍ

مَدَنِيَّةٌ

ابتدائیہ

سورۃ کا نام

اس سورۃ مبارکہ کے دو نام مشہور ہیں:

1. سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
2. سورۃ القتال

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں: سورة القتال وهى سورة محمد (صلى الله عليه وسلم)

قال النسفیؒ : سورة محمد صلى الله عليه وسلم وقيل سورة القتال (المدارك)

یہ سورۃ مدنی ہے

جمہور کے نزدیک یہ سورۃ "مدینہ منورہ" میں نازل ہوئی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے، اس سورۃ میں اور مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی اکثر سورتوں میں احکامات، جہاد، منافقوں کی بدکرداری اور اس کے برے نتائج اور اچھے اخلاق کی تاکید ہوتی ہے۔ (حقانی)

یہ سورۃ ہجرت کے بعد نازل ہوئی

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوسرا نام سورۂ قتال بھی ہے، کیونکہ جہاد و قتال کے احکام اس میں بیان ہوئے ہیں، ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی یہ سورۃ نازل ہوئی یہاں تک کہ اس کی ایک آیت وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ اور حضرت قتادہؒ کا یہ قول ہے کہ وہ مکی آیت ہے، کیونکہ اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی نیت سے مکہ معظمہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ کی بستی اور بیت اللہ شریف پر نظر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری دنیا کے شہروں میں مجھے تو ہی زیادہ محبوب ہے، اگر اہل مکہ مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا۔ حضرات مفسرین کی اصطلاح میں جو آیات مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے سفر میں نازل ہوئی ہیں وہ مکی کہلاتی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورۃ ہجرتِ مدینہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور یہیں پہنچ کر کفار سے جہاد و قتال کے احکام نازل ہوئے ہیں۔

وتسمّى سورة القتال، وهى مدنية عند الاكثرين ولم يذكروا استثناء وعن ابن عباس وقتادة انها مدنية الا قوله تعالىٰ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ (محمد ۱۳) الى آخره فانه صلى الله عليه وسلم لما خرج من مكة الى الغار التفت اليها وقال "انت احب بلاد الله تعالىٰ الى الله وانت احب بلاد الله تعالىٰ الىّ ولو لا ان اهلك اخرجونى منك لم اخرج منك" فانزل الله تعالىٰ ذلك فيكون مكيا بناءً على ان ما نزل فى طريق المدينة قبل ان يبلغها النبى صلى الله عليه وسلم اعنى ما نزل فى سفر الهجرة من المكى اصطلاحا۔ (روح المعانى، معارف القرآن)

ایک قول یہ ہے کہ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سورۃ الحدید کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دونوں ناموں کی مناسبت

قرآن پاک کی کئی سورتیں انبیاء علیہم السلام کے مبارک ناموں پر ہیں مثلاً سورۃ یونسؑ، سورۃ ہودؑ، سورۃ یوسفؑ، سورۃ ابراہیمؑ، سورۃ نوحؑ ...... اسی طرح یہ سورۃ سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام گرامی پر ہے اور اس سورۃ کی دوسری آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی "محمد" مذکور ہے۔

جبکہ سورۃ کا دوسرا نام "القتال" ...... دینِ اسلام کے محکم فریضے قتال فی سبیل اللہ سے منسوب ہے کیونکہ اس سورۃ مبارکہ میں کفار کے خلاف زوردار جہاد کرنے، مسلسل جہاد کرنے اور ہمت کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ

❶ اس سورۃ میں "دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کی خاطر "قتال فی سبیل اللہ" کی تاکید ہے۔

❷ اس سورۃ میں واضح اعلان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سے لیکر قیامت تک دین برحق صرف "دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ہے ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین نے باقی تمام ادیان اور شریعتوں کو منسوخ کردیا ہے ...... اب دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی صرف اور صرف "دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" میں ہے ...... پس اسی برحق دین کی دعوت کے راستے میں جو رکاوٹ آئے اسے قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے سے دور کیا جائے۔

پس دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے قتال کا حکم اس سورۃ میں دیا گیا ہے۔

❸ جب یہ دعویٰ کیا گیا کہ اب سچا اور برحق دین صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے ...... اور قیامت تک کے تمام انسانوں اور جنوں پر لازم ہے کہ وہ اس دین کو قبول کریں ...... تو لازمی بات ہے کہ شیطان کے پجاری اس دین سے دشمنی کریں گے اور اسے روکنے کی کوشش کریں گے، پس ان کا علاج قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے سے کیا جائے گا۔

❹ اب سچا اور برحق دین صرف دینِ اسلام یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم والا دین ہے ...... اس دین کے بہت دشمن ہیں اور وہ وسائل اور قوت سے مالا مال ہیں ...... ان دشمنوں سے دین کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے ...... پس جو اس حکم کو مانے گا وہ دینِ اسلام کا سچا پیروکار ہوگا ...... اور جو اس حکم سے روگردانی کرے گا وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا ...... پس دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے اور جھوٹے کے امتیاز کے لیے "قتال فی سبیل اللہ" کا حکم دیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت جو پوری سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک جھلک دکھاتی ہے:

"اس سورۃ کی ابتداء ایک عجیب اور پر عظمت اعلان سے ہو رہی ہے کہ کافر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کے دشمن ہیں، جن کی زندگی کا مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا ہے، اور دعوت محمدیہ ﷺ کا مقابلہ کرنا ہے۔ ان کے اعمال برباد ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو جہاد و قتال کا حکم ہے۔ پھر مسلمانوں کی فتح و نصرت اور غلبہ و عزت کا معیار بیان کیا گیا اور یہ کہ مسلمان قوم اللہ تعالیٰ کی نصرت کی کب مستحق ہوتی ہے، ساتھ ہی کفار مکہ کی تباہی کی مثال واضح کر دی گئی۔ اسی کے ضمن میں منافقین کی سازشوں کا بھی ذکر ہو گیا۔ پھر سورۃ کے اختتام پر مسلمانوں کو دعوت دی گئی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے عزت و کامیابی کا راستہ طے کریں۔ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوسرا نام مفسرین نے سورۃ القتال بھی بیان کیا ہے۔ کیونکہ اس سورۃ کا نزول سچے مسلمانوں اور کفار و منافقین کے درمیان تمیز کرنے ہی کے لیے فرمایا گیا ہے، جس میں مختلف اسلوب اور پیرایوں میں سعداء (سعادت مند لوگوں) اور اشقیا (بدبخت لوگوں) کے حالات اور ان کے مراتب و منازل بیان کیے گئے ہیں۔" (معارف القرآن کاندھلویؒ)

سورۂ محمد (ﷺ) اور جہاد

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فریضۂ جہاد کو سمجھانے والی سورۃ ہے، اس کا ایک نام "سورۃ القتال" بھی ہے، کوئی مسلمان اگر اس سورۃ کو سمجھ کر پڑھ لے تو وہ جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

- یہ سورۃ مبارکہ بارہ طریقوں سے جہاد کی دعوت دیتی ہے
- یہ سورۃ مجاہدین کو بہت اہم عسکری اور دینی نصیحتیں فرماتی ہے
- یہ سورۃ جہاد فی سبیل اللہ کی حکمتیں بیان فرماتی ہے
- یہ سورۃ جنگی قیدی کے احکامات سناتی ہے
- یہ سورۃ شہداء کرام کے عجیب و غریب انعامات کا تذکرہ کرتی ہے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ سورۃ مسلمانوں کے دل میں کفر کی نفرت پیدا کرتی ہے، کفر انسانیت کے لیے کتنا خطرناک ہے؟ کفر میں دنیا و آخرت کی ناکامی ہے۔ یہ بات یہ سورۃ بہت تفصیل کے ساتھ سمجھاتی ہے۔ اور یہ سورۃ جہاد کے اس بنیادی نکتے کا اعلان کرتی ہے کہ اب مقبول دین صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا "دین اسلام" ہے۔ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بات بہت تفصیل سے سمجھاتی ہے کہ شرک اور کفر سب سے بڑا جرم ہے، کافر جہنم کا مستحق ہے، کافر دنیا و آخرت میں ناکام ہے، جہاد دراصل وہی مسلمان کر سکتا ہے جس کے دل میں ایمان اور اسلام کی محبت، عظمت اور ضرورت پوری طرح سے راسخ ہو، اور اس کے دل میں کفر سے مکمل نفرت اور بے زاری ہو۔ اور وہ یقین رکھتا ہو کہ کفر ہر برائی کی اصل جڑ اور اسلام ہر کامیابی کی اصل بنیاد ہے۔ اس لیے اگر کافروں کو طاقتور ہونے دیا گیا تو یہ بات انسانیت کے لیے بہت بڑی ہلاکت کا باعث ہوگی، پس انسانوں سے ہمدردی کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان جہاد کریں اور انسانیت کے دشمن کافروں کو کمزور کریں۔

سورۂ محمد (ﷺ) کے مضامین جہاد کا خلاصہ

❶ اسلام اور کفر کا تقابل، آیت ① ② ③ ⑧ ⑨ ⑩ ⑪ ⑫ ⑬ ⑭ ⑮ ۳۲ ۳۴

❷ ایمان اور نفاق کا تقابل، آیت ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰
(دراصل جب مسلمانوں کو کافروں سے جہاد کا حکم ملا تو اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں دو طرح کے لوگ سامنے آئے (الف) سچے مخلص ایمان والے جنہوں نے اس حکم کو مانا (ب) جھوٹے منافق جنہوں نے اس حکم کو ناپسند کیا اور نہ مانا)

❸ کافر اسلام کے دشمن اور دینی دعوت کے راستے کی رکاوٹ ہیں آیت ۱

❹ اب معتبر دین صرف "دین اسلام" ہے آیت ۲

❺ مسلمانوں کے لیے غلبے کا وعدہ آیت ۲

❻ کافروں کے خلاف خوب مضبوطی سے جنگ کرو آیت ۴

❼ اقدامی جہاد (یعنی مسلمان خود بڑھ کر جہاد کریں) آیت ۴

❽ کافروں کو قیدی بنانے کی اجازت آیت ۴

❾ جنگی قیدیوں کے احکامات آیت ۴

❿ جہاد قیامت تک جاری رہے گا آیت ۴

⓫ جہاد ایمان کا امتحان ہے آیت ۴

⓬ شہداء کرام کی فضیلت اور ان کے لیے عجیب و غریب انعامات کا تذکرہ آیت ۴، ۵، ۶

⓭ مجاہدین کی فضیلت اور انعامات آیت ۴، ۵، ۶ (ایک قرأت کے مطابق)

⓮ مجاہدین سے اللہ تعالیٰ کی نصرت کا پکا وعدہ آیت ۷

⓯ مجاہدین صرف دین کی خاطر جہاد کریں تب نصرت آئے گی آیت ۷

⓰ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کافر بے یار و مددگار ہیں آیت ۱۱

⓱ مکہ مکرمہ فتح ہونے کی بشارت آیت ۱۳

⓲ جہاد کی بنیاد "لا الہ الا اللہ" آیت ۱۸

⓳ ایمان والوں کا شوقِ جہاد اور منافقین کی جہاد سے نفرت آیت ۲۰

⓴ جہاد کے موقع پر مطلوبہ طرزِ عمل اور منافقین کی اطاعت کی حقیقت آیت ۲۱

㉑ جہاد چھوڑو گے تو دنیا قتل و غارت، خونریزی اور فساد سے بھر جائے گی آیت ۲۲

㉒ منافقوں کو حکومت ملے تو وہ مسلمانوں کی خونریزی کرتے ہیں آیت ۲۲ (تفسیری قول)

۲۳ مجاہدین کو طاقت و حکومت ملے تو فساد برپا نہ کریں، قطع رحمی نہ کریں آیت ۲۲ (تفسیری قول)

۲۴ منافق جہاد کی بات نہیں سنتے اور نہ جہاد کے فوائد کو دیکھتے ہیں آیت ۲۳

۲۵ منافقین قرآن پاک میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے ہیں اس لیے وہ جہاد کو نہیں سمجھتے آیت ۲۴

۲۶ شیطان نے منافقوں کو لمبی عمر کی امیدیں دلا کر جہاد سے روکا ہے آیت ۲۵

۲۷ منافقوں کی یہ حالت کافروں سے یاری رکھنے کی وجہ سے ہوئی ہے آیت ۲۶

۲۸ جہاد چھوڑنے والے منافقین کی موت کا بھیانک منظر آیت ۲۷

۲۹ منافقین کو جہاد سمیت اللہ تعالیٰ کی رضا والے ہر کام سے نفرت ہے آیت ۲۸

۳۰ منافق بے نقاب ہو سکتے ہیں آیت ۲۹

۳۱ منافق جہاد کے مواقع پر اپنی باتوں سے پہچانے جاتے ہیں آیت ۳۰

۳۲ جہاد کے ذریعہ امتحان ہوتا ہے کہ کون سچا مؤمن ہے آیت ۳۱

۳۳ اسلام کے خلاف کافروں کی تدبیریں اللہ تعالیٰ ناکام فرما دیتا ہے آیت ۳۲

۳۴ مجاہدین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق جہاد کرنا چاہیے نہ کہ اپنی خواہش کے مطابق آیت ۳۳

۳۵ کافروں کے لیے دنیا و آخرت میں ناکامی ہے آیت ۳۴

۳۶ جہاد میں کمزوری اور سستی نہ کرو، کافروں کے غلبے کو تسلیم نہ کرو اور کافروں کو خود صلح کی طرف نہ بلاؤ، آیت ۳۵

۳۷ مسلمانوں کے غلبے کا وعدہ آیت ۳۵

۳۸ مجاہدین کے لیے اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت کا وعدہ آیت ۳۵

۳۹ ایمان والوں کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے آیت ۳۵

۴۰ جہاد سے روکنے اور صلح کی طرف جھکانے والی چیز دنیا کی محبت ہے، دنیا کی حقیقت اور بے ثباتی کا بیان آیت ۳۶

۴۱ جہاد میں مال خرچ کرنے کی ترغیب آیت ۳۷، ۳۸

۴۲ مسلمان خود جہاد کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کے جہاد کی حاجت نہیں، جہاد میں مسلمانوں کا اپنا فائدہ اور بقاء ہے آیت ۳۸

مجاہدین کے لیے بارہ نصیحتیں

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مجاہدین کے لیے اہم نصیحتیں اور احکامات ہیں،

ملاحظہ فرمائیے بارہ نصیحتوں کا خلاصہ:

❶ جنگ بہت قوت سے کرو آیت ۴

❷ جب تک کافروں میں لڑنے کی طاقت باقی رہے ان کے خلاف جہاد کرتے رہو آیت ۴

❸ جہاد صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اور غلبے کے لیے کرو آیت ۷

❹ جہاد میں مقتول ہونے سے نہ ڈرو آیت ۴،۵،۶

❺ جنت کی نعمتوں کا شوق اپنے دل میں پیدا کرو آیت ۱۵

❻ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں قوت اور حکومت دے دے تو اس کا ناجائز استعمال نہ کرو اور مسلمانوں کی خونریزی نہ کرو آیت ۲۲

❼ جہاد اللہ تعالیٰ کے حکم اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق کرو آیت ۳۳

❽ جنگ میں کمزوری نہ دکھاؤ اور دنیا کی محبت میں آ کر خود صلح کی طرف نہ جھکو آیت ۳۵

❾ کافروں کے غلبے کو تسلیم نہ کرو آیت ۳۵

❿ دنیا سے بے رغبت رہو، یہاں کے عیش و آرام کو اپنا مقصود نہ بناؤ آیت ۳۶

⓫ جہاد میں اپنا مال بھی خرچ کرو آیت ۳۸

⓬ خود کو اللہ تعالیٰ کا اور جہاد کا محتاج سمجھو آیت ۳۸

جہاد کی دو حکمتیں

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ''فریضۂ جہاد'' کی بعض حکمتیں بھی بیان فرمائی ہیں مثلاً:

❶ جہاد کا حکم اس لیے ہے تاکہ کافروں کا زور ٹوٹ جائے اور وہ دینِ اسلام کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکیں اور لوگوں کو گمراہ نہ کر سکیں آیت ۴

❷ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کا امتحان ہو جائے کہ کس کا دعویٰ سچا ہے اور کس کا جھوٹا آیت ۴،۳۱

غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کی طرف اشارات

بعض تفسیری اقوال کے مطابق سورۃ محمد (ﷺ) کی آیت ۱ تا ۳ میں غزوہ بدر کے اور آیت ۵ اور ۶ میں غزوۂ احد کے بعض واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

بارہ طریقوں سے جہاد کی دعوت اور ترغیب

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مسلمانوں کو جہاد کی دعوت اور ترغیب دی گئی ہے۔ یہ دعوت اور ترغیب مختلف طریقوں سے دی گئی ہے۔ کبھی جوش اور ہمت دلا کر اور کبھی دنیا سے بے رغبتی دلا کر، کبھی جنت کا حسین منظر دکھا کر اور

کبھی جہنم اور نفاق سے ڈرا کر۔ بطور خلاصہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں درج ذیل طریقوں سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے:

1. کفر کی مذمت بیان فرما کے آیت ۱ (ودیگر کئی آیات میں)
2. مجاہدین اور شہداء کرام کے انعامات بیان کر کے آیت ۴، ۵، ۶
3. دنیا کے فانی ہونے کو سمجھا کے آیت ۳۵
4. اپنی نصرت، معیت اور مدد کا وعدہ فرما کے آیت ۷، ۱۱، ۳۵
5. مجاہدین کے لیے گناہوں کی معافی کا اعلان فرما کے آیت ۲، ۴، ۳۵
6. مجاہدین کو "اللہ تعالیٰ کا مددگار" یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کا مددگار قرار دے کر آیت ۷
7. یہ بیان فرما کر کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے جہاد کی ضرورت نہیں، اس میں خود تمہارا اپنا فائدہ ہے آیت ۴، ۳۸
8. یہ وعید سنا کر کہ جہاد نہیں کرو گے تو زمین ظلم، فساد اور قطع رحمی سے بھر جائے گی آیت ۲۲
9. جنت کی نعمتوں کا تذکرہ فرما کر اور جہنم کے عذاب سے ڈرا کر آیت ۱۵
10. جہاد کو ایمان کی علامت قرار دے کر آیت ۳۱
11. حضرات صحابہ کرامؓ کے شوق جہاد کو بیان فرما کر آیت ۲۰
12. یہ فرما کر کہ جہاد سے نفرت منافقین کی علامت ہے آیت ۲۰ (ودیگر کئی آیات)

(جہاد کی دعوت دینے والوں کے لیے یہ بارہ رہنما اسلوب ہیں، جبکہ دعوتِ جہاد کے بعض اسلوب دوسری سورتوں میں مذکور ہیں، مثلاً مظلوم مسلمانوں کا تذکرہ کر کے جہاد کی دعوت دینا وغیرہ)

کافروں کی مذمت

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک خاص موضوع کفر کی مذمت اور اس کی قباحتوں کا بیان ہے، ملاحظہ فرمایئے اس موضوع کی ایک جھلک:

1. کافر خود کو اور دوسروں کو دینِ اسلام سے روکنے والے ہیں آیت ۱
2. کافروں کے نیک اعمال بھی قبول نہیں آیت ۱
3. کافروں کی اسلام کے خلاف تدبیریں ناکام ہوں گی آیت ۱
4. کافر شیطان کے پیروکار اور غلط راستے پر چلنے والے ہیں آیت ۳
5. کافروں کی جان و مال کی کوئی حرمت نہیں (خصوصاً جب مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے اتر آئیں) آیت ۴

❻ کافروں کے لیے تباہی اور بربادی ہے **آیت ۸**

❼ کافر قرآن پاک کے مخالف ہیں اور یہی ان کی ناکامی کی وجہ ہے **آیت ۹**

❽ کافروں کا انجام "ناکامی" ہے **آیت ۱۰**

❾ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کافروں کا کوئی مددگار نہیں **آیت ۱۱**

❿ کافر جانوروں کی طرح بے کار زندگی گزارنے، دنیا کے عیش و آرام، سرمایہ اور کھانے پینے کو مقصد بنانے والے ہیں **آیت ۱۲**

⓫ کافر جہنمی ہیں **آیت ۱۲**

⓬ کافروں کی طاقت اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے **آیت ۱۳**

⓭ کافر اپنے برے کاموں کو اچھا سمجھتے ہیں، اس لیے بہت برائی پھیلاتے ہیں **آیت ۱۴**

⓮ کافروں کے لیے جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہے **آیت ۱۵**

ایک اہم موضوع

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن پاک کی طرف بلاتی ہے کہ انسانوں کی کامیابی قرآن پاک کو ماننے، اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ہے۔ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں کی ناکامی کی وجہ یہ بیان فرماتی ہے کہ وہ قرآن پاک کے احکامات کو پسند نہیں کرتے، قرآن پاک میں غور اور تدبر نہیں کرتے اور قرآن پاک کو نہیں مانتے۔ جبکہ اہلِ ایمان قرآن پاک کو مانتے ہیں اور اس کے ہر حکم سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ اہم مضمون درج ذیل آیات میں ملاحظہ فرمائیں:

آیات: ❷ ❸ ❾ ⓮ ⓰ ⓱ ⓴ ㉔ ㉖

منافقین کے طور طریقے

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب جہاد کا حکم دیتی ہے تو اس طبقے کو بھی بے نقاب کرتی ہے جو خود کو مسلمان کہلواتا ہے مگر جب اسے جہاد کا حکم سنایا جاتا ہے تو وہ بدک جاتا ہے اور اس کی اصلیت ظاہر ہونے لگتی ہے۔

- منافقین پر جہاد کا حکم بہت بھاری پڑتا ہے
- منافقین جہاد کی آیات سن کر بے حد پریشانی اور تکلیف محسوس کرتے ہیں اور یہ تکلیف اور نفرت ان کے چہروں پر ظاہر ہو جاتی ہے
- منافقین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھیک طرح سے اطاعت نہیں کرتے تھے، خصوصاً جہاد کے حکم میں
- نافرمانی کے ساتھ ساتھ الٹی باتیں کرنا بھی منافقین کا طریقہ ہے

- منافقین خود کو مسلمان تو کہتے ہیں مگر ایمان کے اہم تقاضے جہاد فی سبیل اللہ کو وہ پورا نہیں کرتے
- منافق مسلمانوں کے ساتھ مل کر تو جہاد نہیں کرتے البتہ کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار رہتے ہیں
- منافقوں پر لعنت ہے کہ وہ جہاد کے فوائد کو نہیں سنتے اور جہاد کے فوائد کو نہیں دیکھتے
- منافقوں کے دلوں پر تالے پڑے ہیں، وہ قرآن پاک میں غور نہیں کرتے اور جہاد کو نہیں سمجھتے
- منافقین کو شیطان لمبی عمر کی امیدیں دلا کر جہاد سے روکتا ہے
- منافقین اسلام دشمن کافروں سے عسکری تعاون کے سمجھوتے کرتے ہیں
- منافق قتل ہونے کے ڈر سے جہاد میں نہیں نکلتے مگر وہ موت سے نہیں بچ سکتے، فرشتے مارتے ہوئے ان کی روحیں سختی سے قبض کرتے ہیں
- منافقین اپنے دل کی باتوں کو چھپاتے ہیں مگر حکم جہاد کے ذریعہ ان کی پہچان ہو جاتی ہے

منافقین کے بارے میں یہ تمام مضامین ملاحظہ فرمایئے سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیات ۱۶ تا ۳۰

(واللہ اعلم بالصواب)

اختتام ابتدائیہ وآغاز معارف آیات الجہاد

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱،۲،۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①

وہ لوگ جو منکر ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال برباد کردیئے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ

اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے اور جو کچھ محمد پر نازل کیا گیا اس پر بھی ایمان لائے حالانکہ وہ

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ

ان کے رب کی طرف سے برحق بھی ہے تو (اللہ تعالیٰ) ان کی برائیوں کو مٹادے گا اور ان کا حال درست کرے گا۔ یہ اس

بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا

لیے کہ جو لوگ منکر ہیں انہوں نے جھوٹ کی پیروی کی اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اپنے رب کی طرف سے

الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

حق کی پیروی کی اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔

خلاصہ

① اب صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام ہی برحق اور معتبر ہے، اور تمام جہان کو اسی دین کے قبول کرنے کا حکم ہے کیونکہ اب سچا دین یہی ہے۔ اچھے اور برے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی لیکن اسلام کو قبول کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ نیکی قبول ہوجاتی ہے اور برائی معاف اور اسلام کو نہ ماننے کی سزا یہ ہے کہ اچھے کام برباد اور گناہ لازم۔ (مفہوم حضرت شاہ صاحبؒ)

② کافروں کے اچھے اعمال ضائع کردیئے جاتے ہیں کہ ان پر ان کو آخرت میں کچھ بھی نہیں ملے گا اور اسلام کے خلاف وہ جو محنتیں اور تدبیریں کرتے ہیں وہ سب برباد اور ناکام کردی جاتی ہیں۔

③ دینِ برحق وہی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے جو اسے مانتے ہیں اور اچھے اعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا اور دنیا و آخرت میں ان کی حالت درست رکھے گا۔ اور ان کی نصرت فرما کر انہیں دنیا میں سلطنت اور غلبہ عطاء فرمائے گا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ کافر تو غلط راستے پر چلے جبکہ اہل ایمان اپنے رب کی طرف سے بتائے ہوئے صحیح راستے پر چلے۔ اللہ تعالیٰ یہ حالات بیان فرماتا ہے تا کہ لوگ اس سے سبق اور عبرت حاصل کریں۔

ربط

❶ اس سے پچھلی سورۃ ''الاحقاف'' کے آخر میں فرمایا تھا کہ نافرمان لوگ ہلاک ہوں گے، اس پر یہ پوچھا جاسکتا تھا کہ نافرمان لوگ بھی تو بعض اچھے کام کرتے ہیں جیسے غریبوں کو کھانا کھلانا، صلہ رحمی کرنا وغیرہ تو پھر وہ کیسے ہلاک ہوں گے تو اس سورۃ کے آغاز ہی میں فرمادیا کہ کفر کی وجہ سے ان کا کوئی اچھا عمل باقی ہی نہیں رہا، کفر کی وجہ سے سب کچھ برباد ہوجاتا ہے۔

اول هذه السورة مناسب لآخر السورة المتقدمة فان آخرها قوله تعالىٰ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ فان قال قائل كيف يهلك الفاسق وله اعمال صالحة كا طعام الطعام وصلة الارحام الخ (تفسیر کبیر)

❷ ''گزشتہ سورۃ کا اختتام مجرمین کی ہلاکت وتباہی کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا اور مقصود اہل مکہ کو تنبیہ تھی کہ وہ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں، ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دینا تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت کا انتظار کریں، حق بہرحال غالب ہوگا۔ تو اب اس سورۃ کی ابتداء کافروں اور منکروں کے اعمال کی بربادی کے بیان سے کی جارہی ہے۔ اور یہ کہ حق اور باطل کا فرق اس دنیوی زندگی میں بھی انسان کے سامنے آکر رہے گا اور آخرت میں بھی باطل پرستوں کی تباہی اور عذاب اور اہل حق کی کامیابی ونجات قطعی اور یقینی ہے، ان مضامین کے ساتھ یہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ حق اور باطل کا معرکہ اس کا متقاضی ہے کہ اہلِ حق اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے باطل سے جہاد کرنے کے واسطے تیار ہوجائیں جہاد کا حکم ایک امتحان ہے جس کے ذریعے مؤمنین مطیعین کا ایثار واخلاص اور قربانی کا جذبہ معلوم ہوگا اور ساتھ ہی باطل پر حق کی فتح وکامیابی بھی تاریخ عالم میں ایک حقیقت بن کر دنیا کی نظروں میں آئے گی۔'' (معارف القرآن کاندھلویؒ)

❸ پچھلی سورۃ کے آخر میں فرمایا گیا تھا فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ کہ فاسق لوگ ضرور ہلاک ہوں گے۔ اس سورۃ میں ہلاک ہونے والے فاسقوں کی علامات سے بات شروع فرمائی کہ فاسق وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے۔ پھر کافروں کی ہلاکت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان پر آسمانی عذاب نازل کیا جائے جس طرح قوم عاد اور ثمود ہلاک ہوئیں اور دوسری یہ کہ جہاد کے ذریعہ اہلِ ایمان کے ہاتھوں سے ان کو ہلاک کیا جائے تو سورۃ محمد میں بتایا گیا کہ ان کو جہاد کے ذریعہ ہلاک کیا جائے گا۔ اب سوال یہ تھا کہ ان کے بعض اچھے اعمال بھی ہیں تو پھر ان کو جہاد کے ذریعے کیوں ختم کیا جائے؟ تو جواب ارشاد فرمایا کہ کفر کی وجہ سے ان کا کوئی اچھا عمل قابل قبول نہیں ہے۔

پھر سوال یہ تھا کہ ان میں سے بعض کافر سابقہ شریعتوں کو مانتے ہیں تو جواب ارشاد فرمایا کہ نہیں اب صرف ایک شریعت برحق ہے اور وہ ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت، چونکہ ان کافروں نے اس شریعت کو چھوڑ کر باطل کی پیروی کی ہے اور یہ لوگ اسلام کے راستے کی رکاوٹ بھی بنے ہوئے ہیں اس لیے ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا جس کا حکم آیت ④ میں آتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسلام سے روکنے والے

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا اللہ تعالیٰ کے راستے سے……

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

انہوں نے خود کو یا دوسروں کو اسلام قبول کرنے سے روکا

فی الصدو جهان احدهما صدوا انفسهم معناه انهم صدوا انفسهم عن السبيل ومنعوا عقو لهم من اتباع الدليل وثانيهما صدوا غيرهم ومنعوهم (تفسیر کبیر)

یہ کون لوگ تھے؟

حضرات مفسرین نے کئی اقوال لکھے ہیں:

❶ یہ اہل مکہ تھے جنہوں نے خود کو اور مسلمانوں کو دین اسلام سے روکا تھا

❷ یہ غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین کے لشکر کو کھانا کھلانے والے بارہ سردار تھے

ابوجہل……حارث بن ہشام……عتبہ بن ربیعہ……شیبہ بن ربیعہ……ابی بن خلف……امیہ بن خلف……عقبہ بن حجاج……نبیہ بن حجاج……ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حرام، حارث بن عامر

❸ یہ اہل کتاب تھے جو اپنے لوگوں کو اور دوسروں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے

❹ مراد اس سے ہر کافر ہے

امام ابوحیانؒ نے تمام اقوال لکھنے کے بعد آخری قول کو ترجیح دی ہے وہ فرماتے ہیں:

وهو عام فی کل من کفر وصدّ

یہ آیت عام ہے ہر اس شخص کے بارے میں جو کفر اختیار کرے اور دین اسلام سے روکے۔ (البحر المحیط)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ہر کافر دراصل اسلام سے روکنے والا ہوتا ہے، کچھ تو باقاعدہ جان و مال لگا کر لوگوں کو دین اسلام سے روکتے ہیں جبکہ کچھ اپنے عمل سے روکتے ہیں کیونکہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر کفر پر پکے ہوتے ہیں اور بعد میں آنے والے اپنے پہلوں کی اتباع اور پیروی کرتے ہیں پس ہر کافر دوسروں کو اسلام سے روکنے کا کسی نہ کسی طرح ذریعہ بنتا ہے۔

کل من کفر صار صادّا لغیره

پس اس آیت کا ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے:

”جنہوں نے کفر کیا اور اس کفر کرنے کی وجہ سے وہ دوسروں کو دین اسلام سے روکنے والے بن گئے“ (تفسیر کبیر)

اس تقریر سے اس سوال کا جواب آ گیا کہ کوئی کافر دین سے نہ روکے تو کیا اس کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے؟

ویسے بھی ہر کافر خود کو تو دین سے روکتا ہی ہے۔

تفسیر حقانی میں ہے:

ارشاد فرمایا: اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ کہ جو منکر ہوئے اور لوگوں کو یا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے رستے سے باز رکھا ❶ ایمان ❷ صوم ❸ صلوٰۃ ❹ جہاد ❺ حسنات ❻ اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب کو سبیل اللہ کا لفظ شامل ہے۔ ان کے اعمال برباد ہوگئے، بوجہ بغاوت کے وہ کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ (تفسیر حقانی)

کافروں سے جہاد کیوں ہوتا ہے؟ یہ اس کی بڑی وجہ بیان فرمادی کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے باغی یعنی کافر ہیں اور دوسروں کو بھی دین حق سے روکتے ہیں ان کو اگر کھلی چھوٹ دے دی گئی تو یہ پوری دنیا میں کفر پھیلائیں گے اور ہر جگہ اسلامی دعوت کو روکیں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کافروں کے اعمال ضائع اور برباد

اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ نے برباد کر دیئے

پس ان اعمال سے ان کو کوئی نفع یا بھلائی نہ ملی بلکہ صرف نقصان ہی کا ذریعہ بنے۔

ای اتلفها حیث لم ینشاء عنها خیر ولا نفع، بل ضرر محض (البحر المحیط)

❶ ان اعمال سے مراد ان کے اچھے اعمال ہیں جیسے صلہ رحمی، قیدی چھڑانا وغیرہ

المراد بالاعمال اعمالهم البرة فی الجاهلیة من صلة رحم، وفكّ عان ونحو ذلك (البحر المحیط)

”بہر حال فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا، اعمال کی قبولیت کا مدار ایمان پر ہے اگر ایمان ہی نہیں تو رفاہ عامہ کا اچھے سے اچھا کام بھی نامقبول ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔ سورۃ کہف کے آخری رکوع میں ہے کہ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے نقصان زدہ لوگ کون ہیں فرمایا

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (الکهف)

یہ وہ لوگ ہیں جن کی ”سعی“ دنیا میں ہی برباد ہوگئی اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں، اگر کوئی کہے کہ کافر بھی تو رفاہ عامہ کے کام کرتے رہتے ہیں، سکول بناتے ہیں، ہسپتال بناتے ہیں، مالی امداد دیتے ہیں تو کیا ان کو کچھ اجر نہیں ملے گا؟ بالکل نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی نیکی کا اجر دنیا ہی میں نیک نامی اور شہرت کی صورت میں دے دیا۔

(فلا یرون لها فی الآخرة ثوابا ویجزون بها فی الدنیا من فضله تعالیٰ (جلالین))

اب آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ ایمان سے خالی رہے“ (معالم العرفان)

❷ ان اعمال سے مراد ان کی وہ تدبیریں اور سازشیں ہیں جو وہ اسلام کے خلاف اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتے ہیں۔

او ما عملوه من الکید لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصد عن سبیل اللہ (المدارک)

ومعنی اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ابطل کیدهم ومکرهم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعل الدائرة علیهم۔ (القرطبی)

حاصل یہ ہوا کہ کافروں کے ظاہری طور پر نیک اور اچھے اعمال دیکھ کر ان کو دنیا بھر میں کفر پھیلانے کے لیے کھلا نہیں چھوڑا جائے گا۔ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ان اعمال کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی ان کے یہ اعمال کوئی اچھا نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسری تفسیر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کافر اسلام کے خلاف جو تدبیریں اور سازشیں کرتے ہیں اللہ پاک ان کو توڑ دیتا ہے چنانچہ کافروں کی ہر کوشش کے باوجود اسلام بڑھتا ہی چلا گیا اور دین پھیلتا ہی چلا گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

مقبول ایمان والے

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کافروں کے مقابلے میں ایمان والوں کا ذکر فرمایا...... جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے...... اور ایمان بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور شریعت پر لائے اور اب اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر صرف یہی ایمان ہے تو ایسے ایمان والوں کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ان کے احوال کو دنیا و آخرت میں درست کر دیا جائے گا۔

اس آیت سے مراد کون ہیں؟؟......

1. انصارِ مدینہ...... تب اعمال صالحہ سے مراد اپنے گھروں اور اموال میں مہاجرین کو حصہ دینا ہے
2. قریش کے کچھ حضرات...... تب اعمال صالحہ سے مراد ہجرت ہے
3. اہلِ کتاب میں سے ایمان لانے والے
4. ہر ایمان والا مراد ہے...... تب اعمال صالحہ سے مراد وہ تمام اعمال جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو

"هم ناس من قریش او من الانصار او من اهل الکتاب او عام" (المدارک)

شان نزول کے اعتبار سے ابتدائی طور پر کوئی بھی مراد ہو قرآن پاک کے الفاظ عام ہیں اور ہر ایمان والے کے لیے یہ بشارت ہے۔

فاللفظ عام یتناول کل کافر وکل مؤمن (البحر المحیط)

پھر ارشاد فرمایا کہ اب ہر ایمان معتبر نہیں ہے بلکہ صرف وہی ایمان معتبر ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن پر ہو۔

وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ

ترجمہ: اور ایمان لائے اس پر جو نازل ہوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور وہی ہے سچا دین ان کے رب کی طرف سے

وَهُوَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ یہ "حصر" کا جملہ ہے کہ حقانیت اب صرف اور صرف دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے

وَهُوَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ وهو جملة معترضة بین المبتداء والخبر مفیدة لحصر الحقیة

فیه علی طریقة الحصر فی قوله تعالیٰ ذٰلِكَ الكتاب (روح المعانی)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام ادیان کے لیے ناسخ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین نے تمام ادیان کو منسوخ کر دیا ہے اور اس دین کو اب کوئی اور منسوخ نہیں کر سکتا۔

وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ای القرآن وقیل ان دین محمد هو الحق اذ لا یرد علیه النسخ وهو ناسخ لغیره (المدارك)

وهو الحق من ربهم یرید ان ایمانهم هو الحق من ربهم وقیل ای ان القرآن هو الحق من ربهم نسخ به ماقبلهم (القرطبی)

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”پہلے زمانے میں سب خلق کو تکلیف نہ تھی ایک شرع کی (یعنی سب لوگ ایک شریعت کے مکلف نہ تھے) اس وقت سب جہان کو ایک حکم ہے، اب سچا دین یہی ہے اور بھلے برے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی، لیکن سچا دین ماننے کو یہ قبولیت ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف اور نہ ماننے کی یہ سزا ہے کہ نیکی برباد اور گناہ لازم“۔ (موضح القرآن)

یہ جہاد کی فرضیت، ضرورت اور حکمت کا ایک بنیادی نکتہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اب دین برحق صرف اسلام ہے، وجہ یہ ہے کہ

❶ اسلام کے اس دعوے کی وجہ سے کہ اب صرف اسلام ہی سچا دین ہے باقی تمام مذاہب کے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بن جاتے ہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں، اسلامی دعوت کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ جہاد ہی سے ان کی دشمنی، حسد اور حملوں کا دفاع ہوتا ہے۔

❷ جب صرف اسلام ہی سچا دین ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس کی دعوت ہر قوم تک پہنچائیں، مسلمان جب یہ دعوت لیکر جاتے ہیں تو کفار ان کے راستے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں چنانچہ جہاد کے ذریعہ سے راستے کی رکاوٹوں کو توڑا جاتا ہے۔

❸ جب اسلام ہی دین برحق ہے اور اب صرف یہی دین ہی نجات کا اور آخرت کی کامیابی کا واحد ذریعہ ہے تو اس دین کے دشمن تمام انسانیت کے دشمن ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ان باغیوں کو اور انسانیت کے ان دشمنوں کو کمزور کرنا بہت ضروری ہے ورنہ وہ تو دنیا کو کفر اور فساد سے بھر دیں گے۔ چنانچہ انسانیت کے ان دشمنوں کو کمزور کرنے کے لیے جہاد کیا جاتا ہے تاکہ ان میں لوگوں کو گمراہ کرنے کی طاقت باقی نہ رہے۔

حاصل یہ ہے کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی برحق ہونا جہاد کی اہم ترین بنیاد ہے، چنانچہ جہاد کے مخالف فتنے اب اسی بنیاد کو کمزور کرنے کی فکر میں ہیں چنانچہ کئی ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو خود کو مسلمان کہتے ہیں مگر ان کا دعویٰ ہے کہ دین اسلام ہی دین برحق نہیں ہے بلکہ اور مذاہب بھی حق پر ہیں اور ان کے ذریعے بھی انسان کامیابی حاصل

کرسکتا ہے۔نعوذ باللہ من ھذہ الضلالۃ

ایمان والوں کے گناہ معاف اور احوال کی اصلاح

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو مٹادے گا اور ان کا حال درست کرے گا۔

❶ ان کے ایمان اور نیک اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کے سابقہ کفر اور ان کے گناہوں کو چھپادے گا (مٹادے گا) انہیں توبہ کی توفیق دے کر ان کی حالت کو اچھا کردے گا کہ انہیں دین کے کاموں کی توفیق عطاء فرمائے گا اور اس طرح بھی ان کی حالت اچھی کردے گا کہ انہیں اپنی نصرت اور مدد دے کر دنیا میں غلبہ اور سلطنت عطاء فرمائے گا......یعنی وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ کے دو مطلب ہوئے ❶ نیکیوں کی توفیق ملنا ❷ زمین پر غلبہ اور حکومت پانا۔

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ستر بایمانهم وعملهم الصالح ماكان منهم من الكفر والمعاصی لرجوعهم عنها وتوبتهم وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ای حالهم وشأنهم بالتوفيق فی امور الدين وبالتسليط على الدنيا بما اعطاهم من النصرة والتائيد. (المدارك)

❷ "اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے اتار دے گا یعنی معاف کردے گا اور دونوں جہان میں ان کی حالت درست رکھے گا، دنیا میں تو اس طرح کہ ان کو اعمال صالحہ کی توفیق بڑھتی جاوے گی اور آخرت میں اس طرح کہ ان کو نجات ہوگی۔ (بیان القرآن)

❸ ایمان اور اچھے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو چھپادے گا اور ان کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ اور دنیا میں ان کے حالات درست رکھے گا، دشمنوں پر فتح عنایت کرے گا گناہوں سے بچنے اور شیطان کے تسلط سے محفوظ رہنے کی اور طاعت الٰہیہ کی توفیق عطاء فرمائے گا پھر آخرت میں دوامی راحت اور خوشنودی خدا مرحمت کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یعنی زندگی بھر ان کی حفاظت رکھے گا۔ (مظہری)

اس میں بھی جہاد کے اہم نکتے آگئے۔

❶ یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں سے بھی غلطیاں اور گناہ ہوتے ہیں تو پھر انہیں کیا حق حاصل ہے کہ وہ دوسری قوموں سے جہاد کریں تو جواب ہوگیا کہ مسلمانوں کے گناہ "کفر" کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں اور جو گناہ ان سے سرزد ہوتے ہیں تو ایمان کی برکت سے ان کی معافی اور تلافی کا راستہ موجود ہے اس لیے مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاد کریں۔

❷ مسلمانوں سے بھی گناہ اور غلطیاں ہوتی ہیں تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت کیسے حاصل ہوگی تو جواب ہوگیا کہ ایمان اور اعمال صالحہ کی برکت سے توبہ کی توفیق ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو مٹادیتا ہے چنانچہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

❸ وَاَصۡلَحَ بَالَهُمۡ میں بھی فرمادیا کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ مزید نیکیوں کی توفیق عطاء فرماتا ہے اور انہیں اپنی مدد دے کر زمین پر غلبہ عطاء فرماتا ہے، پس وہ جہاد کے عمل کے ذریعے دین اسلام کو مضبوط کرتے ہیں، توفیق اور نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جیسا راستہ، ویسی منزل

ایسا کیوں ہوا کہ کافروں کے تو نیک اعمال بھی برباد اور مسلمانوں کے گناہ بھی معاف؟...... کیا یہ ظلم نہیں؟......

تیسری آیت میں سمجھادیا کہ اس میں کوئی ظلم نہیں ہے بلکہ کافروں نے راستہ ہی غلط منتخب کیا وہ باطل کے راستے پر چلے اور یہ راستہ ناکامی کی طرف جاتا ہے۔ جبکہ ایمان والوں نے اپنے رب کا برحق راستہ اختیار کیا تو وہ اس راستے کی منزل یعنی کامیابی تک پہنچ گئے۔

❶ اور یہ جو مؤمنین کی خوشحالی اور کفار کی بدحالی بیان کی گئی اس وجہ سے ہے کہ کافر تو غلط رستہ پر چلے اور اہل ایمان صحیح رستہ پر چلے جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے اور غلط رستہ کا موجبِ ناکامی ہونا اور صحیح رستہ کا سببِ کامیابی ہونا ظاہر (یعنی واضح) ہے اس لیے وہ ناکام ہوئے اور یہ کامیاب ہوئے۔" (بیان القرآن)

❷ کافروں کے اعمال کا برباد ہونا اور مسلمانوں کے گناہوں کا معاف اور احوال کا اچھا ہونا اس لیے ہے کہ کافروں نے شیطان کی پیروی کی اور ایمان والوں نے قرآن پاک کی اتباع کی۔

ای ذلك الامر وهو اضلال اعمال احد الفريقين وتكفير سيئات الثاني والاصلاح كائن بسبب اتباع هؤلاء الباطل وهو الشيطان وهؤلاء الحق وهو القرآن۔ (المدارك)

❸ پھر فرماتا ہے کہ کافروں کے لیے ایسا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے کے لیے ایسا کیوں تجویز ہوا؟ اس لیے کہ کافروں نے باطل اور غلط کا اتباع کیا جس کا نتیجہ خسارۂ دارین ہے اور ایمان داروں نے سچ کا اتباع کیا جس کا ثمرہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بات کھول دی ہے۔" (تفسیر حقانی)

یہ فرق اس واسطے ہے کہ کافر باطل پرست ہیں اور مؤمن حق پرست ہیں (حضرت لاہوریؒ)

کافر باطل پرست ہیں، غلط راستے پر ہیں، اسلام سے روکنے والے ہیں، کفر اور فساد پھیلانے والے ہیں تو ایسے لوگوں کی قوت کو توڑنا کس قدر ضروری ہے، اس کے لیے آگے جہاد کا حکم آتا ہے۔

ہر کوئی عبرت حاصل کرے

آخری جملے میں ارشاد فرمایا: كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَهُمۡ

اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کے احوال اور مثالیں بیان فرماتا ہے۔

ای احوال الفريقين المؤمنين والكافرين واوصافهما۔ (روح المعانی)

ایمان والے حق پر ہیں اور کافر باطل پر ہیں۔ ایمان والے کامیاب ہیں اور کافر ناکام ہیں۔ کافروں کے اعمال باطل ہیں اور ایمان والوں کے گناہ معاف اور اعمال مقبول ہیں۔ یہ سب کچھ لوگوں کے لیے بیان کیا جاتا ہے تاکہ وہ

عبرت حاصل کریں۔

لاجل الناس لیعتبروا بهم (البحر المحیط)

''یعنی اس طرح کھول کھول کر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے بھلے برے احوال پر متنبہ کرتا ہے تا (کہ) باطل پرستی کی نحوست وشامت اور حق پرستی کی برکت ان کے پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔'' (تفسیر عثمانی)

جہاد وہی انسان کر سکتا ہے جس کے دل میں ایمان اور اسلام کی عظمت پوری طرح راسخ ہو اور اس کے دل میں کفر کے لیے مکمل نفرت اور بے زاری ہو۔ اسلام انسانیت کے لیے کتنا ضروری اور مفید ہے اور کفر انسانیت کے لیے کتنا نقصان دہ اور تباہ کن ہے اس بات کو دل میں بٹھائے بغیر جہاد کا مسئلہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اللہ پاک نے کافروں کی ناکامی اور ایمان والوں کی کامیابی کے احوال کھول کھول کر بیان فرما دیئے تا کہ ہر انسان ایمان اور کفر کی حقیقت کو سمجھ لے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سورۃ محمد کی ابتداء میں ایک پرعظمت اعلان

''اس سورۃ کی ابتداء ایک عجیب اور پرعظمت اعلان سے ہو رہی ہے کہ کافر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں جن کا مقصدِ زندگی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا ہے اور دعوت محمدیہ ﷺ کا مقابلہ کرنا ہے، ان کے اعمال برباد ہیں، اس کے بعد مسلمانوں کو جہاد وقتال کا حکم ہے۔'' (معارف القرآن کاندھلویؒ)

یعنی پہلی آیت میں فرمایا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ بنیاد ہے اس بات کی کہ کافر اسلام دشمنی پر اترے ہوئے ہیں، پھر چوتھی آیت میں ان سے قتال کا حکم ہے۔

ان آیات کا غزوۂ بدر سے تعلق

بعض مفسرین کرام ان آیات کو غزوۂ بدر سے جوڑتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ آیات غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئیں۔ وقیل: نزلت هذه الآية ببدر (البحر المحیط)

وان الاشارة بقوله: اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ الی الاتفاق الذی اتفقوه فی سفرهم الی بدر (البحر المحیط)

قال: المعنیٰ ابطل جلّ وعلا ما عملوه من الکید لرسول الله صلی الله علیه وسلم کالانفاق الذی انفقوه فی سفرهم الی محاربته علیه الصلوٰة والسلام وغیره بنصر رسوله ﷺ واظهار دینه علی الدین کله، ولعله اوفق بما بعده وکذا بما قیل ان الآیة نزلت ببدر. (روح المعانی)

اس سورۃ کی پہلی آیت کے بارے میں یہ قول ہے کہ وہ غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ شان نزول کے اعتبار سے ایسا ہو سکتا ہے مگر الفاظ اور حکم عام ہے اور غزوہ بدر کو قرآن پاک جگہ جگہ بطور مثال کے پیش فرماتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۴، ۵، ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ

پس جب تم ان کے مقابل ہو جو کافر ہیں تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خونریزی کر چکو تو ان کی مشکیں

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ

کس لو پھر یا تو اس کے بعد احسان کرو یا تاوان لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے یہی (حکم)

اَوْزَارَهَا ذٰلِکَ وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰکِنْ لِّیَبْلُوَا۠

ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان

بَعْضَکُمْ بِبَعْضٍ وَ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۴﴾

کرنا چاہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال برباد نہیں کرے گا۔

سَیَهْدِیْهِمْ وَ یُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿۵﴾ وَ یُدْخِلُهُمُ الْجَنَّۃَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿۶﴾

جلدی انہیں راہ دکھائے گا اور ان کا حال درست کردے گا۔ اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جسکی حقیقت انہیں بتادی ہے۔

خلاصہ

حق و باطل کا معرکہ تو رہتا ہی ہے، جس وقت مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو پوری مضبوطی اور بہادری سے کام لینا چاہئے، باطل کا زور جب ہی ٹوٹے گا کہ بڑے بڑے شریر مارے جائیں اور ان کے جتھے توڑ دیئے جائیں۔ اس لیے جنگ کے دوران کمزوری، سستی، بزدلی اور توقف اور تردّد کو راہ نہ دو اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو۔ کافی خونریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ جائے (اور ان میں لڑنے کی سکت باقی نہ رہے) اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا ہے۔ قال تعالیٰ:

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ (الانفال ۶۷)

یہ قید و بند ممکن ہے ان کے لیے عبرت اور نصیحت کا کام دے اور مسلمانوں کے پاس رہ کر ان کو اپنی اور تمہاری حالت کے جانچنے اور اسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع فراہم کرے۔ اور وہ لوگ حق و صداقت کا راستہ اختیار کرلیں۔ پھر مصلحت سمجھو تو بغیر کسی معاوضہ کے ان پر احسان کر کے قید سے رہا کردو، اس صورت میں بہت سے افراد ممکن ہے تمہارے احسان اور اچھے اخلاق سے متاثر ہو کر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں۔ اور یہ بھی کر سکتے ہو کہ فدیہ لیکر یا مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں ان قیدیوں کو چھوڑ دو، اس میں بھی کئی طرح کے فائدے ہیں۔ بہر حال ان جنگی قیدیوں کو ان کے وطن کی طرف واپس کرو تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں: ❶ معاوضہ میں

چھوڑنا ❷ یا بلا معاوضہ رہا کرنا۔ ان میں جو صورت امام کے نزدیک زیادہ مفید ہو اس کو اختیار کر سکتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بھی فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اس طرح کی روایات موجود ہیں۔ ہاں اگر قیدیوں کو ان کے وطن کی طرف واپس کرنے میں مصلحت نہ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں: ❶ ذمّی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا ❷ غلام بنالینا ❸ قتل کردینا۔ احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت صرف خاص خاص حالات میں ملتا ہے، جبکہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہو جس کی سزا قتل سے کم نہ ہو، البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا: یعنی یہ جنگ کا اور قتل کرنے کا اور قید و بند کا سلسلہ برابر جاری رہے گا یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے اور جنگ موقوف ہو جائے (اور ایسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ہوگا، مطلب یہ ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا)۔

وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ ان کافروں کو کوئی آسمانی عذاب بھیج کر "عاد" و "ثمود" وغیرہ کی طرح ہلاک کر ڈالے۔ لیکن جہاد و قتال شروع کر کے اس نے بندوں کا امتحان کرنا تھا۔ وہ دیکھتا ہے کہ کتنے مسلمان اللہ تعالیٰ کے نام پر جان و مال قربان کرنے پر تیار ہیں اور کفار میں سے کتنے لوگ ان تنبیہی کاروائیوں سے بیدار ہوتے ہیں اور اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے کہ پہلی قوموں کی طرح ایک دم پکڑ کر مکمل خاتمہ نہیں کر دیتا (اور جہاد کے ذریعہ بعض کافروں کو فوری سزا بھی دیتا ہے)

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہوئے خواہ بظاہر یہاں (اس دنیا میں) کامیاب نظر نہ آتے ہوں لیکن حقیقت میں وہ کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کام ضائع نہیں کرے گا بلکہ انجام کار ان کی محنت ٹھکانے لگائے گا (اور ان کے عمل کا ثواب ان کے لیے قیامت تک بڑھتا رہے گا) ان کو جنت کی طرف راہ دے گا اور آخرت کی تمام منزلوں اور مقامات میں ان کی حالت درست رکھے گا (قبر، حشر، میزان ہر جگہ ان کو خوب سہولت و راحت عطاء فرمائے گا)

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ: یعنی جس جنت کا حال ان کو انبیاء علیہم السلام کی زبان اور اپنے وجدان صحیح سے معلوم ہو چکا تھا اس میں داخل کیے جائیں گے اور وہاں پہنچ کر ہر جنتی اپنے ٹھکانے کو خود بخود پہچان لے گا اس کے دل کی کشش ادھر ہی ہوگی جہاں اس کو رہنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عَرَّفَهَا لَهُمْ کے معنیٰ "طيبها لهم" کے لیے ہیں، یعنی جنت ان کے لیے خوشبوؤں سے مہکا دی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی، تسہیل و اضافہ)

ان تین آیات کے اہم مضامین

❶ ان آیات کا ماقبل سے ربط...... حضرات مفسرین نے یہ ربط بیان کرتے ہوئے عجیب جہادی نکات تحریر فرمائے ہیں۔

❷ اقدامی جہاد کی طرف واضح اشارہ

امام رازیؒ نے لَقِيتُمُ اور فَضَرْبَ الرِّقَابِ سے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے۔

❸ قیدیوں کے احکامات، ائمہ کرام کے اقوال اور ان کے دلائل، امام قرطبیؒ، علامہ آلوسیؒ، امام ابوحیانؒ، امام ابوبکر جصاصؒ اور دیگر مفسرین نے بہت تفصیل سے یہ مسئلہ لکھا ہے۔

❹ جہاد قیامت تک جاری رہے گا...... امام ابن کثیرؒ، امام ابوحیانؒ، امام رازیؒ اور دیگر مفسرین نے حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا کے جملے سے یہ مطلب بیان فرمایا ہے۔

❺ جہاد کی حکمت...... وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُم بِبَعْضٍ کے جملہ سے تمام مفسرین نے بیان فرمائی ہے۔

❻ شہید کے فضائل اور شہداء کے مقامات

❼ مجاہد کی فضیلت...... اگر قرأت قُتِلُوا کی جگہ قَاتَلُوا کی اختیار کی جائے۔

❽ غزوۂ احد کا تذکرہ۔ کیونکہ بعض مفسرین کے نزدیک آیت ۵ میں شہدائے احد کا خاص طور سے بیان ہے۔

❾ شہید کے اعمال ضائع نہیں ہوتے، اس کو رہنمائی ملتی ہے اور اس کی حالت سنوار دی جاتی ہے۔ ان تمام جملوں کے معانی پر حضرات مفسرین نے ایمان افروز عبارتیں لکھی ہیں۔

❿ عَرَّفَهَا لَهُمْ ...... شہداء کو اس جنت میں داخل کیا جائے گا جس جنت کی تعریف ان کے سامنے بیان ہو چکی ہے۔ اس جملے عَرَّفَهَا لَهُمْ کے حضرات مفسرین نے دس سے زائد معانی لکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کوشش کی جائے گی کہ ان تمام مضامین کا خلاصہ اس تالیف میں آ جائے۔

ربط

❶ پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ نجات کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر ہے۔ جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو مانے گا صرف وہی کامیاب ہوگا۔ پس اس جماعت کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی ہے فیاضی اور سخاوت سے کام لینا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نجات کے راستے پر لانے کے لیے جہاد کرنا چاہئے، کیونکہ جہاد کے ذریعہ اسلام کی دعوت کے راستے کی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں، چنانچہ فرمایا فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ

تفسیر حقانی میں ہے:

چونکہ نجات کا دارومدار خدا کے پچھلے (یعنی آخری) فرستادہ (یعنی نبی) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر رکھا گیا ہے اس لیے اس جماعت کو جو اس نبی پر ایمان لائے ہیں فیاضی کرنا چاہئے اور دوسرے بھائیوں کے لیے اس راہ راست کے کانٹوں کو صاف کرنا چاہئے، اس لیے فرماتا ہے فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا الخ کہ جنگ میں جب کافروں سے مٹ بھیڑ ہو جائے جو اس رستہ کے لیے خار (یعنی کانٹے) ہیں اور اس شمع ہدایت کو بجھانا چاہتے ہیں تو ان کی گردنیں مارو، آخر جو ہاتھ لگیں ان کو باندھ لو پھر یا تو احسان کر دو یا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

❷ پچھلی آیات سے ایمان والوں کا مصلح ہونا اور کفار کا مفسد ہونا معلوم ہوتا ہے، اب جہاد کو بیان کیا جارہا ہے جس کا مقصد مصلحین کے ہاتھوں سے مفسدین کے فساد کو دبانا ہے۔ (مفہوم بیان القرآن)

❸ ''آیت مبارکہ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا میں مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں جہاد کا حکم اور کفر وشرک کی طاغوتی طاقتوں کی سرکوبی کی تاکید کی جارہی ہے، ابتداء میں حق اور باطل کا مقابلہ ذکر فرمایا گیا تو ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہی ہے کہ اہل حق اور مؤمنین کو ضروری ہے (یعنی ان پر لازم ہیں) کہ کفر کی شوکت اور غلبہ پامال کرنے کے واسطے جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور کافروں سے خوب مقابلہ اور مقاتلہ کریں اور ان کی گردنیں اڑائیں اور ان مجرمین کا خون بہائیں تا آنکہ ان کی قوت اور حوصلے شکستہ ہو جائیں اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہے۔'' (معارف القرآن کاندھلویؒ)

❹ (پچھلی آیات میں) فرمایا حقیقت یہ ہے کہ کافر لوگ باطل کی پیروی کرتے ہیں جبکہ اہل ایمان حق کے متبع ہیں، حق و باطل کی کشمکش ہمیشہ چلی آرہی ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا (تو ان آیات میں) اللہ تعالیٰ نے جنگ کے قانون اور اس کی حکمت کا تذکرہ فرمایا ہے۔'' (معالم العرفان)

❺ پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اعمال ضائع فرما دیے ہیں۔ انسان کی قیمت اس کے اعمال کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ پس جس کے پاس کوئی عمل نہ ہو وہ تو بے کار اور بے فائدہ ہے (اس چھوٹی سی مکھی کی طرح جو گدھوں کے منہ پر بیٹھتی ہے) پھر اگر وہ بے فائدہ انسان دوسروں کو ایذاء بھی پہنچانے لگے تو اس کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے، چنانچہ اس آیت میں فرمایا گیا کہ ان کی گردنیں مارو کیونکہ ان کے اعمال ضائع ہونے کی وجہ سے ان کی کوئی حرمت باقی نہیں رہی۔

لما بين ان الذين كفروا اضل الله اعمالهم واعتبار الانسان بالعمل ومن لم يكن له عمل فهو همج فان صار مع ذلك يؤذى حسن اعدامه فَإِذَا لَقِيتُمُ بعد ظهور ان لا حرمة لهم بعد ابطال اعمالهم فاضربوا اعناقهم. (تفسیر کبیر)

❻ بعض لوگ اپنے دل کی کمزوری اور ناقص عقل کی وجہ سے کہتے ہیں کہ کسی بھی جاندار کو نہیں مارنا چاہئے اور نہ اس پر کوئی ظلم کرنا چاہئے، ایسے لوگوں کی تردید میں کہا جاتا ہے کہ اعمال کے اچھا یا برا ہونے کا تعلق ان کی ظاہری صورت سے نہیں ہے، بلکہ جو عمل حق کی اتباع میں ہو وہ اچھا ہے اور جو عمل باطل کی پیروی میں ہو وہ برا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی کو قتل کرنے والے کا اجر نمازی اور روزے دار جیسا ہے، پس جب تم کافروں سے لڑو تو انہیں خوب قتل کرو، وہ باطل کے پیروکار ہیں اور تمہیں اس بارے میں کوئی نرمی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ تم ان کو حق کی اتباع کرتے ہوئے قتل کر رہے ہو۔ (سانپ، بچھو اور دیگر موذی جانوروں کو مارنا بھی تو ظاہری طور پر ظلم نظر آتا ہے اور ان موذی جانوروں کے اندر بھی جان ہوتی ہے)۔

ان من الناس من يقول لضعف قلبه وقصور نظره ايلام الحيوان من الظلم والطغيان ولاسيما القتل الذى هو تخريب البنيان فيقال ردّا عليهم: لما كان اعتبار الاعمال باتباع الحق والباطل فمن يقتل فى سبيل الله لتعظيم امر الله لهم من الاجر ما للمصلى وللصائم، فاذا لقيتم الذين كفروا فاقتلو هم ولا تاخذكم بهم رأفة فان ذلك اتباع الحق والاعتبار به لا بصورة الفعل (تفسیرکبیر)

تنبیہ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس آیت کا ماقبل کے ساتھ تین طرح کا ربط بیان کیا ہے، یہاں ان میں سے دو ربط بیان کر دیے گئے ہیں جبکہ ایک ربط اوپر اردو عبارات میں آچکا ہے تو اس کو دوبارہ ذکر نہیں کیا گیا۔

اقدامی جہاد کا بیان

حضرات مفسرین نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں اقدامی جہاد کا حکم ہے کہ مسلمان خود کافروں پر حملہ آور ہوں۔ (اسلامی ترتیب کے مطابق کہ پہلے دعوت ایمان دی جائے پھر جزیہ کی طرف بلایا جائے اور اگر وہ نہ مانیں تو پھر قتال کیا جائے)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

لما ميّز بين الفريقين امر بجهاد الكفار

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں (مسلمانوں اور کافروں) کے درمیان فرق بیان فرمادیا تو ایمان والوں کو کافروں سے لڑنے کا حکم دیا۔ (القرطبی)

یعنی اس آیت میں یہ حکم ہے کہ مسلمان کافروں سے جہاد کریں اس مسئلے کی مزید وضاحت امام رازیؒ نے فرمائی ہے، ملاحظہ کیجئے امام رازیؒ کے کلام کا خلاصہ:

❶ ارشاد فرمایا گیا کہ ان کی گردنیں مارو، اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن صرف اپنا دفاع کرنے والا نہیں بلکہ کافروں کو ختم کرنے والا ہے، کیونکہ اگر صرف حملہ آور سے اپنا دفاع کرنا مقصود ہوتا تو گردنوں پر مارنے کا حکم نہ دیا جاتا جو کہ مکمل ختم کرنے کا حکم ہے، پس اللہ تعالیٰ کے کلام کا مقصد یہی ہے کہ کافروں کو زمین سے ختم کردو اور ان کے وجود سے زمین کو پاک کردو کیونکہ یہ زمین تمہارے لیے مسجد ہے اور مشرکین نجس ہیں پس مسجد کو نجاست سے پاک کیا جاتا ہے۔

❷ فَإِذَا لَقِيتُمُ (جب تم ان سے ٹکراؤ) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حملے کا قصد مسلمانوں کی طرف سے ہے کیونکہ اگر کافروں کی طرف سے ہوتا تو فَإِذَا لَقِيتُمُ کہا جاتا کہ جب وہ تم سے ٹکرائیں اسی لیے دوسری جگہ پر فرمایا وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ کہ انہیں قتل کرو جہاں تم ان کو پاؤ۔

ما الحكمة فى اختيار ضرب الرقبة علىٰ غيرها من الاعضاء نقول فيه: لما بين ان المؤمن ليس يدافع انما هو دافع وذلك ان من يدفع الصائل لا ينبغى ان يقصد اولا مقتله بل

يتدرج ويضرب على غير المقتل فان اندفع فذاك ولا يترقى الى درجة الا هلاك فقال تعالىٰ ليس المقصود الا دفعهم عن وجه الارض وتطهير الارض منهم، وكيف لا والارض لكم مسجد والمشركون نجس والمسجد يطهر من النجاسة (تفسير كبير)

آگے لکھتے ہیں:

وفي قوله لَقِيتُمُ ما ينبئ عن مخالفتهم الصائل لان قوله لَقِيتُمُ يدل علىٰ ان القصد من جانبهم بخلاف قولنا لقيكم ولذلك قال في غير هذا الموضع وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ (تفسير كبير)

جنگی قیدیوں کے احکامات

سورۃ محمد آیت ۴ کا ایک اہم مضمون جنگی قیدیوں کے احکامات کا بیان ہے۔

ارشاد فرمایا: فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً

ترجمہ: تو (قتل سے بچ جانے والے کافروں کو) مضبوط باندھ لو، پھر یا تو اس کے بعد احسان کر دیا تاوان لے لو

حضرات مفسرین نے اس موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے ملاحظہ فرمایئے ان کی تقاریر کا ایک خلاصہ اس عبارت میں:

''اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، اوّل یہ کہ جب قتال کے ذریعہ کفار کی شوکت وقوت ٹوٹ جائے تو اب بجائے قتل کرنے کے ان کو قید کر لیا جائے، پھر ان جنگی قیدیوں کے متعلق مسلمانوں کو دو اختیار دیئے گئے، ایک یہ کہ ان پر احسان کیا جائے، بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے، دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ لیکر چھوڑا جائے۔ یہ حکم بظاہر اس حکم کے خلاف ہے جو سورۂ انفال کی آیت میں گزر چکا ہے جس میں غزوۂ بدر کے قیدیوں کو معاوضہ لیکر چھوڑ دینے کی رائے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ کا عذاب قریب آ گیا تھا اگر یہ عذاب آتا تو اس سے بجز عمر بن خطابؓ اور سعد بن معاذؓ کے کوئی نہ بچتا، کیونکہ انہوں نے فدیہ لیکر چھوڑنے کی رائے سے اختلاف کیا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت انفال نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنا بھی ممنوع کر دیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگا اور سورۂ محمد کی آیت مذکورہ نے ان دونوں چیزوں کو جائز قرار دیا ہے، اس لیے اکثر صحابہ اور ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ سورۂ محمد کی اس آیت نے سورۂ انفال کی آیت کو منسوخ کر دیا، تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حسن اور عطاء اور اکثر صحابہ و جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے ثوری، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی قلت تھی اس لیے "منّ وفداء" کی ممانعت آئی اور پھر جب مسلمانوں کی شوکت و تعداد بڑھ گئی تو سورۂ محمد میں "منّ وفداء" کی اجازت دے دی گئی۔ تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہؒ نے اس کو نقل کر کے یہی

فرمایا ہے کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے، کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس پر عمل فرمایا، اس لیے یہ آیت سورۂ انفال کی آیت کے لیے ناسخ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سورۂ انفال کی آیت غزوۂ بدر کے وقت نازل ہوئی جو ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ہجری غزوۂ حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا ہے وہ سورۂ محمد کی اس آیت مذکورہ کے مطابق ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی آدمی اچانک ''جبل تنعیم'' سے اترے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے خبر پا کر قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زندہ گرفتار کرلیا پھر بلا معاوضہ آزاد کردیا۔ اسی پر سورۂ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مشہور مذہب ان کی ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لیکر آزاد کرنا جائز نہیں (بلکہ غلام بنایا جائے یا قتل کیا جائے کیونکہ آزاد کرنے میں کافروں کو قوت ملے گی) اسی لیے علماء حنفیہ نے سورۂ محمد کی آیت مذکورہ کو منسوخ اور سورۂ انفال کی آیت کو ناسخ قرار دیا ہے مگر تفسیر مظہری نے یہ واضح کردیا کہ سورۂ انفال کی آیت پہلے اور سورۂ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے، اس لئے وہی ناسخ اور انفال کی آیت منسوخ ہے اور امام اعظم کا مختار مذہب بھی جمہور صحابہ وفقہاء کے مطابق آزاد کردینے کے جواز کا نقل کیا ہے جبکہ مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہو، اور فرمایا کہ یہی اصح اور مختار ہے، علمائے حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں اسی طرف مائل ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قدوری اور ہدایہ کی روایت کے مطابق امام اعظم کے نزدیک قیدیوں کو فدیہ لیکر آزاد نہیں کیا جاسکتا اور یہ ایک روایت ہے امام ابو حنیفہؒ سے، مگر انہی سے دوسری روایت سیر کبیر میں جمہور کے قول کے مطابق جواز کی منقول ہے اور یہی ان دو روایتوں میں اظہر ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں اسی کو ابو حنیفہؒ کا مذہب قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ محمد اور سورۂ انفال کی دونوں آیتیں جمہور صحابہ وائمہ کے نزدیک منسوخ نہیں، مسلمانوں کے حالات اور ضرورت کے مطابق امام المسلمین کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس صورت کو مناسب سمجھے اختیار کرلے۔ قرطبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا ہے اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لیکر چھوڑا گیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کردیا گیا۔ فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے بدلے میں مسلمان قیدی آزاد کرالیے جائیں اور یہ بھی کہ ان سے کچھ مال لیکر چھوڑا جائے، دونوں قسم کی صورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہیں، اس تفصیل کو نقل کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں جن آیتوں کو ناسخ منسوخ کہا گیا درحقیقت وہ سب محکم ہیں، ان میں سے کوئی منسوخ نہیں، اس لیے کہ جب کفار قید ہو کر ہمارے قبضے میں آئیں تو امام المسلمین کو چار چیزوں کا اختیار ہے کہ مناسب سمجھے تو قتل کردے اور مصلحت مسلمانوں کی سمجھے تو ان کو غلام اور لونڈی بنالے اور

فدیہ لیکر چھوڑنے میں مصلحت ہو تو فدیہ مال کا یا مسلمان قیدیوں کا لیکر چھوڑ دے یا بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کردے، قرطبی نے یہ تفصیل نقل کرکے لکھا ہے:

وھذا القول یروی من اھل المدینۃ والشافعی وابی عبید و حکاہ الطحاوی مذھبا عن ابی حنیفۃ والمشھور ماقدمناہ (قرطبی ص۲۲۸ ج۱)

مذکورۃ الصدر تقریر سے واضح ہوگیا کہ جنگی قیدیوں کے قتل اور استرقاق یعنی غلام بنالینے کا جو امام المسلمین کو اختیار ہے اس پر تو تمام امت کا اجماع ہے اور فدیہ لیکر یا بلا معاوضہ آزاد کرنے میں اگرچہ کچھ اختلافات ہیں مگر جمہور کے نزدیک یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

اسلام میں غلامی کی بحث

ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد قتل یا غلام بنانے کی اجازت منسوخ کردی گئی ہے، ورنہ اگر غلام بنانے کا حکم منسوخ ہوگیا ہوتا تو قرآن وحدیث میں کسی ایک جگہ تو اس کی ممانعت مذکور ہوتی، اور اگر یہ آیت ہی ممانعت کے قائم مقام تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن وحدیث پر جان دینے والے صحابہ کرامؓ نے بے شمار غزوات میں جنگی قیدیوں کو غلام کیوں بنایا؟ روایات حدیث وتاریخ میں غلام بنانے کا ذکر اس کثرت اور معنوی تواتر کے ساتھ آیا ہے کہ اس کا انکار مکابرہ (یعنی ضد بازی اور سینہ زوری) کے سوا کچھ نہیں۔ رہا یہ اشکال کہ اسلام، جو حقوق انسانیت کا سب سے بڑا محافظ ہے، اس نے غلامی کی اجازت کیوں دی؟ سو در حقیقت یہ اشکال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کی جائز کی ہوئی غلامی کو دیگر مذاہب واقوام کی غلامی پر قیاس کرلیا گیا ہے، حالانکہ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق عطاء کیے اور معاشرے میں ان کو جو مقام دیا اس کے بعد وہ صرف نام کی غلامی رہ گئی ورنہ حقیقت میں وہ بھائی چارہ بن گیا، اور اگر اس کی حقیقت اور روح پر نظر کی جائے تو بہت سی صورتوں میں جنگی قیدیوں کے ساتھ اس سے بہتر سلوک ممکن نہیں، مشہور مستشرق موسیو گستاؤ لیبان اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے:

”غلام کا لفظ جب کسی ایسے یورپین شخص کے سامنے بولا جاتا ہے جو تیس سال کے دوران لکھی ہوئی امریکی روایتوں کو پڑھنے کا عادی ہے تو اس کے دل میں ان مسکینوں کا تصور آجاتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، ان کے گلوں میں طوق پڑے ہیں اور انہیں کوڑے مار مار کر ہنکایا جارہا ہے، ان کی غذا ان کی سد رمق کے لیے بھی کافی نہیں اور انہیں رہنے کے لیے تاریک کوٹھڑیوں کے سوا کچھ میسر نہیں، مجھے یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ تصویر کس حد تک درست ہے اور انگریزوں نے چند سالوں سے امریکہ میں جو کچھ کیا ہے یہ باتیں اس پر صادق آتی ہیں یا نہیں؟ لیکن یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اہل اسلام کے یہاں غلام کا تصور نصاریٰ کے یہاں غلام کے تصور سے بالکلیہ مختلف ہے“۔

(منقول از دائرہ معارف القرآن لفرید وجدی ص۲۷۹ ج۴ مادہ ”استرقاق“)

حقیقت یہ ہے کہ بہت سی ایسی صورتیں ہوتی ہیں جن میں قیدیوں کو غلام بنانے سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا، کیونکہ اگر غلام نہ بنایا جائے تو تین ہی صورتیں عقلاً ممکن ہیں، یا قتل کر دیا جائے، یا آزاد چھوڑ دیا جائے، یا دائمی قیدی بنا کر رکھا جائے اور بسا اوقات یہ تینوں صورتیں مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں، قتل کرنا اس لیے مناسب نہیں ہوتا کہ قیدی اچھی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے، آزاد چھوڑ دینے میں بعض مرتبہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ دارالحرب میں پہنچ کر وہ مسلمانوں کے لیے دوبارہ عظیم خطرہ بن جائے، اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں، یا تو اسے دائمی قیدی بنا کر آ جکل کی طرح کسی الگ تھلگ جزیرے میں ڈال دیا جائے، یا پھر غلام بنا کر اس کی صلاحیتوں سے کام لیا جائے اور اسکے حقوق کی پوری نگہداشت کی جائے، ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ ان میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟ بالخصوص جبکہ غلاموں کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر وہ ہے جو ایک معروف حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفاظ ذیل بیان فرمایا ہے:

اخوانکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن کان اخوه تحت یدیه فلیطعمه مما یاکل ولیلبسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه، فان کلفه ما یغلبه فلیعنه (بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ)

ترجمہ: تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے زیر دست (یعنی تمہارے اختیار میں) کر دیا ہے، پس جس کا بھائی اس کے زیر دست ہو اسے چاہئے کہ اس کو بھی اسی میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسی میں سے پہنائے جسے وہ خود پہنتا ہے اور اس کو ایسے کام کی زحمت نہ دے جو اس کے لیے ناقابل برداشت ہو اور اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے تو خود بھی اس کی مدد کرے۔

معاشرتی اور تمدّنی حقوق کے اعتبار سے اسلام نے غلاموں کو جو مرتبہ عطاء کیا وہ آزاد افراد کے قریب قریب مساوی ہے، چنانچہ دوسری اقوام کے برخلاف اسلام نے غلاموں کو نکاح کی نہ صرف اجازت دی بلکہ آقاؤں کو وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ والی آیت کے ذریعہ اس کی تاکید کی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ آزاد عورتوں سے بھی نکاح کر سکتا ہے، مال غنیمت میں اس کا حصہ آزاد مجاہدین کے برابر ہے اور دشمن کو امان دینے میں اس کا قول اسی طرح معتبر ہے جس طرح آزاد افراد کا، قرآن و حدیث میں ان کے ساتھ حسن سلوک کے اتنے احکام آئے ہیں کہ ان کو جمع کرنے سے ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے، یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے جو الفاظ آخری وقت تک زبان مبارک پر جاری تھے اور جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالق حقیقی سے جا ملے، وہ یہ الفاظ تھے:

الصلوٰۃ الصلوٰۃ اتقو الله فیما ملکت ایمانکم

ترجمہ: نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو، اپنے زیر دست غلاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ (ابوداؤد، باب فی حق المملوک)

غلاموں کے لیے تعلیم وتربیت کے جو مواقع اسلام نے فراہم کیے ہیں ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں اسلامی سلطنت کے تقریباً تمام صوبوں میں علم وفضل کے مرجع اعلیٰ سب کے سب غلاموں میں سے تھے، جس کا واقعہ متعدد کتب تاریخ میں مذکور ہے، پھر غلاموں کو آزاد کرنے کے اتنے فضائل قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں کہ شاید ہی کوئی نیکی اس کی ہمسری کر سکے، مختلف فقہی احکام میں غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈے گئے ہیں، کفارۂ صوم، کفارۂ قتل، کفارۂ ظہار، کفارۂ یمین ان تمام صورتوں میں سب سے پہلا حکم یہ مذکور ہے کہ کوئی غلام آزاد کیا جائے، یہاں تک کہ حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے غلام کو ناحق تھپڑ مار دیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے (صحیح مسلم، باب صحبۃ الممالیک)

چنانچہ صحابہ کرامؓ جس کثرت کے ساتھ غلام آزاد کیا کرتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ "صاحب نجم الوہاج" نے بعض صحابہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی یہ تعداد نقل کی ہے:

حضرت عائشہؓ **۶۹** حضرت عباسؓ **۷۰** حضرت حکیم بن حزامؓ **۱۰۰** حضرت عبداللہ بن عمرؓ **۱۰۰۰**

حضرت عثمان غنیؓ **۲۰** حضرت ذوالکلاع حمیریؓ **۸۰۰۰** ایک دن میں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ **۳۰،۰۰۰**

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سات صحابہ کرامؓ نے انتالیس ہزار دو سو انسٹھ غلام آزاد کیے اور ظاہر ہے کہ دوسرے ہزاروں صحابہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد اس سے کہیں زائد ہوگی، غرض اسلام نے غلامی کے نظام میں جو ہمہ گیر اصلاحات کیں جو شخص بھی انہیں بنظر انصاف دیکھے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسے دوسری اقوام کے احکام غلامی پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے اور ان اصلاحات کے بعد جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت ان پر ایک عظیم احسان بن گئی ہے۔" (معارف القرآن)

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

و حکم اساری المشرکین عندنا القتل او الاسترقاق، والمن والفداء المذکوران فی الآیۃ منسوخ بقولہ فاقتلوا المشرکین (التوبۃ ۵) لان سورۃ "براءۃ" من آخر ما نزل وعن مجاھد: لیس الیوم من ولا فداء انما ھو الاسلام، أو ضرب العنق. أو المراد بالمن ان یمن علیھم بترک القتل ویسترقوا او یمن علیھم فیخلوا لقبولھم الجزیۃ وبالفداء ان یفادی باسراھم اساری المسلمین فقد رواہ الطحاوی مذھبا عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وھو قولھما والمشھور انہ لا یری فداءھم لا بمال ولا بغیرہ لئلا یعودوا حربا علینا وعند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: للامام ان یختار احد الامور الاربعۃ: القتل والاسترقاق والفداء بأساری المسلمین والمن۔ (المدارک)

یہ عبارت نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قتل اور غلام بنانا بھی قرآن پاک سے ثابت ہے پس ان تاویلات کی ضرورت نہیں جو امام رازیؒ نے تحریر فرمائی ہیں اور بعض اردو تفسیروں میں بھی ان کو نقل کیا گیا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

جہاد قیامت تک جاری رہے گا

ارشاد فرمایا: حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا

یعنی کافروں کو مارنے اور پکڑنے کا یہ سلسلہ جاری رکھو یہاں تک کہ لڑائی کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے اور مشرکوں کا زور ٹوٹ جائے تو جنگ ہی کا خاتمہ ہو جائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ایسا ہو جائے گا۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر جنگ کرتا رہے گا، اپنے مقابل لوگوں پر غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال مسیح سے جنگ کرے گا (رواہ ابوداؤد) بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے جہاد جاری ہے یہاں تک کہ میری امت کا آخری شخص دجال سے لڑے گا۔ (مظہری)!

ملاحظہ فرمائیے آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے اقوال:

❶ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے)

امام مجاہدؒ فرماتے ہیں: (کہ مطلب یہ ہے کہ جہاد کا سلسلہ جاری رہے گا) یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول ہو جائے۔ امام مجاہدؒ نے گویا کہ اس حدیث شریف سے یہ تفسیر سمجھی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق حتى يقاتل آخرهم الدجال

یعنی میری امت کی ایک جماعت برابر حق پر ظاہر رہے گی یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال سے قتال کرے گا۔ اور مسند احمد اور نسائی کی روایت ہے کہ حضرت سلمۃ بن نفیل رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا ہے اور اسلحہ رکھ دیا ہے اور جنگ نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے ہیں اور میں نے کہہ دیا ہے کہ اب قتال ہے ہی نہیں تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اب قتال آچکا ہے میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ لوگوں پر ظاہر رہے گی اور جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے یہ ان سے لڑیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان سے روزی عطاء فرمائے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (یعنی قیامت کا وقت) آجائے گا اور وہ اسی حالت پر ہوں گے خوب سن لو کہ مسلمانوں کی زمین شام میں ہے اور گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت کے دن تک خیر رکھ دی گئی ہے۔

اور امام قتادۃؒ فرماتے ہیں کہ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا کا مطلب یہ ہے کہ شرک باقی نہ رہے اور اس

آیت کا مفہوم دوسری آیت وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ جیسا ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

❷ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا

یہاں تک کہ جنگ اپنے وہ ہتھیار اور آلات رکھ دے جو جنگ کے لیے ضروری ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اوزار کا معنیٰ ہے گناہ۔ یعنی جنگ کرنے والے مشرکین اپنے گناہ یعنی شرک سے باز آجائیں۔(المدارک)

❸ یہ جملہ بطور استعارہ کے ہے کہ ہمیشہ لڑتے رہو کیونکہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ کبھی ختم نہیں ہوتی، یہ جملہ اسی طرح ہے کہ کوئی کہے میں یہ کام قیامت تک کرتا رہوں گا تو مراد یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ یہ ابن عطیہؒ کا قول ہے۔

وقال ابن عطية: وظاهر اللفظ انها استعارة يراد بها التزام الامر ابدا، وذلك ان الحرب بين المؤمنين والكافرين لا يضع اوزارها، فجاء هذه كما تقول انا افعل كذا وكذا الى يوم القيمة فانما تريد ان تفعله دائما۔ (البحر المحيط)

امام ابوحیانؒ نے باہم ملتے جلتے اور بھی کئی اقوال لکھے ہیں:

وقيل: الاوزار هنا الآثام، لان الحرب لابدّ ان يكون فيها آثام فى احد الجانبين وهذه الغاية قال مجاهد: حتى ينزل عيسىٰ ابن مريم وقال قتادة: حتى يسلم الجميع وقيل: حتى تقتلوهم (البحر المحيط)

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

❹ وہ کونسا وقت ہوگا جب جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے گی؟ ہم کہتے ہیں اس میں کئی اقوال ہیں جن سب کا حاصل یہ ہے کہ یہ وہ وقت ہوگا جب کافروں کی کوئی جماعت ایسی نہیں رہے گی جو مسلمانوں سے لڑ سکے، کہا جاتا ہے کہ ایسا دجال کے قتل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا۔(تفسیر کبیر)

❺ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا یہاں تک کہ جنگ کرنے والے اپنے ہتھیار رکھ دیں اور وہ اس طرح کہ یا تو اسلام قبول کرلیں یا مسلمانوں کو جزیہ دینا منظور کرلیں ان دو چیزوں کے حاصل ہونے تک قتل اور قید کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اى اهلها اَوْزَارَهَا اثقالها، من السلاح وغيره بان يسلم الكفار، او يدخلوا فى العهد وهذه غاية للقتل والأسر (جلالين)

حضرت تھانویؒ نے بھی یہی تفسیر اختیار فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں:

"یہ قید اور قتل جس کے بعد من وفداء جائز ہے اس وقت تک ہے جب تک لڑنے والے دشمن اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں، مراد اس سے اسلام اور استسلام میں سے کسی امر کا قبول کرنا ہے، پس اگر قتل اور قید سے پہلے اسلام لے آویں یا ذمی ہونا قبول کریں تو اب نہ قتل جائز ہے اور نہ قید جائز ہے" (بیان القرآن)

جہاد کی حکمت

ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ

ترجمہ: ''یہی (حکم) ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے''

ذٰلِكَ یعنی ان کافروں کے متعلق حکم یہی ہے (مبتداء محذوف ہے) یا کافروں کے ساتھ ایسا ہی کرو (فعل محذوف ہے)۔ (مظہری)

❶ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کافروں سے انتقام لے لیتا، تمہارے جہاد کے بغیر ان کو ہلاک کر دیتا لیکن اس نے تم کو جنگ اور قتال کا حکم دیا تا کہ کافروں سے جنگ کرا کے مؤمنوں کی جانچ کر لے اور وہ مؤمن جہاد کر کے ثواب کے مستحق ہو جائیں اور مؤمنوں سے جنگ کرا کے کافروں کی جانچ کر لے اور مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو سزا دے تا کہ کچھ لوگ کفر سے باز آ جائیں اور بعض لوگ کفر پر قائم رہ کر جہنم کے مستحق قرار پائیں۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چہ کافروں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن اس نے جو جہاد کا حکم دیا یہ حکم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے اور مصلحت یہ ہے کہ مؤمنوں اور کافروں کی جانچ ہو جائے۔ (مظہری)

❷ اللہ تعالیٰ خود کافروں کو ہلاک فرما سکتا ہے مگر جہاد کا حکم اس لیے دیا تا کہ مسلمان اس پر عمل کر کے اونچا مقام حاصل کر سکیں۔

ای ولکن لیکلفکم فیحصل لکم شرف باختیارہ ایاکم لھذا الامر (تفسیر کبیر)

❸ جہاد کا حکم اس لیے دیا کہ ایمان والوں میں مخلص اور غیر مخلص کی چھانٹی ہو جائے اور کافروں کا خاتمہ ہو جائے۔

لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ای المؤمنین بالکافرین تمحیصاً للمؤمنین وتمحیقاً للکافرین (المدارک)

❹ اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تا کہ ایمان والوں کا کافروں سے لڑنے کے ذریعہ امتحان ہو جائے پس وہ جہاد کر کے اجر حاصل کریں اور زمانے کے صفحات پر ان کی عظمت ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جائے اور کافروں کا امتحان ہو جائے کہ ان میں سے بعض کو اپنی سزا کا کچھ حصہ دنیا میں مل جائے اور باقی لوگ دوسروں سے عبرت پکڑ کر اسلام کی طرف مائل ہوں۔

ولکن یجاھدوھم فینالوا الثواب ویخلد فی صحف الدھر مالھم من الفضل الجسیم والکافرین بالمؤمنین بان یعالجھم عزّ وجل ببعض انتقامه سبحانه فیتعظ به بعض منھم ویکون سببا لاسلامه (روح المعانی)

حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

لیکن تم کو جہاد کرنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ تم میں ایک کا دوسرے کے ذریعہ سے امتحان کرے۔ مسلمانوں کا امتحان یہ کہ کون حکم الٰہی کو جان پر ترجیح دیتا ہے اور کفار کا امتحان یہ کہ اس عقوبت سے متنبہ ہوکر کون حق کو قبول کرتا ہے، پس اسی حکمت کے لیے بھی جہاد کو مشروع کیا گیا“ (بیان القرآن)

یعنی جہاد کو مشروع کرنے میں حکمتیں اور بھی ہیں ان حکمتوں میں سے ایک یہ حکمت ہے جو اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے۔

❺ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں کفار سے جہاد وقتال کی مشروعیت درحقیقت ایک رحمت ہے، کیونکہ وہ آسمانی عذابوں کے قائم مقام ہے، کیونکہ کفر وشرک اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی، امت محمدیہ میں بھی ایسا ہوسکتا تھا، مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس امت کو ایسے عام عذابوں سے بچالیا گیا، اس کے قائم مقام جہاد شرعی کو کردیا گیا جس میں بہ نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ عذاب عام میں پوری قومیں مرد، عورت، بچے بھی تباہ ہوتے ہیں اور جہاد میں عورتیں بچے تو مأمون ہیں ہی، مرد بھی صرف وہی اس کی زد میں آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کرنے والوں کے مقابلہ پر قتال کے لیے آ کھڑے ہوں، پھر اس میں بھی سب مقتول نہیں ہوتے، ان میں بہت سے لوگوں کو اسلام وایمان کی توفیق نصیب ہوجاتی ہے۔ نیز جہاد کی مشروعیت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد وقتال کے دونوں فریق، مسلمان اور کافر کا امتحان ہوجاتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی جان ومال نثار کرنے کو تیار ہوجاتا ہے اور کون سرکشی اور کفر پر جما رہتا ہے یا اسلام کے روشن دلائل (اور جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت کو) دیکھ کر اسلام قبول کرلیتا ہے۔ (معارف القرآن)

فائدہ

آیت مبارکہ کے اس حصے پر اور حضرات مفسرین کی عبارتوں میں غور فرمائیں اور دیکھیں کہ وہ مسلمان جو جہاد کے قریب بھی نہیں پھٹکتے بلکہ جہاد کی مخالفت کرتے ہیں وہ ایمان کے اس امتحان میں کس مقام پر کھڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

شہداء کی فضیلت

آگے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال برباد نہیں کرے گا۔

حضرات مفسرین کرام نے آیت مبارکہ کے اس حصے کی تفسیر میں حضرات شہداء کرام کے کچھ فضائل بیان

فرمائے ہیں، پہلے ملاحظہ فرمائیے چند عبارتیں اس کے بعد انشاء اللہ فضائل شہداء کا ایک جامع خلاصہ پیش خدمت کیا جائے گا۔

❶ ''پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ان کے اعمال ضائع نہ فرمائے گا۔ اس میں یہ بتادیا کہ جہاد میں امتحان کی حکمت کے ساتھ ساتھ تمہارا فائدہ بھی ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہوجاؤ گے تو یہ صرف امتحان کی کامیابی تک محدود نہیں رہے گا بلکہ تمہارے اعمال کے عوض بڑے بڑے انعامات ملیں گے، شہادت کا درجہ عطاء کیا جائے گا'' (انوار البیان)

❷ ''اور جو لوگ جہاد کے دوران اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ضائع نہیں کرے گا۔ اس لیے اگر کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوجائیں تو یہ نہ سمجھیں کہ ان کی جان ضائع ہوگئی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا بہترین اور اعلیٰ عوض حاصل کرلیا۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

❸ ''مجاہدین جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جائیں، (زندگی میں) گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے اچھے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ گناہوں کو ساقط کردے گا اور نیکیوں کا ثواب دے گا'' (مظہری)

اس کے بعد مصنفؒ نے شہداء کرام کی فضیلت پر ایک طویل حدیث شریف نقل فرمائی ہے، طلبہ علم ملاحظہ فرمالیں۔

❹ ''شروع سورۃ میں ذکر تھا کہ جو لوگ کفر وشرک پر جمع ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے نیک اعمال کو بھی اکارت اور ضائع کردیا یعنی صدقہ، خیرات اور رفاہ عام کے نیک کام جو وہ کرتے ہیں کفر وشرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں، اس کے بالمقابل اس آیت میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں ان کے اعمال ضائع نہیں ہوتے یعنی اگر انہوں نے کچھ گناہ بھی کیے ہوں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کے نیک اعمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بسا اوقات ان کے نیک اعمال ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں'' (معارف القرآن)

❺ امام ابن کثیرؒ نے آیت مبارکہ کے اس حصے پر مفصل تقریر فرمائی ہے، اور کئی احادیث اور روایات کے ذریعہ شہید کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ شہید کے عمل کو ضائع نہیں فرمائے گا بلکہ اس عمل کو بڑھاتا جائے گا، اس میں اضافہ فرمائے گا اور اسے کئی گنا زیادہ کردے گا اور شہداء میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کا عمل ان کی پوری برزخی زندگی میں جاری رہے گا اور شہادت کے بعد بھی ان کو جہاد کرنے کا اجر ملتا رہے گا اور قیامت تک ان کا اجر بڑھتا رہے گا۔

ثم لما كان من شأن القتال ان يقتل كثير من المؤمنين قال وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ اى لن يذهبها بل يكثرها وينميها ويضاعفها ومنهم من يجرى عليه عمله فى طول برزخه كما ورد بذلك الحديث الخ" (ابن كثير)

❻ امام رازیؒ نے اس آیت مبارکہ پر عجیب نکتے تحریر فرمائے ہیں ملاحظہ فرمائیے ان کے کلام کا خلاصہ:

● آیت مبارکہ کے اس حصے کا تعلق فَضَرْبَ الرِّقَابِ سے بھی ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَضَرْبَ الرِّقَابِ یعنی ان کافروں کو قتل کرو، اب جو آدمی کسی کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے تو خود اس کے مقتول ہو جانے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے اور یہ اندیشہ اسے آگے بڑھنے سے روک سکتا تھا تو فرمایا کہ ڈرو نہیں اگر تم جہاد میں شہید ہو گئے تو تمہیں جہاد وقتال کا پورا ثواب اور اجر مل جائے گا۔ چنانچہ اس بات کا یقین آتے ہی آگے بڑھنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر قتال کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

● آیت کے اس حصے کا تعلق لِيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ سے بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاد میں تمہارا امتحان لینا چاہتا ہے مگر اس امتحان میں ہر حال میں کامیابی ہے پس اگر تم مارے گئے تو تمہیں کامیابی اور جنت ملے گی اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر وہ کافروں کو مارے گا تو بھی امتحان میں کامیاب ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ جب ظاہری ناکامی یعنی مقتول ہونے کی صورت میں کامیابی ہے تو پھر قاتل ہونے کی صورت میں کامیابی تو بالکل واضح بات ہے۔

● آیت کے اس حصے کا تعلق لِيَبْلُوَا۟ سے ہو سکتا ہے اور یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ کسی بھی قیمتی چیز کی آزمائش اس طرح سے نہیں کی جاتی کہ وہ چیز خود ہی ختم ہو جائے، مثلاً بہترین تلوار کی آزمائش اس طرح نہیں کی جاتی کہ اسے کسی سخت چٹان وغیرہ پر مارا جائے کہ جس سے وہ تلوار ہی ٹوٹ جائے تو پھر انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے بہت عزت اور مقام عطاء فرمایا ہے تو اس کی آزمائش جہاد کے ذریعہ کس طرح سے کی جا رہی ہے حالانکہ جہاد میں انسان کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے؟ اس آیت مبارکہ نے جواب دے دیا کہ جہاد میں مقتول ہو جانا مسلمان کے لیے ہلاکت نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی پانے کا ذریعہ ہے، موت نے تو ہر حال میں اپنے وقت پر آنا ہے اگر بغیر شہادت کے آئے گی تو یہ بڑے اجر سے محروم رہے گا۔

فنقول القتل ليس باهلاك بالنسبة الى المؤمن فانه يورث الحياة الابدية فاذا ابتلاه بالقتال فهو علىٰ تقدير ان يقتل مكرم وعلى تقدير ان لا يقتل مكرم هذا ان قاتل وان لم يقاتل، فالموت لا بدمنه وقد فوت علىٰ نفسه الاجر الكبير.

یعنی جہاد میں شہادت مؤمن کے لیے ہلاکت نہیں بلکہ حیاۃ ابدی ہے، اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ذریعہ اس کا امتحان لیا ہے اب یہ جہاد کرتے ہوئے مارا جائے یا نہ مارا جائے ہر حال میں اس کے لیے اکرام ہے (کیونکہ وہ امتحان میں پورا اترا) اور اگر یہ جہاد نہ کرے تب بھی موت تو ضرور آئے گی البتہ اجر عظیم سے محروم رہے گا۔ (تفسیر کبیر)

فائدہ

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ اور شہداء کے بارے میں فرمایا فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ کافر کے لیے ماضی کا صیغہ لانے میں اشارہ ہے کہ اس کا عمل گویا کہ وجود ہی میں نہیں آیا بلکہ شروع سے معدوم ہے جبکہ مؤمن کے لیے مضارع کا صیغہ لایا کہ اس کا عمل وجود میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے پکا فرما دیتا ہے اور

اس کے عمل کو ہمیشہ بڑھاتا رہتا ہے۔ فَلَنْ يُّضِلَّ للتابید (تفسیر کبیر)

❼ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’اور جہاد میں جیسے قاتل ہونا کامیابی ہے اسی طرح مقتول ہونا بھی ناکامی نہیں ہے، چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی جہاد میں مارے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو جن میں وہ عمل بھی آ گیا جس کی بدولت وہ مارے گئے ہرگز ضائع نہ کرے گا جیسا کہ ظاہراً متوہّم ہو سکتا ہے کہ جب مارا گیا تو اس کے قتال پر کوئی نتیجہ مطلوبہ مرتب نہیں ہوا اور وہ ضائع گیا سو واقع میں ضائع نہیں ہوا کیونکہ اس پر دوسرا نتیجہ جو ظاہری نتیجہ سے بدرجہا فائق (کئی درجے بلند) ہے مرتب ہوا (اس نتیجے کا ذکر آگے آتا ہے سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ الخ) (بیان القرآن)

خلاصہ فضائل شہداء کرام

شہادت ایک خاص، طاقتور، مزیدار اور اونچی زندگی کا نام اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ایک مقام ہے، چنانچہ قرآن پاک کا اعلان ہے کہ

❶ شہید زندہ ہے (البقرۃ ۱۵۴، ال عمران ۱۶۹)

❷ شہید کو مردہ مت کہو (البقرۃ ۱۵۴)

❸ شہید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزی ملتی ہے (ال عمران ۱۶۹)

❹ شہید کو مردہ گمان نہ کرو (ال عمران ۱۶۹)

❺ شہید کے اعمال جاری رہتے ہیں، یعنی شہادت کے بعد بھی اجر ملتا اور بڑھتا رہتا ہے (محمد ۴)

❻ شہید جنت میں داخل ہوتا ہے (محمد ۶)

❼ شہید کے لیے جنت مہکا دی گئی ہے (محمد ۶)

❽ قبر، حشر آخرت کی تمام منازل میں شہید کی رہنمائی کی جاتی ہے (محمد ۵)

❾ شہید بہت خوش ہوتا ہے (ال عمران ۱۷۰)

❿ شہید جشن مناتا ہے (ال عمران ۱۷۱)

⓫ شہید اپنے پیچھے والوں کا خوشی کے ساتھ انتظار کرتا ہے (ال عمران ۱۷۰)

⓬ شہید اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا ہے (الاحزاب ۲۳)

⓭ شہید نے اپنا عہد نباہ لیا، پورا کر دیا (الاحزاب ۲۳)

⓮ شہید کی حالت کو اللہ تعالیٰ سنوارتا ہے (محمد ۵)

⓯ شہید کے لیے ہدایت خاصہ کی نعمت ہے (محمد ۵)

⓰ شہید کے لیے نور ہے (الحدید ۱۹)

⑰ شہید کے لیے مغفرت ہے (ال عمران ۱۵۷)

⑱ شہید کے لیے رحمت ہے (ال عمران ۱۵۷)

⑲ شہید کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں (ال عمران ۱۷۱)

⑳ شہید کے لیے اللہ تعالیٰ کا فضل ہے (ال عمران ۱۷۱)

㉑ شہید خوف اور غم سے آزاد ہے (ال عمران ۱۷۰)

اس اکیس نکاتی فہرست میں کوئی "تکرار" نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے شہید کو جو اونچے اعزازات اور فضائل عطاء فرمائے ہیں یہ اکیس عنوانات ان اعزازات کو سمجھنے کا دروازہ ہیں، اہل دل اگر ان پر غور فرمائیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے صبح بھی شہادت مانگیں اور رات بھی شہادت، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بار بار شہادت مانگی اور اس کی تمنا فرمائی (صحیح بخاری) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے شہید کے لیے جن اعزازات کا اعلان فرمایا ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

① شہید کو شہادت پر ایسا اعزاز و اکرام ملے گا کہ وہ جنت میں جا کر بھی دنیا میں واپس آنے اور دس بار شہید ہونے کی خواہش کرے گا (بخاری، مسلم، ترمذی)

② شہادت کی موت ساری دنیا کا مالک وحکمران بن جانے سے زیادہ افضل ہے (احمد، نسائی)

③ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتے ساتھ لے گئے اور شہداء کا گھر دکھایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اس سے بہترین اور خوبصورت گھر کبھی نہیں دیکھا (بخاری)

④ شہید پر فرشتوں کا سایہ (بخاری، مسلم)

⑤ شہید کے جنت میں پر اور اس کی پروازیں (طبرانی)

⑥ قرض کے علاوہ شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (مسلم)

⑦ شہید کو موت اور قتل کا درد نہیں ہوتا مگر ایک چونٹی کاٹنے جتنا (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

⑧ شہداء کی روحیں پرندوں میں (ترمذی)

⑨ شہید اپنے خاندان کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا (ابوداؤد، صحیح ابن حبان)

⑩ شہید کے گناہ معاف (ابن حبان)

⑪ شہید جنت کے جس دروازے سے چاہے گا داخل ہوگا (ابن حبان)

⑫ شہید عذاب قبر سے محفوظ (البزاز، البیہقی)

⑬ شہید قیامت کے خوف سے محفوظ (البزاز، البیہقی)

⑭ شہید کے لیے کرامت کا خاص لباس (البزاز، البیہقی)

⑮ شہید کے سر پر وقار اور ہمیشگی کا تاج (البزاز، البیہقی)

⑯ شہید کے لیے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت (البزاز، البیہقی)

⑰ شہید کے لیے عرش کے نیچے نور کا خاص منبر (البزاز، البیہقی)

⑱ شہید بلا حساب جنت میں (طبرانی)

⑲ شہید سے اللہ تعالیٰ ہنسے گا اور جسے یہ نعمت نصیب ہو اس کا کوئی حساب نہیں ہوتا (احمد ابو یعلی)

⑳ شہید کے لیے جنت کے اونچے بالا خانے (احمد)

㉑ شہید کو فرشتوں پر ترجیح دی جائے گی (الاصبہانی)

㉒ شہید کو اللہ تعالیٰ نے سخی قرار دیا (ابو یعلی، البیہقی)

㉓ خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی شہید کی مغفرت (مسند احمد)

㉔ شہید کو زمین پر گرتے ہی جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے (مسند احمد)

㉕ بہتر حوروں سے شہید کی شادی کرائی جاتی ہے (مسند احمد)

㉖ شہید کے لیے یہ فوری انعامات ہیں:

① خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی مغفرت کر دی جاتی ہے ② جنت کا ٹھکانہ اس کو دکھا دیا جاتا ہے ③ عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے ④ ''الفزع الاکبر'' یعنی قیامت کے دن کے بڑے خوف سے اس کو امن دے دیا جاتا ہے ⑤ اس کے سر پر وقار کا ایسا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے ⑥ بہتر حورعین سے اس کا نکاح کرا دیا جاتا ہے ⑦ اپنے اقارب میں ستر افراد کی شفاعت کا اختیار دے دیا جاتا ہے۔ (الترمذی وقال حدیث صحیح غریب)

㉗ شہید کے خون کا قطرہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے (الترمذی)

㉘ شہید کے استقبال کے لیے حورعین زمین پر اترتی ہے (الطبرانی)

㉙ شہید کو اوپر لے جاتے وقت سو جنتی حُلّے (یعنی خاص جوڑے) پہنائے جاتے ہیں (الطبرانی)

㉚ شہید کا خون ابھی خشک نہیں ہوتا کہ اس کی دو بیویاں (حوریں) ایسا لباس لیکر پہنچ جاتی ہیں جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (ابن ماجہ)

㉛ شہید کے اونچے مقام کو قیامت کے دن دوسرے لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے (الترمذی)

㉜ شہداء کے لیے جنت کے دروازے کے پاس نہر کے کنارے ایک قبہ خضراء ہے جہاں صبح شام ان کے لیے خصوصی رزق آتا ہے (احمد، ابن حبان)

㉝ شہید کے لیے جنت میں فردوس اعلیٰ کا مقام ہے (بخاری)

۳۴ شہید کے سر پر تلواروں کی چمک اس کے لیے قبر کے فتنے کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے (نسائی)

۳۵ شہید کا چہرہ سفید، جسم خوشبودار اور روزی وافر (مستدرک حاکم)

۳۶ شہید اللہ تعالیٰ کا محبوب (الطبرانی)

۳۷ شہداء اتنے خوش ہوتے ہیں کہ تمنا کرتے ہیں یا اللہ ہماری حالت کی خبر ہمارے پیچھے والوں تک پہنچادیجئے (ابوداؤد)

۳۸ اللہ تعالیٰ شہداء سے راضی، اور شہداء اللہ تعالیٰ سے راضی (بخاری)

۳۹ جب صور پھونکا جائے گا تو شہداء بے ہوش نہیں ہوں گے (مستدرک حاکم)

۴۰ شہداء قیامت کے دن تلواریں اٹھائے اللہ تعالیٰ کے عرش کے ارد گرد ہوں گے (ابن ابی الدنیا)

احادیث مبارکہ میں شہداء کرام کے اور بھی بہت سے فضائل اور مناقب بیان ہوئے ہیں ان سب کا خلاصہ سمجھنے کے لیے یہ دو روایتیں ملاحظہ فرمائیے:

۱ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نماز کے لیے تشریف لائے، اس وقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے، وہ صاحب جب صف میں پہنچے تو انہوں نے دعاء مانگی:

اللهم أتنى افضل ما تؤتى عبادك الصالحين

اے میرے پروردگار مجھے وہ سب سے افضل چیز عطاء فرما جو آپ اپنے صالح بندوں کو عطاء فرماتے ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل فرما کر دریافت فرمایا ابھی وہ دعاء کس نے مانگی تھی؟ ان صاحب نے عرض کیا میں نے یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تب تو تمہارے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹی جائیں گی اور تم شہید ہوگے۔ (ابن حبان، مستدرک حاکم، قال الحاکم صحیح علی شرط مسلم)

معلوم ہوا کہ ایمان والوں کو جو سب سے اونچی اور افضل نعمت اللہ تعالیٰ عطاء فرماتا ہے وہ شہادت ہے۔

۲ امام قرطبیؒ نے حضرت حسنؒ کی یہ مرسل روایت اپنی تفسیر میں بیان کی ہے:

وروى الحسن قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان فوق كل برّ برّ حتى يبذل العبد دمه فاذا فعل ذلك فلا برّ فوق ذلك. (القرطبى ص ٢٤٤ ج ٨)

یعنی ہر نیکی سے بڑھ کر دوسری نیکی موجود ہے یہاں تک کہ بندہ اپنی جان قربان کردے، پس جب وہ اپنی جان قربان کردے تو اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ اس کے بعد امام قرطبیؒ نے یہ شعر لکھا ہے:

الجود بالماء جود فيه مكرمة
والجود بالنفس اقصىٰ غاية الجود

پانی کی سخاوت کرنا بہت اعزاز والی سخاوت ہے جبکہ جان کی سخاوت کرنا (یعنی جان قربان کردینا) سخاوت کا سب سے آخری اور اونچا مقام ہے۔ (القرطبی)

مجاہدین کی فضیلت

ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ

اس میں ایک قرأۃ قَاتَلُوا کی بھی ہے، اس قرأۃ کے اعتبار سے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرنے والے مجاہدین کی فضیلت کا بیان ہوگا۔

تفسیر حقانی میں ہے:

''جمہور نے قَاتَلُوا پڑھا ہے معروف کا صیغہ اور بعض نے قُتِلُوا مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور بعض نے قَتَلُوا کو معروف کا صیغہ پڑھا ہے، جمہور کی قرأت پر اور اس کو قَتَلُوا معروف کا صیغہ پڑھنے والے کے نزدیک معنی صاف (یعنی واضح) ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے ان کے اعمال ضائع نہ جائیں گے، دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو نیک باتوں کی توفیق وہدایت دے گا اور مرنے کے بعد جنت میں داخل کرے گا''۔ (تفسیر حقانی)

معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینا اپنے اعمال کی حفاظت، ترقی، ہدایت اور جنت پانے کا بہترین ذریعہ ہے، اور اللہ پاک کی رضاء کے لیے کافروں کو قتل کرنا فساد نہیں بلکہ بہت بڑی نیکی ہے ملاحظہ فرمایئے امام رازیؒ کی تقریر کا خلاصہ:

''اگر اسے قَتَلُوا پڑھا جائے (کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ضائع نہیں فرمائے گا) تو اس کا تعلق فَضَرْبَ الرِّقَابِ سے ہوگا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور پھر آیت کے اس حصے میں سمجھا دیا کہ قاتل کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات ہیں، یہ ردّ ہے ان لوگوں پر جو یہ گمان کرتے ہیں کہ قتل کرنا فساد ہے کیونکہ اس میں تکریم والے انسان کو ختم کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ کافر کی تو نیکی بھی برباد ہے جبکہ جہاد میں کافروں کو قتل کرنے والے مسلمان کا عمل ضائع نہیں ہوگا...... اور اگر اسے قَاتَلُوا پڑھا جائے (کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کیا اللہ تعالیٰ ان کا عمل ضائع نہیں فرمائے گا) تو اس میں مجاہد کی زیادہ فضیلت کا بیان ہوگا کیونکہ اس میں ہر وہ مجاہد داخل ہوگا جس نے قتال میں شرکت کی، پھر اس نے کسی کافر کو قتل کیا یا نہ کیا۔

اما من قرأ قَتَلُوا فلأنه لما قال فَضَرْبَ الرِّقَابِ ومعناه فاقتلوهم بين ما للقاتل بقوله وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ردا على من زعم ان القتل فساد محرم اذ هو افناء من هو مكرم، فقال عملهم ليس كحسنة الكافر يبطل بل هو فوق حسنات الكافر، اضل الله اعمال الكفار، ولن يضل القاتلين، فكيف يكون القتل سيئة، واما من قرأ قَاتَلُوا فهو اكثر فائدة واعم تناولا، لانه يدخل فيه من سعى فى القتل سواء قتل او لم يقتل (تفسیرکبیر)

غزوۂ احد کی طرف اشارہ

بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت مبارکہ کا ابتدائی نزول ''شہداء احد'' کے بارے میں ہوا۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کو ظاہری طور پر شکست ہوئی تھی، ستر مسلمان شہید ہوئے تھے اور بہت سے زخمی، خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہوئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور ان لوگوں کے منہ بند کردیئے گئے جو کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ مسلمانوں کو مروادیا...... اس آیت مبارکہ نے سمجھادیا کہ جہاد میں مارا جانا مسلمان کے لیے بہت بڑی اور عظیم الشان کامیابی ہے۔ پس وہ لوگ جو موت کے ڈر سے جہاد کی مخالفت کرتے ہیں اور جہاد کی دعوت دینے والوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو مروارہے ہیں وہ اس آیت مبارکہ میں غور کریں۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يريد قتلیٰ اُحُد من المؤمنين

کہ اس آیت کا (ابتدائی) مصداق احد کے دن شہید ہونے والے مسلمان ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: ہمیں بتایا گیا کہ یہ آیت غزوۂ احد کے دن نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی گھاٹی میں تھے، مسلمانوں میں بہت سے شہید ہوئے اور بہت سے زخمی، تب مشرکین نے آواز بلند کی: اُعل ھُبل یعنی ہُبَل (بت) کی جے۔ مسلمانوں نے جواب میں نعرہ بلند کیا: اللہ اعلیٰ واجل کہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند وبرتر ہے۔ مشرکوں نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کے بدلے میں ہوگیا اور جنگ ڈول کی طرح ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان سے کہو کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتولین زندہ ہیں، اپنے رب کی طرف سے روزی پاتے ہیں اور تمہارے مقتولین آگ میں ہیں ان کو عذاب دیا جاتا ہے۔ اس پر مشرکوں نے کہا: ہمارے پاس عُزّیٰ (بت) ہے اور تمہارے پاس عزّیٰ نہیں۔ تو مسلمانوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ ہمارا مولیٰ (حامی ومددگار) ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔

قال قتادة: ذكر لنا أن هذه الآية نزلت يوم احد ورسول الله صلى الله عليه وسلم فى الشعب، وقد فشت فيهم الجراحات والقتل، وقد نادى المشركون اعل هبل. ونادى المسلمون: الله اعلىٰ واجل. وقال المشركون: يوم بيوم بدر والحرب سجال. فقال النبى صلى الله عليه وسلم قولوا لاسواء، قتلانا احياء عند ربهم يرزقون وقتلاكم فى النار يعذبون. فقال المشركون: ان لنا العزّى ولا عزّى لكم. فقال المسلمون: الله مولانا ولا مولىٰ لكم. (القرطبى)

حضرت قتادہ کے قول کے مطابق آیت کا ابتدائی مصداق شہدائے احد ہیں آیت مبارکہ کے الفاظ عام ہیں اور

اس میں ہر اس مسلمان کی فضیلت کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیا جائے، جیسا کہ تمام مفسرین نے یہ عمومی تفسیر فرمائی ہے۔

شہید کے لیے اعمال کی حفاظت، ہدایت، اصلاح احوال کا وعدہ

ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ○ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ○ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ○

ان آیات میں شہید کے لیے چار وعدے ہیں:

1. فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ : اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ضائع نہیں فرمائے گا
2. سَيَهْدِيْهِمْ : انہیں راہ دکھائے گا، ہدایت اور رہنمائی عطاء فرمائے گا
3. وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ : اور ان کا حال درست فرمادے گا
4. وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ: اور انہیں جنت میں داخل کرے گا، جس کی حقیقت انہیں بتادی ہے

ملاحظہ فرمائیے مفسرین کی بعض عبارتیں:

"❶ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیے گئے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ضائع نہیں فرمائے گا، ان کی رہنمائی فرمائے گا، جنت کے راستے کی طرف، یا منکر نکیر کے سوالات کے درست جوابات دینے میں اور ان کی حالت ٹھیک فرمائے گا کہ جن لوگوں کے حقوق اس کے ذمہ ہوں گے ان کو اس کی طرف سے راضی فرمادے گا اور ان شہداء کے اعمال قبول فرمائے گا"۔

سَيَهْدِيْهِمْ الی طریق الجنۃ او الی الصواب فی جواب منکر نکیر وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ یرضی خصمائهم ویقبل اعمالهم (المدارك)

"❷ جو مجاہدین اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جائیں فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ یعنی گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ان کے اچھے اعمال کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا بلکہ گناہوں کو ساقط کردے گا اور نیکیوں کا ثواب عطاء فرمائے گا۔

سَيَهْدِيْهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کو ہدایت کے راستے پر چلائے گا اور آخرت میں اونچے درجات کی رہنمائی فرمائے گا۔

وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ یعنی دونوں جہان میں ان کی حالت کو درست رکھے گا، دنیا میں تو ان کے حالات کی درستی یہ ہوگی جو مجاہد شہید نہیں ہوئے ان کو بھی شہداء کی فہرست میں شامل کردیا جائے گا اور شہداء کا ثواب ان کو عطاء کیا جائے گا کیونکہ وہ بھی لڑنے اور شہید ہونے کے لیے گھروں سے نکلے تھے اور آخرت میں ان کے احوال کی اصلاح یہ ہوگی کہ جو (مجاہد) شہید ہوئے یا شہید نہ ہوسکے سب کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کردے گا اور نیکیاں قبول فرمائے گا۔ اور جن

لوگوں کے حقوق ان کے ذمے ہوں گے اللہ تعالیٰ (ثواب اور بدلہ دے کر) ان لوگوں کو راضی کردے گا۔ ابونعیمؒ نے حلیہ میں حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں نیز بزاز نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین (قسم کے) آدمیوں کی طرف سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ (ان کا قرض) ادا کرے گا، وہ شخص جس کو اندیشہ ہو کہ دشمن مسلمانوں کے ممالک محروسہ پر حملہ کردے گا اور اس کے پاس قوت نہ ہو اس لیے (جہاد کی خاطر) قرض لے کر ہتھیار خرید کر قوت حاصل کرلے اور قرض ادا کرنے سے پہلے مرجائے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا کرے گا۔ دوسرا وہ شخص جس کا مسلمان بھائی مر جائے اور اس کے پاس کفن دینے کو نہ ہو اس کے لیے قرض لے کر کفن خرید لے اور اداء قرض کی قدرت حاصل نہ ہو پائے اور اسی حالت میں مرجائے اس کا قرض بھی اللہ تعالیٰ ادا کردے گا۔ تیسرا وہ شخص جس کو زناء کے ارتکاب کا خطرہ ہو اس لیے (کچھ قرض لے کر) کسی عورت سے نکاح کرلے اور اس طرح پاک دامن رہے اور ادائیگی قرض (پر قدرت حاصل ہونے) سے پہلے مرجائے تو اس کا قرض بھی اللہ تعالیٰ ادا کرے گا"۔ (تفسیر مظہری)

❸ "اللہ تعالیٰ ان کو (یعنی شہداء کو) منزل مقصود تک جس کا بیان آگے آتا ہے پہنچا دے گا اور ان کی حالت قبر میں اور حشر میں اور صراط پر اور تمامی مواقع آخرت میں درست رکھے گا کہیں کوئی خرابی اور مضرت (یعنی تکلیف) ان کو نہ پہنچے گی" (بیان القرآن)

❹ " سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ اس میں شہید فی سبیل اللہ کے لیے دو نعمتوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کردے گا، دوسرے ان کے سب حالات درست فرمادے گا، حالات سے مراد دنیا و آخرت دونوں جہان کے حالات ہیں، دنیا میں تو یہ کہ جو شخص جہاد میں شریک ہوا اگرچہ وہ شہید نہ ہوا، سلامت رہا وہ بھی شہید کے ثواب کا مستحق ہوگیا، اور آخرت میں یہ کہ وہ قبر کے عذاب سے، محشر کی پریشانی سے نجات پائے گا اور اگر کچھ لوگوں کے حقوق اس کے ذمہ رہ گئے تو اللہ تعالیٰ اصحاب حقوق کو اس سے راضی کرکے اس کی خلاصی کرادیں گے اور شہادت کے بعد ہدایت کردینے سے مراد ان کو منزل مقصود یعنی جنت تک پہنچا دینا ہے، جیسا کہ قرآن میں اہل جنت کے متعلق آیا ہے کہ جنت میں پہنچ کر کہیں گے "الحمدللہ الذی هدانا لهذا" (معارف القرآن)

❺ امام رازیؒ لکھتے ہیں:

سَيَهْدِيهِمْ کے اللہ پاک ان کی جنت کے راستے کی طرف رہنمائی فرمائے گا کہ اپنی قبروں سے سیدھے اپنے عیش و آرام والی جنت تک بغیر کسی رکاوٹ اور وقفے کے پہنچ جائیں گے۔

سَيَهْدِيهِمْ طريق الجنة من غير وقفة من قبورهم الى موضع حبورهم (تفسیر کبیر)

خلاصہ یہ ہوا کہ شہید کے گناہ معاف کردیے جائیں گے جس کی وجہ سے اس کے اعمال محفوظ ہو جائیں گے، ضائع نہیں ہوں گے اور اللہ پاک شہید کو ایک خاص قسم کی ہدایت اور رہنمائی عطاء فرمائے گا جس ہدایت کی روشنی میں وہ آخرت کی ہر منزل پر کامیاب ہوتا چلا جائے گا اور آخرت کے سخت مقامات پر جب لوگ طرح طرح کی پریشانیوں

میں ہوں گے شہید کی حالت بالکل درست رہے گی، گویا کہ آخرت کا دن اس کے لیے صرف اور صرف خوشی اور راحت کا دن ہوگا۔ سبحان اللہ! ایک مسلمان کو اور کیا چاہئے۔

اللھم ارزقنا شھادۃ مقبولۃ فی سبیلک

جانی، پہچانی، مہکتی جنت

ان آیات میں "شہید" کے لیے چوتھا انعام یہ ارشاد فرمایا وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ اور اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرمائے گا جس کی حقیقت ان کو بتادی ہے۔

عَرَّفَهَا لَهُمْ کے حضرات مفسرین نے کئی معنیٰ بیان فرمائے ہیں:

1. شہداء اپنی جنت کو، حوروں کو اور وہاں کی نعمتوں کو ایسے پہچان لیں گے گویا کہ وہ ہمیشہ سے یہاں رہتے چلے آئے ہیں، جمعہ کی نماز کے لیے جانے والے جس طرح واپسی پر اپنے گھروں کو پہچانتے ہیں اہل جنت ان سے زیادہ اپنے گھروں کو جنت میں پہچاننے والے ہوں گے۔

ھو ان کل احد یعرف منزلته ومأواه حتی ان اھل الجنة یکونون اعرف بمنازلھم فیھا من اھل الجمعة ینتشرون فی الارض کل احد یأوی الی منزله (تفسیرکبیر) قال معناه مجاھدؒ واکثر المفسرین (القرطبی)

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خاص الہام کے ذریعہ یہ شہداء کرام جنت میں اپنے گھروں اور مقامات کو پہچان لیں گے اور انہیں کسی کی رہنمائی لینے کی ضرورت نہیں ہوگی (یعنی اجنبیت میں جو تھوڑی سی پریشانی ہوتی ہے اس سے بھی محفوظ رہیں گے)۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

لاحدکم بمنزله فی الجنة اعرف منه بمنزله فی الدنیا

یعنی تم جنت میں اپنے مکان کو دنیا کے اپنے مکان سے زیادہ پہچان لوگے۔

مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو فرشتہ انسان کے ساتھ اعمال کی نگرانی کے لیے مقرر تھا وہ جنت میں اس آدمی کے آگے آگے چلتا جائے گا یہاں تک کہ اس کی آخری منزل تک اسے لے جائے گا اور وہاں کی ہر چیز کا اس کو تعارف کراتا جائے گا، جب آدمی اپنے مکان میں اپنی بیویوں کے پاس پہنچ جائے گا تو وہ فرشتہ واپس لوٹ جائے گا۔

واخرج ابن ابی حاتم عن مقاتل انه قال: بلغنا ان الملك الذی کان وکل بحفظ عمل الشخص فی الدنیا یمشی بین یدیه فی الجنة ویتبعه الشخص حتی یأتی اقصیٰ منزل ھو له فیعرفه کل شیء اعطاه اللہ تعالیٰ فی الجنة فاذا انتھیٰ الی اقصیٰ منزله فی الجنة دخل الی منزله وازواجه وانصرف الملك عنه (روح المعانی)

بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نیکیاں جنت میں اس کی رہنما ہوں گی اور اسے ہر چیز کا تعارف کرائیں

گی۔وورد فی بعض الآثار ان حسناته تکون دلیلا الی منزله فیها (روح المعانی)

اور ایک قول یہ ہے کہ جنت کی ہر رہائش گاہ پر اس کے مالک کا نام لکھا ہوگا۔

وقیل: انه تعالیٰ رسم علی کل منزل اسم صاحبه وهو نوع من التعریف (روح المعانی)

❷ ایک قول کے مطابق پہچان کرانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے سامنے جنت کے اتنے اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ وہ اس کے عاشق ہوگئے ہیں چنانچہ انہوں نے اسے پانے کی بھرپور کوشش کی، شاعر کہتا ہے کہ

(ترجمہ:) ''کان کبھی آنکھوں سے پہلے عاشق ہوجاتے ہیں''

أن التعریف فی الدنیا وهو بذکر اوصافها، والمراد انه تعالیٰ لم یزل یمد حها لهم حتی عشقوها فاجتهدوا فیما یوصلهم الیها ۔

والاذن تعشق قبل العین احیاناً

❸ عَرَّفَهَا لَهُمْ ای طیبها لهم

یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جس جنت کو اللہ تعالیٰ نے خوشبوؤں سے مہکا دیا ہے۔

و عن ابن عباس فی روایة عطاء ای طیبها لهم علی انه من العرف وهو الریح الطیبة ههنا (روح المعانی) وقال ابن عباس: ای طیبها لهم بانواع الملاذ (القرطبی)

❹ عَرَّفَهَا لَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی فرمانبرداری کی توفیق دی یہاں تک کہ وہ جنت کے مستحق ہوگئے۔

ای وفقهم للطاعة حتی استوجبوا الجنة (القرطبی)

❺ عَرَّفَهَا لَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں میں یہ اعلان فرما دیا اور انہیں اس بات کی پہچان کرادی کہ جنت کے مقامات ان شہداء کے لیے ہیں، اس سے شہداء کرام کی کرامت اور فضیلت کا آسمان والوں میں اظہار ہوا۔

وقیل عرّف اهل السماء انها لهم اظهاراً لکرامتهم فیها (القرطبی)

❻ عَرَّفَهَا لَهُمْ یعنی جنت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نعمتوں کے ڈھیر لگا دیئے اور درجوں پر درجے بنا دیئے۔ وقیل: هو من وضع الطعام بعضه علی بعض من کثرته یقال حریر معرّف ای بعضه علی بعض (القرطبی)

❼ عَرَّفَهَا لَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں ان کے مقامات ومکانات کی حدود مقرر فرما کے دے دیں ہیں، تاکہ ہر ایک کی جنت دوسرے سے الگ اور ممتاز ہو۔

وقیل تعریفها، تحدیدها یقال: عرف الدار و أرفها ای حددها. ای حددها لهم بحیث یکون لکل جنة مفرزة (روح المعانی)

❽ عَرَّفَهَا لَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت کو بہت بلند، اونچا اور عالی شان بنا دیا ہے۔

وقیل ای شرفها لهم ورفعها وعلاها علیٰ ان عرفها من الاعراف التی هی الجبال وما اشبهها (روح المعانی)

❾ عَرَّفَهَا لَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے جنت دکھا دیتا ہے، چنانچہ شہید کی روح نکلنے سے پہلے اسے جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے تو اس کی روح حالت شوق میں نکلتی ہے۔

عَرَّفَهَا لَهُمْ قبل القتل فان الشهيد قبل وفاته تعرض عليه منزلته فی الجنة فيشتاق اليها۔

❿ عَرَّفَهَا لَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جنت کا اعلان کرا دیا ہے کہ کون ہے جو اپنی جان اور مال دے کر جنت لینا چاہتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ الخ

تو شہید نے اس اعلان کو سن کر فوری عمل کیا اور اپنی جان دے دی تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا وہی جنت جس کا دنیا میں اعلان اور وعدہ ہوا تھا۔

هو من باب تعريف الضالة فان الله تعالیٰ لما قال ان الله اشتریٰ من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة فكانه تعالیٰ قال من يأخذ الجنة ويطلبها بماله او بنفسه فالذی قتل سمع التعريف وبذل ما طلب منه عليها فأدخلها۔ (تفسیر کبیر)

⓫ عَرَّفَهَا لَهُمْ یعنی دنیا میں اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ انہیں اس کی (یعنی جنت کی) پہچان کرا دی ہے۔ (انوار البیان)

یہ تمام اقوال اس لیے لکھ دیے گئے تاکہ شہادت اور جنت کا شوق پیدا ہو جائے اور توجہ آخرت کی نعمتوں کی طرف ہو جائے۔

اللهم ارزقنا شهادةً فی سبيلك......

سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۹،۸،۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ ⑦

اے ایمان والو اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے رکھے گا۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کَرِهُوْا

اور جو منکر ہیں سو ان کیلئے تباہی ہے اور وہ ان کے اعمال اکارت کردے گا۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا

مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨

جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے سو اس نے ان کے اعمال ضائع کردیئے۔

خلاصہ

❶ مسلمان اگر جہاد میں نکل کر اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ دشمنوں کے مقابلے میں ان کی نصرت فرمائے گا اور میدان جہاد میں ان کو ثابت قدمی عطاء فرمائے گا۔

❷ جو کافر مسلمانوں کے مقابلے میں اتریں گے وہ ہلاک ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی تمام تدبیریں اور محنتیں ضائع فرمادے گا۔

❸ ان کافروں کی ہلاکت، ناکامی اور تباہی کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن پاک کو نہیں مانتے، دین اسلام کو قبول نہیں کرتے، اس لیے ان کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہے۔

رابطہ

❶ پچھلی آیات میں قتال فی سبیل اللہ کے اجر وثواب کو بیان فرمایا تھا اب اس آیت میں جہاد وقتال کے دوران مسلمانوں کی نصرت کا وعدہ کیا جارہا ہے تاکہ جہاد میں ان کا شوق بڑھے اور وہ بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیں۔

ثم انہ تعالیٰ لما بین ما علی القتال من الثواب والاجر وعدھم بالنصر فی الدنیا زیادۃ علی الحث لیزداد منھم الإقدام فقال: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ الخ (تفسیر کبیر)

❷ پچھلی آیات میں سمجھایا گیا کہ جہاد میں مسلمان کے لیے ہر حالت میں کامیابی ہے (ظاہری غلبہ ملے یا شہادت) اب اس آیت میں جہاد کی دنیوی کامیابی کو جو مجموعی طور پر مسلمانوں کو نصیب ہوتی ہے، بیان فرما کے جہاد کی ترغیب دیتے ہیں۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ میں قتال کی ترغیب بھی ہے۔ (مفہوم بیان القرآن)

❸ سابق (آیات کا) مضمون مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں جہاد وقتال کی ترغیب وتشویق پر مشتمل تھا اور

یہ کہ اہل حق پر لازم ہے کہ باطل کو مٹانے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کر ڈالیں، جب تک وہ فریضۂ جہاد ادا نہیں کریں گے عنداللہ بری الذمہ نہ ہو سکیں گے، تو اب ان آیات میں مسلمانوں کی فتح و کامیابی اور میدان جہاد میں ان کی ثابت قدمی کا معیار بیان فرمایا جا رہا ہے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

یعنی مسلمانوں کی فتح، کامیابی اور غلبہ اسی میں ہے کہ وہ دین اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد میں نکلیں۔

❹ ابتدائے سورۃ میں تمہید بیان کی گئی (کہ کافروں سے جنگ کیوں کی جاتی ہے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنگ کے بعض قوانین بیان فرمائے کہ اگر دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا، بلکہ جرأت اور بہادری سے لڑنا، پھر جب اچھی طرح خونریزی ہو جائے تو دشمن کے بچے کھچے سپاہیوں کو قیدی بنا لو حتیٰ کہ جنگ موقوف ہو جائے، جنگی قیدیوں کے متعلق فرمایا کہ یا تو ان پر احسان کر کے انہیں رہا کر دو یا ان سے فدیہ وصول کر کے چھوڑ دو، یہ جنگ کافروں کو سزا دینے کا ایک طریقہ ہے، تاہم اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی دوسرے طریقے سے بھی کفار کا قلع قمع کرنے پر قادر ہے مگر اس کا قانون یہ ہے کہ وہ لوگوں کی جنگ کے ذریعے آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے اس نے جہاد کا حکم دیا ہے، جس میں تن، من، دھن ہر چیز لگانی پڑی ہے، پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں بلند مراتب عطاء کرے گا اور اس جنت میں پہنچائے گا جس کی پہچان اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے ان کو دنیا میں ہی کرا دی ہے اب اس آیت میں بھی جہاد کا بیان ہے اور اس کو ایک دوسرے پیرائے میں سمجھایا گیا ہے۔ (معالم العرفان تسہیل)

یہ وعدہ آج بھی ہے

تفسیر حقانی میں ہے:

اے ایماندارو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر کے اس کی مدد کرو گے حالانکہ وہ مدد کا محتاج نہیں تو ہر کام میں، خصوصاً اس (جہاد کے) کام میں تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا اور کفار کو پست کرے گا اور ان کی تدابیر کو رد کر دے گا۔ اس وعدہ کے بموجب اللہ تعالیٰ نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفوں پر فتحیاب کیا اور دشمنوں کو سرنگوں کر دیا اور آئندہ جو کوئی دین اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے دین) کی حمایت پر کمر باندھے اسی عنایت و وعدہ کا مستحق ہے، جب چاہے آزما کر دیکھ لے۔ (تفسیر حقانی)

مسلمان اللہ تعالیٰ کی نصرت کیسے کریں

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

فنقول المؤمن ینصراللہ بخروجه الی القتال واقدامه، واللہ ینصره بتقویته وتثبیت اقدامه، وارسال الملائكة الحافظین له من خلفه وقدامه

یعنی مؤمن کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی نصرت یہ ہے کہ وہ جہاد میں نکلتا ہے اور خوب بڑھ چڑھ کر لڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مؤمن کے ساتھ نصرت یہ ہے کہ وہ اسے جنگ میں قوت اور ثابت قدمی عطاء فرماتا ہے اور ایسے فرشتے نازل

فرماتا ہے جو مجاہد کی آگے اور پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ای دین اللہ ورسولہ يَنْصُرْكُمْ علی عدوکم ویفتح لکم وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ فی مواطن الحرب او علی محجة الاسلام (المدارک)

مسلمانوں کی فتح کامیابی اور ثابت قدمی کا معیار

آیت مبارکہ سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ مسلمان جب دین کی نصرت کے لیے جہاد میں نکلیں گے تو اللہ پاک ان کو فتح، کامیابی اور ثابت قدمی عطاء فرمائے گا اور ان کے دشمنوں کو ذلیل ومغلوب فرمائے گا۔

آج مسلمانوں کے دشمن اسی لیے طاقتور ہیں کہ مسلمانوں نے جہاد کو چھوڑ دیا ہے، وہ پھر جہاد کی طرف لوٹ آئیں تو ان آیات مبارکہ میں کیے گئے وعدے کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، ملاحظہ فرمائیے یہ عبارت:

”جہاد کا حکم فرمانے کے بعد ان آیات میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو خدا کے دین کی مدد کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بتادیا کہ خود ان کی کامیابی اور فتح کا راز یہی ہے۔ اگر مسلمان من حیث القوم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور عزت کی زندگی مطلوب ہے تو ان کو چاہیے کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں مصروف رہیں اور اپنی کوششیں اسی مقصد کے واسطے وقف کردیں، اسی کی برکت سے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں مضبوط وثابت قدم رہیں گے، اور یہی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اصل کامیابی آخرت کی ہے، وہ صرف ایمان وتقویٰ پر موقوف ہے۔“ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

ایک اعتراض کا جواب

آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم جہاد تب کریں گے جب اللہ تعالیٰ کی واضح اور مضبوط نصرت کا ہمیں یقین ہوگا کہ وہ ضرور اترے گی۔ یعنی (نعوذ باللہ) پہلے اللہ تعالیٰ انہیں نصرت دکھائے پھر وہ جہاد میں اتریں گے حالانکہ اس آیت مبارکہ میں بالکل صاف فرمادیا کہ اے ایمان والو تم اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے جہاد میں نکلو تو اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت فرمائے گا۔ معلوم ہوا کہ پہلے مسلمانوں کو جہاد میں نکلنا ہوگا تب نصرت آجائے گی، یعنی پہلے مسلمان اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر اور اس کے وعدے پر یقین رکھتے ہوئے نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرمائے گا اس آیت مبارکہ کو بار بار پڑھیں تو یہی بات واضح طور پر سمجھی جاسکتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اسی قرآنی حکمت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ (یعنی خود) ہی کافروں کو مسلمان کرڈالے پر یہ بھی منظور نہیں۔ جانچنا (یعنی امتحان لینا) منظور ہے، سو (یعنی پس) بندے کی طرف سے کمر باندھنی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کام بنانا“۔ (موضح القرآن)

یعنی آغاز بندے کو کرنا ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر کمر باندھ کر نکلے تب اللہ تعالیٰ اس کا کام بنادے گا، یعنی اس کو اپنی نصرت عطاء فرمائے گا۔

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا، تمہارے مقابلہ میں کفار کی ہلاکت اور محنت کے رائیگاں کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے، ان (کفار) کی تباہی کا یہ سبب ہے کہ وہ منزل من اللہ تعلیم کے مخالف ہیں۔“ (حضرت لاہوریؒ)

تفسیر مظہری میں ہے:

”یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے دشمن پر فتح یاب کرے گا اور کافروں سے جہاد کرنے اور حقوق اسلام ادا کرنے میں تم کو ثابت قدم رکھے گا۔“ (مظہری)

یعنی جہاد میں نکلنے کی برکت سے باقی دین پر چلنا بھی آسان ہو جائے گا۔

تفسیر عثمانی میں ہے:

اے ایمان والو! اگر تم مدد کرو گے اللہ تعالیٰ کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی اور اس کے پیغمبر کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جمادے گا تمہارے پاؤں یعنی جہاد میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے تمہارے قدم نہیں ڈگمگائیں گے اور اسلام وطاعت پر ثابت قدم رہو گے جس کے نتیجہ میں ’’صراط‘‘ پر ثابت قدمی نصیب ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

ان تمام عبارات پر غور فرمائیں اور پھر سوچیں کہ مسلمانوں نے جہاد چھوڑ کر کتنی بڑی سعادتوں سے خود کو محروم کر رکھا ہے۔

دلوں میں امن کی کیفیت

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کرو گے تو وہ کفار کے مقابلہ میں تمہاری نصرت فرمائے گا، سورہ حج کی آیت وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج ۴۰) بھی اسی معنیٰ میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قتال میں تمہارے پاؤں جمادے گا یعنی مسلمانوں کے دلوں میں امن کی کیفیت ڈال کر ان کے دل مضبوط کر دے گا۔ تو ثابت قدمی کا مطلب ہوگا جنگ کے دوران نصرت اور مدد نازل فرمانا۔

ای ان تنصروا دین اللہ ینصرکم علی الکفار نظیرہ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج ۴۰) وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ای عند القتال۔ وقیل المراد تثبیت القلوب بالامن فیکون تثبیت الاقدام عبارۃ عن النصر و المعونۃ فی موطن الحرب۔ (القرطبی)

سبحان اللہ، کتنی بڑی نعمت اور سعادت ہے کہ جنگ کے دوران دل میں امن کی کیفیت نصیب ہوگی۔ امن کی کیفیت تو بہت بڑی نعمت ہے اور بہت سے لوگوں کو یہ نعمت اپنے محفوظ گھروں میں بھی نصیب نہیں ہوتی۔ امام قرطبیؒ نے ثابت قدمی کے بارے میں دو قول اور بھی لکھے ہیں جو تفسیر عثمانی کی عبارت میں گزر چکے ہیں۔

مسلمانوں کے مقابلے میں اترنے والے کافروں کے لیے ہلاکت اور ناکامی

ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا ہلاکت ہے ان کے لیے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔

❶ ''دنیا میں بھی مؤمنین کے ہاتھوں ان کی تباہی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے ہلاکت یعنی عذاب شدید اور دائمی ہے۔'' (انوار البیان)

❷ ''جو لوگ کافر ہیں ان کے واسطہ منہ کے بل گرانا، ذلیل و مغلوب کرنا ہے اور بجائے اس کے کہ اچھے کام یا ان کی وہ کوششیں جو مسلمانوں کے خلاف ہوں کامیاب ہوں، یہی فیصلہ ہے کہ ان کے کیے ہوئے کام برباد کر دیئے، اس وجہ سے نہ تو ان کے کوئی اچھے کام اور نیک عمل ان کے کام آئے اور نہ اس کے ساتھ جو کچھ انہوں نے اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محنت کی، تدبیریں کیں وہ کارگر ثابت ہوئیں، جس کا حاصل یہی ہے کہ آخرت اور دنیا ہر لحاظ سے ان کے اعمال اور کوششیں حبط و برباد ہوئیں۔'' (معارف القرآن کاندھلویؒ)

❸ آیت مبارکہ میں کافروں کے لیے فرمایا گیا **فَتَعۡسًا لَّهُمۡ** اس جملے کے حضرات مفسرین نے کئی معنیٰ بیان فرمائے ہیں۔ امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مراد اس سے دنیا میں قتل ہونا اور آخرت میں آگ میں گرنا ہے۔

وعن ابن عباس رضی الله عنهما: يريد فی الدنيا القتل وفی الآخرة التردّی (المدارك)

حضرت شیخ الہندؒ نے اس کا ترجمہ منہ کے بل گرنے سے کیا ہے:

''اور جو لوگ منکر ہوئے وہ گرے منہ کے بل اور کھودیئے ان کے کیے کام (ترجمہ شیخ الہندؒ)

امام قرطبیؒ نے **فَتَعۡسًا لَّهُمۡ** کے معنیٰ میں دس اقوال لکھے ہیں:

❶ اور کافروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے (بعدا لهم قاله ابن عباس وابن جريج)

❷ اور کافروں کے لیے غم اور افسوس ہے (حزنا لهم قاله السدی)

❸ اور کافروں کے لیے بدبختی اور بدنصیبی ہے (شقاء لهم قاله ابن زيد)

❹ اور کافروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید اور غصہ ہے (شتماً لهم من الله قاله الحسن)

❺ اور کافروں کے لیے ہلاکت ہے (هلاكا لهم قاله ثعلب)

❻ اور کافروں کے لیے ناکامی ہے (خيبة لهم قاله الضحاك وابن زيد)

❼ اور کافروں کے لیے خرابی ہے (قبحا لهم حكاه النقاش)

❽ اور کافروں کے لیے ذلت و حقارت ہے (رغما لهم قاله الضحاك)

❾ اور کافروں کے لیے شر ہے (شرّا لهم قاله ثعلب ايضا)

❿ اور کافروں کے لیے نامرادی ہے (شقوة لهم قاله ابو العاليه)

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ''تعس'' کا معنیٰ تنزل اور ٹھوکر کھانے کے ہیں۔ ابن السکیت فرماتے ہیں کہ ''تعس'' کا معنیٰ ہے منہ کے بل گرنا۔ (القرطبی)

مسلمان جب اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے جہاد میں نکلتے ہیں تو ان کے مدمقابل آنے والے کافروں کے لیے ہر طرح کی ذلت، لعنت، بدبختی، نامرادی، شکست اور ناکامی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نصرت دین کی خاطر جہاد کرنے کی توفیق عطاء فرمائے تاکہ دنیا سے کفار کی ظاہری شان وشوکت کا خاتمہ ہو جائے۔ آمین یا ارحم الراحمین

کافروں کی ناکامی کی وجہ

ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ

ذٰلِكَ یہ ہلاکت اور تباہی اس لیے ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کو پسند نہیں کیا پس اللہ پاک نے ان کے اعمال ضائع فرما دیئے۔

اعمال کے ضائع کرنے کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ کفر کے ساتھ اعمال کا ضائع ہونا لازمی ہے۔ (مظہری)

آج کل کچھ دانشور کافروں کی ظاہری ترقی دیکھ کر ان کے گن گاتے ہیں ان کو سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں غور کرنا چاہئے جو بار بار سمجھاتی ہے کہ کافروں کے اعمال برباد اور بے فائدہ ہیں۔

❶ ”یعنی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی باتوں کو ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ ان کے کام کیوں پسند کرے گا؟ اور جو چیز خدا کو ناپسند ہو وہ محض اکارت (ضائع اور بے کار) ہے۔ (عثمانی)

❷ ان کافروں نے قرآن پاک کو ناپسند کیا اس لیے ان کے اعمال اللہ تعالیٰ نے ضائع فرما دیئے۔ وجہ یہ ہے کہ کونسا عمل نیک ہے یہ بات عقل سے نہیں پہچانی جاسکتی یہ تو شریعت ہی بتاتی ہے کہ فلاں عمل نیک ہے اور فلاں بد، اور شریعت معلوم ہوتی ہے قرآن پاک سے۔ تو جب ان لوگوں نے قرآن پاک کو ہی نہیں مانا تو انہیں معلوم ہی نہیں ہوگا کہ نیک عمل کونسا ہے اور اس کو کرنے کا طریقہ کیا ہے، اس لیے وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ باطل ہے اور ضائع ہے۔ (تفسیر کبیر)

❸ انہوں نے توحید کا انکار کیا اس لیے ان کے عمل ضائع ہوگئے، کیونکہ شرک ہر عمل کو برباد کر دیتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

اللہ تعالیٰ نے آخرت کے بارے میں جو کچھ نازل کیا انہوں نے اسے نہ مانا، چنانچہ ان کے عمل ضائع ہوگئے۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا دنیا کے لیے کیا اور دنیا فانی ہے۔ (تفسیر کبیر)

آسان تفسیر

اب آخر میں ملاحظہ فرمایئے ان تین آیات کی ایک آسان اور علمی تفسیر:

”آگے جہاد کے دنیوی فوائد وفضائل کا ذکر کر کے اس کی ترغیب ہے کہ اے ایمان والو اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین

کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا جس کا نتیجہ دنیا میں دشمنوں پر غالب آنا ہے، خواہ ابتداءً ہو یا کچھ عرصہ کے بعد انجامِ کار میں...... اور بعض مؤمنین کا مقتول ہو جانا یا کسی معرکہ میں وقتی طور پر مغلوب ہو جانا اس کے منافی نہیں اور اسی طرح دشمنوں کے مقابلہ میں تمہارے قدم جما دے گا، خواہ ابتداء ہی سے یا وقتی پسپائی کے بعد انتہاء میں ثابت قدم رکھ کر کفار پر غالب کرے گا۔ جیسا کہ بار بار اس کا مشاہدہ دنیا میں ہو چکا ہے، یہ تو مسلمانوں کا حال بیان کیا گیا اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے دنیا میں جبکہ وہ مؤمنین سے مقابلہ کریں تباہی اور مغلوبیت ہے اور آخرت میں ان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کالعدم کر دے گا جیسا کہ شروع سورۃ میں بیان ہوا، غرض کفار دونوں جہان میں خسارے میں رہے اور یہ کفار کا خسارہ اور اعمال کی بربادی اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا عقیدۃً بھی اور عملاً بھی، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اوّل ہی سے اکارت کر دیا کیونکہ کفر اعلیٰ درجے کی بغاوت ہے اور اس کا یہی اثر ہے۔" (بیان القرآن تسہیل)

مجاہدین کے لیے مبارک

اس آیت مبارکہ میں مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کا مددگار...... یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کا مددگار قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ اللہ پاک کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو اس کا خاص فضل اور بڑا انعام ہے کہ مجاہدین کو یہ لقب عطاء فرمایا۔ مجاہدین اس سعادت پر جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ اور انہیں چاہئے کہ اس سعادت کے لذّت والے مقام کا یقین کر کے مرتے دم تک جہاد پر قائم رہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

قرآن پاک سے دوری

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پاک سے دوری اور قرآن پاک کے احکامات سے بے رغبتی بہت ہی خطرناک جرم ہے، پس مسلمانوں کو چاہئے کہ قرآن پاک کو سمجھیں، قرآن پاک کو اپنائیں اور قرآن پاک کے ہر ہر حکم کو پوری محبت کے ساتھ تسلیم کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

امام نسفیؒ لکھتے ہیں: بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ای القرآن (المدارک)

کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن کو ناپسند کیا۔ اسی لیے وہ ہلاکت اور بربادی میں جا پڑے۔ پس مسلمان وہی ہے جو قرآن پاک کے ہر حکم کو دل کی رغبت اور محبت کے ساتھ مانے اور پسند کرے۔

سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ

کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی وہ دیکھتے ان کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے

قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کردیا اور منکروں کیلئے ایسی ہی (سزائیں) ہیں۔

خلاصہ

یہ کافر زمین میں سیر کر کے دیکھ لیں کہ مخالفین حق کو حق کے مقابلہ میں ہمیشہ شکستِ فاش ہوئی ہے یا نہیں اور آئندہ بھی یہی ہوگا۔ (حضرت لاہوریؒ)

ربط

پہلے فرمایا تھا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ کہ کافروں کے لیے ہلاکت ہے اب اس ہلاکت کا ثبوت دیتے ہیں اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر پہلے کافروں کی ہلاکت کا حال نہیں دیکھا) (تفسیر حقانی، تسہیل)

آسان تفسیر

''منکرین کو تنبیہ فرمائی کہ اپنی دنیا اور ساز و سامان اور عمارت سے دھوکہ نہ کھائیں، ان سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں جو ہلاکت و بربادی کا منہ دیکھ چکی ہیں، ارشاد فرمایا (ترجمہ) کیا یہ لوگ زمین پر نہیں چلے پھرے سوان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جوان سے پہلے تھے دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک فرمایا وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا اور کافروں کے لیے ایسی کئی چیزیں ہیں، یعنی موجودہ جو کفار ہیں اور ان کے بعد جو بھی کافر ہوں گے ان کے لیے دنیا میں اسی طرح عذاب ہوگا اور ہلاک کر دیئے جائیں گے اور آخرت میں شدید اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔'' (تفسیر انوار البیان)

کیا آج کل کے کافروں کو سزا نہیں مل سکتی

''یعنی دنیا ہی میں دیکھ لو، منکروں کی کیسی گت بنی اور کس طرح ان کے منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے، کیا آج کل کے منکروں کو ایسی سزائیں نہیں مل سکتیں؟'' (عثمانی)

ہر زمانے کے کافر خود کو ''ناقابل شکست'' اور ''زمین کا مالک'' سمجھتے ہیں تو ان کو یاد دلایا گیا کہ اپنے سے پہلوں کا حشر دیکھو، مسلمانوں کے مقابلے پر اترنے میں تمہارا بھی ایسا ہی حشر ہوگا، چنانچہ مکہ کے مشرکین کا بہت برا حشر ہوا اور ان کی کافرانہ سلطنت کا نام و نشان ہی مٹ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ کفر اللہ تعالیٰ کو مبغوض اور ناپسند ہے اس لیے کسی زمانے کے کافر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے فکر نہ رہیں۔

☆☆☆

سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی ہے جو ایمان لائے اور کفار کا کوئی بھی حامی نہیں۔

خلاصہ

مسلمانوں کی نصرت اور کامیابی...... اور کافروں کی ہلاکت اور ناکامی اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا حامی، مددگار اور کارساز ہے اور کافروں کا کوئی مددگار اور کارساز نہیں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کر سکے۔

مسلمانوں اور کافروں میں بہت بڑا فرق

اس آیت مبارکہ میں بیان فرمایا گیا کہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے اور وہ زمین و آسمان کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے اور وہی مسلمانوں کا کارساز ہے کہ ان کے ہر کام کو بناتا ہے۔ گویا کہ یہ یوں کہا گیا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے اپنے اور پیارے ہیں جبکہ کافروں کا کوئی ایسا مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی نصرت کر سکے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے اس آیت پر یقین کیا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے دنیا بھر کے کافروں سے ٹکرا گئے اور انہیں ہر جگہ یہی نظر آیا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ موجود ہے جبکہ کافر دنیا و آخرت میں بے یار و مددگار ہیں۔ اس آیت مبارکہ پر یقین کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ نے کبھی بھی اپنی اور کافروں کی ظاہری طاقت کو نہیں تولا اور نہ کافروں کی ظاہری طاقت سے مرعوب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آج بھی ہم سب مسلمانوں کو اس آیت مبارکہ پر کامل یقین عطاء فرمائے۔

حضرت امام رازیؒ لکھتے ہیں:

وفی الکلام تباین عظیم بین الکافر والمؤمن، لأن المؤمن ینصره الله وهو خیر الناصرین، والکافر لا مولیٰ له

یعنی اس آیت مبارکہ میں کافر اور مؤمن کے درمیان بہت بڑا فرق بیان ہوا ہے کہ مؤمن کی مدد تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو بہترین مددگار ہے جبکہ کافروں کا سرے سے کوئی مددگار ہی نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر)

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

”(کافروں کو) مقابلہ کے وقت شکست فاش اس لیے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا پشت پناہ تھا اور کفار کا پشت پناہ کوئی نہ تھا“۔ (حضرت لاہوریؒ)

مولیٰ بمعنیٰ مددگار

مولیٰ کا لفظ عربی زبان میں کئی معنیٰ پر آتا ہے، بعض اہل لغت فرماتے ہیں کہ مولیٰ کے چودہ معنیٰ ہیں۔ مولیٰ مالک کو بھی کہتے ہیں اس اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور کافروں سب کا مولیٰ ہے (کما فی قولہ تعالیٰ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ) اور مولیٰ کے معنیٰ مددگار اور کارساز کے بھی آتے ہیں تو اس معنیٰ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے کافروں کا نہیں۔

فان اللہ مولیٰ العباد جمیعا من جهة الاختراع وملك التصرف فيهم ومولىٰ المؤمنين خاصة من جهة النصرة (المدارك)

جامع تفسیر

امام ابو حیانؒ لکھتے ہیں:

ذٰلِكَ یہ مسلمانوں کی نصرت اور کامیابی یا کافروں کی ہلاکت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار اور مؤید ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں کیونکہ انہوں نے ایسے خدا گھڑ رکھے ہیں جو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اور انہوں نے نفع اور نقصان کے مالک اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ رکھا ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی اور اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے نعرے کا جواب نکالا، اس دن مشرکین نے نعرہ لگایا تھا ان لنا عزّیٰ ولا عزی لکم کہ ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کو جواب دو اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔

پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا اس کی ایک تفسیر یہ تھی کہ اس امت کے کافروں کو اس امت کے مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دیا جائے گا اور جن مسلمانوں کو وہ حقیر سمجھتے ہیں ان کے ہاتھوں سے عذاب پانا آسمانی عذاب سے زیادہ دردناک ہے تو آگے فرمایا ذٰلِكَ کہ ایسا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اور کافر بے یار و مددگار ہیں۔ (البحر المحیط، تفسیر کبیر)

اس سورۃ مبارکہ کا خاص موضوع

اس سورۃ مبارکہ کا خاص موضوع یہ ہے کہ کفر اور کافر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ایمان والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اسی لیے جہاد کا حکم ہے اور اسی لیے مسلمانوں کی دنیا و آخرت میں کامیابی اور کافروں کی دنیا و آخرت میں رسوائی ہے۔ کافر اللہ تعالیٰ کے مبغوض ہیں، وہ حق کے دشمن ہیں، ان کے اچھے اعمال کا کوئی وزن نہیں، وہ دنیا میں گمراہی، حرص اور کفر پھیلانا چاہتے ہیں، وہ لوگوں کو حق کے راستے سے کاٹتے ہیں اور جہنم کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ باتیں ہر مسلمان کے دل میں اتر جائیں یہ سورۃ مبارکہ بار بار ان باتوں کو سمجھاتی ہے۔ اور ان باتوں کے سمجھنے پر جہاد کا سمجھنا موقوف

ہے۔ ورنہ آج کل تو لوگ کافروں کی ظاہری ترقی اور چمک دیکھ کر اپنے غریب مسلمانوں کو ان کے مقابلے میں (نعوذ باللہ) حقیر قرار دینے لگتے ہیں۔ ایسے کم عقل لوگ جہاد کو کہاں سمجھ سکتے ہیں؟ حضرت تھانویؒ نے اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کامیابی صرف مسلمانوں کے لیے ہے، یہ آیت مبارکہ یہی بات سمجھاتی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ دنیا و آخرت میں مسلمانوں کے لیے کامیابی کے وعدے اور کافروں کے لیے ناکامی کی وعیدیں اس سبب سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اس لیے دونوں جہانوں میں ان کو کامیاب فرماتا ہے اور کافروں کا کوئی ایسا کارساز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کے کام بنا سکے اس لیے وہ دنیا و آخرت میں ناکام رہتے ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کو کبھی ظاہری ناکامی (شکست) ہو جائے اور کفار کو ظاہری کامیابی مل جائے۔ لیکن اعتبار اصل میں حقیقت کا ہے اور اس کے اعتبار سے مسلمان ہمیشہ کامیاب اور کافر ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ (بیان القرآن تسہیل)

بہر حال اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی تسلی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی اور مددگار ہے پس وہ جہاد کے میدان میں اترنے سے نہ ڈریں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

بیشک اللہ تعالیٰ انہیں داخل کرے گا جو ایمان لائے اور نیک کام کیے جنتوں میں جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ

نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے

الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾

کھاتے ہیں اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔

خلاصہ

❶ ایمان والوں کا ٹھکانا جنت ہے اور کافروں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

❷ کافروں نے اسی دنیا کے عیش و آرام کو مقصود بنایا ہوا ہے اور وہ انسانیت کے مقام سے گر چکے ہیں، کافروں کی زندگی بے مقصد ہے وہ حیوانوں کی طرح اپنی خواہشات پوری کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

ربط

”یہ تو کفر و ایمان کا دنیوی ثمرہ تھا اس کے بعد اخروی فرق بیان فرماتا ہے:

فقال: إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ الخ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اس کے بعد نیک کام کیے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں جاری ہوں گی اور کفار و بدکار لوگ دنیا میں چارپایوں کی طرح کھانے پینے میں مصروف ہیں نہ ان کو آخرت کی فکر نہ نیک باتوں کی طرف رغبت نہ برے افعال سے نفرت، ان کا ٹھکانا آگ ہے اس میں رہا کریں گے۔“ (تفسیر حقانی)

پس مسلمانوں کے لیے دنیا و آخرت میں کامیابی ہے، اس لیے وہ جہاد سے منہ نہ موڑیں اور کافر لوگ اللہ تعالیٰ سے اور آخرت سے غافل ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں ناکامی ہے، پس ان کو اتنا طاقتور نہ ہونے دیا جائے کہ وہ ساری دنیا کو کفر اور مادہ پرستی سے بھر کر اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیں۔

آج کی دنیا پر ایک نظر

انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی خلافت کے لیے بھیجا اور اسے دین کی امانت عطاء فرمائی۔ کافر اپنے اس عظیم منصب کو بھول کر دنیا کے عیش و آرام اور جانوروں کی طرح کھانے پینے کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں، انبیاء علیہم السلام ان کو دین پر لانا چاہتے ہیں تو کفار میں سے ہٹ دھرم لوگ دنیا کی خاطر انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتے ہیں اور ان کے دشمن

بن جاتے ہیں، ان کا کفر وغرور جب حد سے بڑھتا ہے تو ان جانوروں سے بدتر کافروں کو عذاب الٰہی کا نشانہ بنادیا جاتا ہے۔ جہاد کی مشروعیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان مادہ پرست کافروں کو قوت وشوکت حاصل نہ ہو ورنہ یہ دنیا کو فساد سے بھر دیں گے اور انسانوں کو حیوانوں کی طرح خودغرض، شہوت پرست اور غافل بنادیں گے۔ آج کی دنیا پر نظر ڈالی جائے تو پوری دنیا مادہ پرستی کی غفلت میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ اکثر انسانوں نے انسانیت کو چھوڑ کر بس دنیا کے عیش وآرام کو اپنا مقصد بنالیا ہے، ساری ایجادات اور ساری محنتیں بس اسی لیے ہیں کہ کس طرح سے زیادہ سے زیادہ لذت وآرام اس دنیا میں حاصل کیا جائے اور کس طرح زیادہ سے زیادہ مال بنایا جائے۔ آخرت سے غفلت ایک ایسا جرم ہے جو انسان کو ہر جرم اور ظلم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ مسلمان اگر آج بھی جہاد کے لیے نہ اٹھے اور اسلام کی دعوت کو لیکر نہ نکلے تو خود مسلمانوں کی آئندہ نسلیں اسی خوفناک مادہ پرستی میں مبتلا ہو سکتی ہیں جس کا انجام کفر اور جہنم ہے۔ (العیاذ باللہ)

احوال واقعی

صاحب انوار البیان ” لکھتے ہیں:

” (اس آیت مبارکہ میں) اہل ایمان کا انعام اور کافروں کی طرز زندگی (دنیا میں) اور ان کا عذاب بیان فرمایا جو آخرت میں ان کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کیے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ نفع حاصل کرتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں، یہ ان کا دنیاوی حال ہے وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اہل کفر کے سامنے دنیا ہی ہے اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لیے کسی بھی طرح کی دنیاوی لذت اور دنیاوی طمع اور دنیاوی ترقی اور دنیاوی مال حاصل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے کیونکہ انہیں صرف دنیا ہی مطلوب ہے، اس لیے کمانے اور کھانے پینے میں اور ہر طرح کی لذت حاصل کرنے میں کوئی حیا اور شرم، انسانیت اور مروت ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی، جس طرح جانور اور چوپائے کھانے پینے میں ہر جگہ منہ مار لیتے ہیں اور جنسی لذت حاصل کرنے کے لیے سب کے سامنے سب کچھ کر لیتے ہیں اسی طرح یہ دنیاوی لذتوں کے متوالے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ (آگے اہل مغرب اور کفار کی جنسی بے راہ روی کا تذکرہ کیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں) جس طرح جنسی لذت کے لیے کافر لوگ دیوانے ہو رہے ہیں اس طرح مال کمانے اور کھانے پینے میں جانوروں کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں، حلال حرام سے کوئی بحث نہیں، جو ملا کھالیا، جو چاہا کھالیا، سور اور شراب تو ان کی روزانہ کی غذا ہے، قرآن کریم میں ان کی اس دنیا والی زندگی کو يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی یہ فرمادیا کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔“ (انوار البیان)

قرآن پاک کا عجیب اعجاز

دنیا پرست مسلمان آج کل کافروں کے ظاہری عیش و آرام، کھانے پینے اور آزادی کو دیکھ کر ان کی بے حد تعریفیں کرتے ہیں اور ہر وقت مسلمانوں کو کوستے رہتے ہیں اور اسلام کے احکامات کو بدلنے کی ناکام جسارتیں کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن پاک نے کافروں کی اسی ترقی کو ذکر کر کے فرمایا کہ جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔ آپ آیت مبارکہ کے الفاظ کو غور سے پڑھیں، اللہ پاک نے ان کے عیش و آرام کو اور کھانے پینے میں ان کی آزادی اور کھلے پن کو ذکر کر کے فرمایا یہ جہنمی ہیں۔ پس اس آیت کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد کیا کوئی مسلمان کافروں کے ظاہری عیش و آرام اور لذتوں کو دیکھ کر متاثر ہو سکتا ہے؟ آج مجاہدین پر یہی الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی ترقی میں رکاوٹ ہیں۔ یہ آیت مبارکہ اس الزام اور اعتراض کا واضح جواب دیتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کافر اپنے دنیاوی عیش و عشرت پر غرور نہ کریں

’’اور جو لوگ کافر ہیں وہ دنیا میں عیش کر رہے ہیں اور اس طرح آخرت سے بے فکر ہو کر کھاتے پیتے ہیں، جس طرح چوپائے کھایا کرتے ہیں، کہ وہ یہ نہیں سوچتے کہ ہم کو کیوں کھلایا پلایا جاتا ہے اور ہمارے ذمہ اس کا کیا حق وابستہ ہے، جہنم ان لوگوں کا ٹھکانا ہے اور جس تمتع (عیش و عشرت) کا ذکر ہوا ہے اس پر آپ ﷺ کے مخالفین کو مغرور نہ ہونا چاہئے اور نہ آپ کو ان کی اس غفلت پر کچھ افسوس و حزن ہونا چاہئے جو کہ سبب ہو گئی مخالفت کا، حتیٰ کہ آپ کو تنگ کر کے مکہ میں بھی نہیں رہنے دیا۔‘‘ (بیان القرآن)

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ

اور کتنی ہی بستیاں تھیں جو آپ کی اس بستی سے طاقت میں بڑھ کر تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو نکال دیا ہے

اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

ہم نے انہیں ہلاک کر دیا تو ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوا۔

خلاصہ

اہل مکہ اپنی قوت اور طاقت پر غرور نہ کریں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالا ہے تو یہ ان بستیوں اور قوموں سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانی اور دین دشمنی کی وجہ سے تباہ و ہلاک فرما دیا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوا، اسی طرح اہل مکہ بھی مغلوب ہوں گے۔

ربط

❶ ”کفار یہ سن کر کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے یہ طعنہ دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور حمایت کہاں گئی؟ ہم نے تو (حضرت) محمد (ﷺ) کو مکہ سے نکال دیا اور روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکلنے کا رنج تھا۔ ابویعلیٰ موصلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلنے اور غار میں چھپنے چلے تو مکہ کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتے تھے اور یہ کہتے تھے اللہ کی قسم سب شہروں سے تو میرے نزدیک محبوب ہے اگر یہ لوگ مجھے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا۔ اس پر یہ تسلی بخش آیت نازل ہوئی“۔ (حقانی، تسہیل)

❷ کفار نے دنیا کے عیش و عشرت اور کھانے پینے کو مقصود بنایا ہوا ہے اور یہ کوئی معمولی مرض نہیں ہے اسی مرض کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور اللہ تعالیٰ کے دین کے دشمن بن جاتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کے خلاف ہر قدم اٹھا لیتے ہیں، جیسا کہ اہل مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالا، پس ایسے ظالموں سے قتال کا حکم دینا تمام انسانیت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بدر کی لڑائی نے فیصلہ کر دیا

” وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ کہ اے محمد (ﷺ) بہت سے شہر جو تمہارے اس شہر سے (کہ جس نے تجھے نکال دیا یعنی مکہ نے) طاقت وزور میں بڑھ کر تھے سدوم و عمورہ وغیرہما، ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، کوئی ان کا مددگار نہ اٹھا، پھر یہ

اہل مکہ کیا گھمنڈ کرتے ہیں، ذرا صبر کریں، چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بدر کی لڑائی نے ان متکبروں کا فیصلہ کر دیا۔“
(تفسیر حقانی)

اہم سبق

اسلام اور کفر کے مقابلے کی بات چل رہی ہے، مسلمانوں کو کافروں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے، اس آیت سے یہ سبق ملا کہ کافروں کی طاقت دیکھ کر مسلمان مایوس نہ ہوں اور کافر اپنی طاقت سے مغرور نہ ہوں ماضی کے واقعات پر ہر فریق ایک نظر ڈالے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ مُحَمَّد مَدَنِيَّة آیت ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا

پس کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جسے اس کے برے عمل اچھے کر دکھائے گئے

اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

ہوں اور انہوں نے اپنی ہی خواہشوں کی پیروی کی ہو۔

خلاصہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافروں کو ہلاک کرنا اور ان کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی نصرت کرنا بالکل برحق اور عدل وانصاف کے عین مطابق ہے۔ اس وجہ سے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی نصرت کے مستحق ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں۔ جبکہ کافر اپنی خواہشات کا غلام ہے اور وہ بری باتوں کو اچھا سمجھتا ہے۔ پس مؤمن اور کافر کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ (اسی لیے جہاد کے ذریعے کفر اور کافروں کو کمزور کرنا ضروری ہے)

مؤمن اور کافر برابر نہیں

❶ ”یعنی ایک شخص نہایت شرح صدر اور فہم وبصیرت کے ساتھ سچائی کی صاف کشادہ سڑک پر بے کھٹکے چلا جا رہا ہے، اور دوسرا اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھا رہا ہے، جس کو سیاہ وسفید یا نیک وبد کی کچھ تمیز نہیں، حتیٰ کہ اپنی بے تمیزی سے برائی کو بھلائی سمجھتا ہے اور خواہشات کی پیروی میں اندھا ہو رہا ہے، کیا ان دونوں کا مرتبہ اور انجام برابر ہو جائے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ حق تعالیٰ کی شانِ حکمت وعدل کے منافی ہے“۔ (عثمانی)

❷ کیا وہ شخص جس کے پاس اس کے رب کی سند ہے یعنی کتاب اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو محض اٹکل سے اپنے خیالات کا پیرو ہے اور بری باتوں کو بھلا سمجھ کر کرتا ہے۔ اس آیت میں کفر اور ایمان کا ایک اور فرق بیان فرمایا ہے۔“ (حقانی، تسہیل)

کافروں کی ہلاکت اور مسلمانوں کی نصرت برحق ہے

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں کافروں کا ہلاک کرنا اور رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کرنا برحق ہے، احوال واقعی اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ کافروں کو عذاب دیا جائے اور ایمان والوں کو اجر وثواب ملے۔

اعلم ان هذا اشارة الى الفرق بين النبى صلى الله عليه وسلم والكفار ليعلم ان اهلاك الكفار ونصرة النبى عليه السلام فى الدنيا محقق وان الحال يناسب تعذيب الكافر واثابة المؤمن۔ (تفسیر کبیر)

پس معلوم ہوگیا کہ مسلمانوں کو کافروں سے لڑنے کا حکم کیوں دیا گیا، کیونکہ کافر حق راستے کا دشمن، نفس کا پجاری اور اندھیروں کا سوداگر ہے۔

قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ہدایت ہے

ارشاد فرمایا:

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے دلیل پر یعنی واضح ہدایت پر ہو۔الخ

امام نسفیؒ لکھتے ہیں:

اى على حجة من عنده وبرهان وهو القرآن المعجز وسائر المعجزات يعنى رسول الله صلى الله عليه وسلم (المدارک)

یعنی بَيِّنَةٍ سے مراد قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات ہیں۔

سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ

اس جنت کی کیفیت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے (یہ ہے) کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جو بگڑنے

وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ

والا نہیں اور کچھ دودھ کی نہریں جن کا مزہ کبھی نہیں بدلے گا اور کچھ نہریں ایسی شراب کی جو پینے والوں کیلئے

لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ

خوش ذائقہ ہوگا اور کچھ نہریں صاف شہد کی اور ان کیلئے وہاں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور اپنے رب کی

وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا

بخشش (کیا وہ) ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا

فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿۱۵﴾

سو وہ ان کی آنتوں کے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

خلاصہ

❶ ایمان والوں اور کافروں میں ایک اور بڑا فرق یہ ہے کہ ایمان والوں کے لیے جنت، اس کی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے اور کافروں کے لیے جہنم اور اس کا عذاب ہے۔

❷ ایمان والے اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق ہیں اور کافر اللہ تعالیٰ کی سزا کے مستحق ہیں۔

❸ کافر جس راستے کی طرف جا رہے ہیں اور لوگوں کو لے جا رہے ہیں وہ جہنم کی طرف جاتا ہے، پس اس لیے ان کے خلاف جہاد ہے تاکہ وہ قوت پکڑ کر لوگوں کو جہنم کی طرف نہ لے جا سکیں۔

آسان تفسیر، مجاہدین کے لیے جنت کے سو درجے

صاحب انوار البیانؒ لکھتے ہیں:

''اس آیت میں بھی مؤمنین کے انعامات اور کافروں کی سزا بیان فرمائی ہے، اوّل تو جنت کا حال بتایا، جس کا متقیوں سے وعدہ ہے، جنت میں بہت سی نعمتیں ہیں، ان میں نہریں بھی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو متغیر نہ ہوگا اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ بدلا ہوا نہ ہوگا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے سراپا لذت ہوگی اور بالکل صاف شہد کی نہریں ہیں، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے

لیے تیار فرمایا ہے، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے، پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو، کیونکہ وہ جنت کا سب سے افضل اور اعلیٰ درجہ ہے اور اسی کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے نہریں جاری ہیں (صحیح بخاری ص ۳۹۱ ج ۱) یہ حدیث حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس میں یوں ہے: منها تفجر انهار الجنة الاربعة یعنی جنت الفردوس سے چاروں نہریں جاری ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''مرقاۃ المصابیح شرح مشکوۃ المصابیح'' میں لکھتے ہیں:

یہی وہ چار نہریں ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یعنی پانی اور دودھ اور شراب اور شہد کی نہریں، حدیث شریف کے بیان سے معلوم ہوا کہ جنت الفردوس سے چار نہریں نکلتی ہیں ان کا منبع اور مرکز جنت الفردوس ہے (پھر ان کی شاخیں پھوٹتی ہوئی دوسری جنتوں میں پہنچتی ہیں)

نہروں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا: وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہوگی، اس کے بعد فرمایا: كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ (الآیة) یہاں عبارت حذف ہے یعنی من كان في هذا النعيم كمن هو خالد في النار جو شخص ان مذکورہ بالا نعمتوں میں ہوگا، کیا ان لوگوں کی طرح ہوسکتا ہے جو ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے اور جنہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔''

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنمیوں کو اتنی زبردست بھوک لگادی جائے گی جو اکیلی ہی اس عذاب کے برابر ہوگی جو ان کو بھوک کے علاوہ ہورہا ہوگا، لہٰذا وہ کھانے کے لیے فریاد کریں گے اس پر ان کو ''ضریع'' کا کھانا دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک دفع کرے گا۔ پھر دوبارہ کھانا طلب کریں گے تو ان کو "طعام ذی غصة" گلے میں اٹکنے والا کھانا دیا جائے گا جو گلوں میں اٹک جائے گا اس کے اتارنے کے لیے تدبیریں سوچیں گے تو یاد کریں گے کہ دنیا میں تھے تو گلے میں اٹک جانے والی چیزوں کے اتارنے کے لیے پینے کی چیز پیا کرتے تھے، لہٰذا پینے کی چیز طلب کریں گے، چنانچہ کھولتا ہوا پانی لوہے کی سنڈاسیوں کے ذریعہ ان کے سامنے کردیا جائے گا، وہ سنڈاسیاں جب ان کے چہروں کے قریب ہوں گی تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گی، پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے گا۔ (مشکوۃ ص ۵۰۴ از ترمذی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ويسقى من ماء صديد کے بارے میں فرمایا کہ ماء صدید (پیپ کا پانی) جب دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو اس سے نفرت کرے گا، پھر اور قریب کیا جائے گا تو چہروں کو بھون ڈالے گا اور بالآخر پاخانے کے مقام سے باہر نکل آئے گا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات تلاوت فرمائی: وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ (سورۃ محمد) اور وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ (سورۃ الکہف) (مشکوۃ از ترمذی) (انوار البیان)

شہید کے لیے فردوس اعلیٰ

آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جنت میں پانی، دودھ، شہد اور شراب کی نہریں ہیں۔ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ان نہروں کا مرکز ''جنت الفردوس'' ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کرام کے لیے جنت الفردوس کی بشارت دی ہے، ملاحظہ فرمائیے یہ روایت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام ربیع بنت براء رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ مجھے (میرے بیٹے) حارثہ کے بارے میں نہیں بتائیں گے؟ وہ بدر کے دن ایک گمنام تیر سے مارے گئے تھے اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کرلوں گی اور اگر اس کے علاوہ کچھ ہے تو پھر میں ان پر خوب روؤں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حارثہ کی ماں! جنت میں تو کئی باغات ہیں تیرا بیٹا تو فردوسِ اعلیٰ میں ہے۔ (بخاری)

اللّٰھم انا نسئلک جنۃ الفردوس برحمتک یا ارحم الراحمین

کلام برکت

''وہاں کی شراب بامزہ ہے جیسے یہاں کی بے مزہ، بہشت میں ہر کسی کے گھر چار نہریں مقرر ہیں، اور بعضوں کو زیادہ (موضح القرآن)

جنت کی نہریں

دودھ، شہد اور شراب کی نہروں کا سن کر وہ لوگ جن کے دل سیدھے نہیں ہیں طرح طرح کی باتیں سوچتے ہیں کہ ایسی نہریں کس طرح کی ہوں گی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کو نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کے دل میں ان کا کھٹکا گزرا۔ تھوڑا سا غور کریں کہ آج سے دوسو سال پہلے اگر کسی کو موبائل فون کے بارے میں بتایا جاتا تو کیا وہ اس کی مکمل حقیقت کو سمجھ لیتا؟ جب آجکل کی ادنیٰ سی ایجادات کو کچھ عرصہ پہلے سمجھنا مشکل تھا تو جنت تو بہت بڑی چیز ہے اور وہ بہت دور ہے۔ قرآن پاک تو ایسے الفاظ لاتا ہے جن کو عام لوگ سمجھ سکیں، پس عام لوگ نہروں اور دریاؤں کو سمجھتے ہیں مگر جنت کی نہریں اور دریا کیسے ہوں گے اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تفسیر حقانی کے مصنف نے اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ مگر نہریں فرما کر کثرت کا استعارہ لینا محل نظر ہے۔ جنت کے ان دریاؤں کا صریح تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی ان دریاؤں اور سمندروں کے احوال بیان ہوئے ہیں، اسی لیے یہی کہنا درست ہے کہ یہ تمام دریا تو بلاشبہ موجود ہیں مگر ان

کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے امام ابن کثیرؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے: تم لوگ شاید یہ گمان کرتے ہو کہ جنت کے دریا زمین کھود کر بنائے ہیں اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے وہ تو زمین کے اوپر چلتے ہیں ان کی دیواریں موتیوں کے خیمے ہیں اور ان کی مٹی مشک ہے۔

لعلکم تظنون ان انهار الجنة تجری فی اخدود فی الارض والله انها لتجری سائحة علی وجه الارض حافاتها قباب اللؤلو وطینتها المسك الاذخر (ابن کثیر)

یاد رہے عربی میں نہر کا لفظ دریا کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۶، ۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی بات سنتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے ہاں سے نکل جاتے ہیں تو ان سے کہتے

لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى

ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے اس نے ابھی ابھی کیا کہا یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر

قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ

مہر کردی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے۔ اور جو راستہ پر آگئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اور زیادہ ہدایت دیتا

تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾

اور انہیں پرہیزگاری عطا کرتا ہے۔

خلاصہ

❶ کافروں کی ایک قسم وہ لوگ ہیں جو منافق ہیں یہ قرآن پاک کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سننے کے باوجود نہیں سمجھتے، نہیں مانتے۔ آگے ان کا تذکرہ آتا ہے کہ جب قرآن پاک میں جہاد کا حکم نازل ہوتا ہے تو ان پر موت کی بے ہوشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔

❷ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سن کر خوب فائدہ حاصل کرتے ہیں، اور ان کو عمل کی توفیق بھی نصیب ہوتی ہے پس ایمان والوں اور کافروں میں بہت بڑا فرق ہے۔

ایمان والوں اور بے ایمانوں میں ایک بڑا فرق

''مخالفین بے ایمان قرآن سن کر بھی کچھ نہیں سمجھتے۔ ایمان والوں کو قرآن کی آواز سننے سے ہدایت ہوتی ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

احکامِ قرآن کے بارے میں منافقین کا طرزِ عمل

منافقین خود کو مسلمان کہلواتے تھے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس اور جمعہ وغیرہ کے بیانات میں بھی حاضر ہوتے تھے، مگر وہ دین پر عمل کرنے میں کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے، ظاہری طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں غور سے سنتے پھر جب مجلس ختم ہوجاتی تو اہل علم صحابہ سے پوچھتے کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟ ان کا مقصد مذاق اڑانا اور یہ ثابت کرنا ہوتا تھا کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی ضرورت نہیں ہے اس لیے ہم نے کچھ بھی غور سے نہیں سنا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ سنتے تو غور سے تھے مگر چونکہ ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی

تھی اور اپنے نفس کی خواہش کے مطابق انہوں نے اپنا ایک ذہن بنا رکھا تھا اس لیے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں تو اس لیے بعد میں صحابہ کرام سے پوچھتے پھرتے تھے۔

الغرض ان میں تکبر بھی تھا، نفس پرستی بھی تھی اور دین سے بے رغبتی بھی۔ اسی طرح جب وہ آیات سنائی جاتیں جن میں ان کا تذکرہ ہوتا تھا تو وہ منہ موڑتے تھے اور بے توجہی ظاہر کرتے تھے، منافقین جہاد کے موقع پر بھاگتے تھے تو قرآن پاک میں ان کے احوال کھول کھول کر بیان کیے جاتے تھے۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

كانوا يحضرون الخطبة يوم الجمعة فاذا سمعوا ذكر المنافقين فيها أعرضوا عنه فاذا خرجوا سألوا عنه

یعنی یہ لوگ جمعہ کے خطبہ میں حاضر ہوتے تھے پھر جب اس میں منافقین کا تذکرہ سنتے تو اعراض کرتے تھے اور پھر بعد میں دوسروں سے اس کے بارے میں پوچھتے تھے۔ (القرطبی)

آجکل کے مغرب زدہ دانشوروں کو دیکھ لیں، یہ مغربی تعلیم کے اثر سے اپنا ایک مخصوص ذہن بنا کر پھر اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں اور جہاد وغیرہ کے جو احکامات ان کے ذہن کے مطابق نہیں ہوتے ان کی طرف ادنیٰ سی توجہ بھی نہیں کرتے۔ (العیاذ باللہ)

بیان القرآن میں ہے:

اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض آدمی ایسے ہیں مراد اس سے منافقین ہیں وہ آپ کی تبلیغ و تعلیم کے وقت ظاہر میں تو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں لیکن دل سے بالکل متوجہ نہیں ہوتے، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے اٹھ کر مجلس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم صحابہ سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی جب ہم مجلس میں تھے کیا بات فرمائی تھی، ان کا یہ کہنا بھی ایک قسم کا مذاق اڑانے کے لیے تھا اور مقصود یہ جتلانا تھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کو قابل توجہ نہیں سمجھتے، یہ بھی ایک شعبہ نفاق ہی کا تھا، یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے، ہدایت سے دور ہو گئے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور انہی کی قوم میں سے جو لوگ راہ پر ہیں یعنی مسلمان ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو احکام سننے کے وقت اور زیادہ ہدایت عطاء فرماتا ہے کہ وہ نئے نازل ہونے والے احکامات پر بھی ایمان لاتے ہیں، جس سے ان کی ایمانیات میں اضافہ ہوتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو اور زیادہ قوی اور مضبوط کر دیتے ہیں جو کہ نیک اعمال کا خاصہ ہے کہ اس سے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔'' (بیان القرآن تسہیل)

منافقین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں حاضر ہوتے تھے، اسی طرح مغرب زدہ گمراہ دانشور بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں اور دینی کتب پڑھتے ہیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو نہ وہ منافقین مانتے تھے اور نہ یہ دانشور مانتے ہیں۔ وجہ ایک ہی ہے اور وہ ہے اس دنیا کی محبت اور خواہشات کی پیروی۔

اللّٰہم اہدنا الصراط المستقیم

دراصل کفر کے طاقتور ہونے سے نفاق کا فتنہ جڑ پکڑتا ہے، اسی لیے کافروں سے قتال کا حکم دیا گیا تاکہ وہ کمزور ہوجائیں اوران کی قوت اورطاقت سے متاثر ہوکر مسلمانوں میں منافقین پیدا نہ ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

دین کے ہر حکم کو ماننا ضروری ہے

’’دوسری آیت میں اہل ایمان کے انعام کا تذکرہ فرمایا کہ جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہدایت دیتا ہے کہ جیسے جیسے احکام نازل ہوتے ہیں وہ ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور عمل کرتے جاتے ہیں اوراللہ تعالیٰ ان کوان کا تقویٰ نصیب فرماتا ہے کہ احکام پر بھی عمل کرتے ہیں اورجن افعال واعمال سے منع فرمایا ہے ان سے بھی بچتے ہیں‘‘۔(انوارالبیان)

معلوم ہوا کہ پورے دین کو ماننا ضروری ہے اس لیے دین کے حصے کرکے یہ کہنا کہ یہ مکی دین ہے اور یہ مدنی دین ہے اور پھر یہ کہنا کہ فلاں حکم ہمارے لیے نہیں ہے کیونکہ ہم مکی دور میں ہیں یہ سب غلط ہے، مؤمن وہ ہے جو پورے دین کو مانتا ہے اور پورے دین پر عمل کی کوشش کرتا ہے، اوراگر دین کے کسی حکم پر عمل کا بالکل موقع ہی نہ رہے تو اس حکم پر یقین رکھتے ہوئے اس پر عمل کی تمنا رکھتا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۸، ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ

پھر کیا وہ قیامت کا انتظار کرتے ہیں کہ ان پر ناگہاں آئے پس تحقیق اس کی علامتیں تو ظاہر ہو چکی ہیں

فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

پھر جب وہ آگئی تو ان کا سمجھنا کیا فائدہ دے گا۔ پس جان لو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ

اور اپنے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگیے اور اللہ تعالیٰ ہی تمہارے لوٹنے اور

وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع

آرام کرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔

خلاصہ

❶ یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کو سن کر ہر منافق اور کافر کو اپنے کفر اور نفاق اور اسلام کے خلاف سازشوں اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی سے باز آجانا چاہیے۔ بلکہ ان قرآنی دلائل اور زمینی حقائق کی روشنی میں ان لوگوں کو دین اسلام قبول کر لینا چاہیے مگر ان کے کفر و نفاق میں نہ کوئی کمی ہوتی ہے اور نہ ہی یہ اس سے باز آتے نظر آتے ہیں تو پھر کیا یہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ اچانک ان پر آجائے؟ یہ کافر اور منافق قیامت کو دور نہ سمجھیں اور اس کا مذاق نہ اڑائیں، قیامت کی نشانیاں تو ظاہر ہو چکی ہیں، پھر جب قیامت آجائے گی تو اس وقت ان کا نصیحت قبول کرنا فائدہ مند نہیں ہوگا، اس وقت تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ (معارف القرآن کاندھلوی تسہیل)

❷ بہرکیف یہ کفار دعوت توحید مانیں یا نہ مانیں، سنیں یا نہ سنیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پر قائم رہیں اور اپنے لیے اور ایمان والے مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کرتے رہیں، اللہ پاک کو آپ سب کے تمام احوال کی خبر ہے۔ پس کافروں کے ظاہری غلبہ کو دیکھ کر مسلمانوں کو مایوس اور پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ کافروں پر دنیا میں فوری عذاب کیوں نہیں آرہا۔ اور نہ ہی مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جس مغلوبی اور مظلومی کے دور سے وہ آج گزر رہے ہیں وہ کبھی نہیں بدلے گا۔

سارے احوال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اس لیے عارضی اور وقتی احوال کو مستقل نہیں سمجھنا چاہیے۔ (معارف القرآن کاندھلوی تسہیل)

۳ اصل کامیابی کا معیار " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " کلمۂ توحید ہے جو اس کو اختیار کرے گا وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگا۔ اور " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " کا اقرار کرنے والوں سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو وہ استغفار کریں، کلمۂ توحید کا اقرار کرنے والوں کے گناہ استغفار سے معاف ہو جاتے ہیں۔

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہی جہاد کی بنیاد ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فمن قال لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عصم منی ماله ونفسه الا بحقه وحسابه على الله (صحيح بخاری ص ۱۸۱ ج ۲)

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں) کا اقرار کرلیں، اور جس نے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا اقرار کرلیا تو اس نے اپنی جان اور مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا سوائے اسلامی حق کے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

فائدہ

پہلی آیت میں فرمایا کہ جب قیامت آجائے تو اس وقت نصیحت کو ماننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ دوسری آیت میں یہ سمجھایا کہ اگر قیامت سے پہلے سدھرنا چاہتے ہو تو طریقہ موجود ہے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا اقرار کرلو۔ (مفہوم حقانی)

دل کا سکون

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

۱ پچھلی آیات میں مسلمانوں اور کافروں کے احوال بیان فرمائے (کہ مسلمانوں کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی اور کافروں کے لیے دنیا و آخرت کی ناکامی ہے) تو اب اس آیت میں توحید پر ثابت قدمی کا حکم فرمایا (کہ یہی کامیابی کا مدار ہے)

لما ذكر له حال الكافرين والمؤمنين امره بالثبات على الايمان (القرطبی)

تفسیر مظہری میں ہے:

فَاعْلَمْ میں ف سببیہ ہے، یعنی جب آپ کو مؤمنوں کا خوش نصیب ہونا اور کافروں کا بدنصیب ہونا معلوم ہوگیا تو آپ کو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نفس کی اصلاح احوال و اعمال کا جو علم حاصل ہوگیا ہے اس پر جمے رہیے۔ (مظہری)

۲ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مبارک کافروں کا کفر اور منافقوں کا نفاق (اور ان کی سازشیں اور شرارتیں) دیکھ کر تنگ ہوتا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی آپ کی پریشانیاں دور فرمائے گا۔

وقیل: کان علیہ السلام یضیق صدرہ عن کفر الکفار والمنافقین، فنزلت الآیۃ ای فاعلم انہ لا کاشف یکشف مابک الا اللہ، فلا تعلق قلبک بأحد سواہ (القرطبی)

ان دو آیات کے خاص مضامین

❶ علاماتِ قیامت۔ اکثر مفسرین حضرات نے آیت ⓲ کی تفسیر میں علاماتِ قیامت میں سے بعض کو بیان فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے: ابن کثیر، قرطبی، مظہری، روح المعانی

❷ اس دنیا کی عمر۔ اس دنیا کی عمر کتنی ہے اور قیامت کب تک آسکتی ہے (حقیقی علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے) علامہ آلوسیؒ نے آیت ⓲ کی تفسیر میں اس پر مفصل ومدلل کلام فرمایا ہے اور اس بارے میں حساب دانوں کے تخمینوں کو غلط قرار دیا ہے آخر میں انہوں نے یہ جملہ لکھا ہے:

والحزم الجزم بانہ لا یعلم ذلک الا اللطیف الخبیر کہ یقینی اور پکی بات یہ ہے کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

❸ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری علاماتِ قیامت میں سے ایک اہم علامت ہے اس لیے کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کی امت آخری امت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت ہے۔ کئی مفسرین حضرات نے مختصراً یہ مضمون بیان فرمایا ہے۔

❹ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے ناموں سے پکارا جائے گا۔

اِذَا جَآءَتۡهُمۡ ذِكۡرٰىهُمۡ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے۔ اس لیے حدیث پاک میں اچھے نام رکھنے کی ترغیب ہے۔ امام قرطبیؒ نے اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے۔

❺ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معانی اور معارف۔ اس پر علامہ آلوسیؒ نے کئی صفحات لکھے ہیں۔

❻ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور استغفار کی کثرت کے فضائل کئی مفسرین حضرات نے لکھے ہیں خصوصاً ابن کثیر اور مظہری ملاحظہ فرمائیں۔

❼ استغفار کے فضائل۔ یہ اکثر مفسرین نے تحریر فرمائے ہیں، زیادہ تفصیل تفسیر مظہری اور ابن کثیر میں ہے۔

❽ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کا کیا مطلب ہے؟ حضرات مفسرین نے اس پر مفصل کلام فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں روح المعانی، مظہری، بیان القرآن۔

❾ استغفار کے مختلف صیغے۔ امام ابن کثیرؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے کئی الفاظ بیان فرمائے ہیں۔

❿ علم، عمل سے مقدم ہے۔ امام نسفیؒ اور امام قرطبیؒ نے فَاعۡلَمۡ کے لفظ سے حضرت سفیان بن عیینہؒ کے حوالے سے یہ مضمون بیان فرمایا ہے۔

⓫ مُتَقَلَّبَكُمۡ وَمَثۡوٰىكُمۡ کے کیا معنیٰ ہیں۔ امام قرطبی ودیگر مفسرین نے پانچ اقوال تحریر فرمائے ہیں۔

آسان تفسیر

آیت ⑱ یعنی قرآن کی نصیحتیں، گزشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں اور جنت وجہنم کے وعدہ وعید سب سن چکے، اب ماننے کے لیے کس وقت کا انتظار ہے۔ یہی کہ قیامت کی گھڑی ان کے سر پر اچانک آ کھڑی ہو، سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آ چکیں اور جب خود قیامت آ کھڑی ہوگی اس وقت ان کے لیے سمجھ حاصل کرنے اور ماننے کا موقع کہاں باقی رہے گا؟ یعنی وہ سمجھنا اور ماننا بے کار ہے، کیونکہ اس پر نجات نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ صاحب ؒ لکھتے ہیں:

”بڑی نشانی قیامت کی ہمارے نبی ﷺ کا پیدا ہونا ہے۔ سب نبی خاتم النبیین کی راہ دیکھتے تھے، جب وہ آ چکے (مقصود تخلیق عالم کا حاصل ہو چکا) اب قیامت ہی باقی ہے حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "انا والساعة کھاتین" (میں اور قیامت اس طرح ہیں) گویا میں قیامت سے اتنا آگے نکل آیا ہوں جتنا بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے آگے نکلی ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت ⑲ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں: امر بالاستغفار مع انه مغفور له لیستن به امته یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دیا گیا حالانکہ آپ بخشے ہوئے ہیں، تاکہ امت آپ کی اتباع کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میرے دل پر میل سا آتا ہے اور بے شک میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ سو دفعہ استغفار کرتا ہوں، اور بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مجلس میں سو مرتبہ استغفار فرماتے تھے۔

صاحب معالم التنزیل مزید لکھتے ہیں: ھذا اکرام من اللہ تعالیٰ لھذہ الامة حیث امر نبیھم ان یستغفر لذنوبھم وھو الشفیع المجاب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کا اکرام ہے کہ ان کے نبی کو حکم فرمایا کہ ان کے گناہوں کے لیے استغفار کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کرنے والا بھی بنایا اور شفاعت قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا۔ (معالم التنزیل)

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ (یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے)

① متقلب یعنی دنیوی مشاغل کے لیے گھومنا پھرنا اور مثویٰ آخرت میں جنت یا جہنم کی طرف جانا۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہما)

② مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد دن میں کاروبار میں مشغول رہنا اور مَثْوٰىكُمْ سے مراد رات کو خواب گاہوں میں بستروں پر جانا (مقاتل، ابن جریر)

③ مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد باپ کی پیٹھ سے ماں کے رحم میں آنا اور مَثْوٰىكُمْ سے مراد زمین پر ٹھہرنا، قیام کرنا (عکرمہؒ)

④ مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد باپ کی پیٹھ سے ماں کے شکم میں آنا اور مَثْوٰىكُمْ سے مراد قبروں میں قیام کرنا۔ (ابن کیسان)

بہرحال مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال (اور انجام) کو جانتا ہے اس سے تمہاری کوئی حالت

پوشیدہ نہیں اس لیے اس سے ڈرتے رہو۔ (مظہری)

شیطان کی کمر توڑنے والا عمل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور استغفار کو لازم پکڑو اور ان کی کثرت کرو، بے شک ابلیس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہوں کے ذریعے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور استغفار کے ذریعے ہلاک کیا، پھر جب میں نے یہ صورتحال دیکھی تو میں نے انہیں خواہشات کے ذریعے ہلاک کیا اور وہ خود کو ہدایت یافتہ سمجھتے رہے (یعنی استغفار سے رُک گئے) (تفسیر ابن کثیر)

سُوۡرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۰

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَتۡ سُوۡرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ

اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے کوئی سورت کیوں نہیں نازل ہوئی سو جس وقت کوئی صاف (مضمون کی) سورت نازل

مُّحۡكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيۡهَا الۡقِتَالُ ۙ رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ

ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ

يَّنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ نَظَرَ الۡمَغۡشِىِّ عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ فَاَوۡلٰى لَهُمۡ ۝۲۰

وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو پس ایسے لوگوں کیلئے تباہی ہے۔

خلاصہ

❶ ایمان والوں اور منافقوں میں فرق کہ ایمان والے جہاد کا بہت شوق رکھتے ہیں، جبکہ منافقوں پر جہاد کا حکم سنتے ہی بے ہوشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔

❷ قرآن پاک کی ہر وہ سورۃ جس میں جہاد کا حکم ہو وہ ''سورۃ محکمۃ'' کہلاتی ہے کیونکہ جہاد کا حکم قطعی ہے جو قیامت تک کے لیے ہے اور اسکے منسوخ ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ (امام قتادہؒ)

❸ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے مخلص مسلمان اس اشتیاق میں رہتے تھے کہ جہاد کا حکم نازل ہو۔ کیونکہ جہاد میں اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی اور بے حد اجر وثواب ہے۔

مسلمانوں میں جہاد کی انتہائی خواہش

تفسیر مظہری میں ہے:

جہاد کی انتہائی خواہش کی وجہ سے مسلمان کہتے ہیں کوئی ایسی سورۃ کیوں نہیں نازل کی گئی جس میں جہاد کا حکم ہو۔

سُوۡرَةٌ مُّحۡكَمَةٌ کا معنی بعض علماء کے نزدیک یہ ہے کہ اس میں جہاد کی فرضیت کے علاوہ کسی اور معنی کا احتمال ہی نہیں ہے (یعنی کسی بھی صحیح تاویل کے ذریعے جہاد کے علاوہ کوئی اور معنی مراد نہیں لیے جاسکتے)

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ سُوۡرَةٌ مُّحۡكَمَةٌ وہ ہے، جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو، حکم جہاد قیامت تک جاری رہے گا، جہاد کا حکم جس سورۃ میں نازل ہوا منافقوں پر اس سورۃ کا نزول سارے قرآن سے زیادہ شاق اور دشوار ہوا۔ (مظہری)

جہاد کا حرص

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

مخلص مسلمان وحی کے شوق اور جہاد اور اس کے اجر کے حرص میں کہتے تھے کہ کوئی سورۃ کیوں نہیں نازل ہوتی

(جس میں جہاد کا حکم ہو) پھر جب کوئی محکم سورۃ نازل ہوتی ہے، محکم وہ سورۃ جو منسوخ نہ ہو، قتادہؒ فرماتے ہر وہ سورۃ جس میں جہاد کا ذکر ہو وہ محکم ہے اور ایسی سورتیں منافقین پر بہت بھاری پڑتی ہیں۔ منافقین جہاد والی سورۃ سن کر بے ہوش آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ جہاد میں نکلنے سے ڈرتے تھے، بزدل تھے اور اندر اندر سے کافروں کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا ای المؤمنون المخلصون لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ اشتیاقا للوحی وحرصا علی الجهاد وثوابه ومعنی "لولا" هلاّ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ لانسخ فیها قال قتادة کل سورة ذکر فیها الجهاد فهی محکمة وهی اشد القرآن علی المنافقین يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ

وذلک لجبنهم عن القتال جزعاً وهلعاً ولمیلهم فی السّر الی الکفار (القرطبی)

مسلمان تو جہاد کے حکم کا انتظار کرتے ہیں

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

جہاد کے عظیم اجر و ثواب کو دیکھ کر جہاد کے بہت زیادہ شوق کی وجہ سے سچے ایمان والے کہتے تھے کہ ایسی سورۃ کیوں نہیں نازل ہوتی جس میں جہاد کا حکم ہو۔ پھر جب ایسی محکمہ سورۃ نازل ہوتی جس میں جہاد کا باقاعدہ حکم ہوتا تو وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا یا دین میں کمزوری کا مرض ہے آپ کو یوں دیکھتے ہیں جس طرح قریب الموت شخص دیکھتا ہے۔ یعنی خوف اور بزدلی کی وجہ سے ان کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں۔

محکمہ سے مراد ایسی سورۃ جو بالکل واضح ہو اور اس میں قتال کی فرضیت کے علاوہ کسی اور معنیٰ کا احتمال نہ ہو، زمخشریؒ نے اس کی تفسیر اس سورۃ سے کی ہے جس کے احکام منسوخ نہ ہوں اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ سورۃ جس میں قتال کا حکم ہو وہ محکم سورۃ ہے اور وہ منافقین پر بہت بھاری ہے۔ حضرت قتادہؒ نے یہ بات پورے قرآن پاک میں غور کرکے بیان کی ہے، صرف اسی آیت کو دیکھ کر نہیں۔ اور یہ بات بالکل پکی ہے کہ قتال والی آیات منسوخ نہیں ہوئیں اور ان کا حکم قیامت تک باقی ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا حرصا علی الجهاد لما فیه من الثواب الجزیل فالمراد بهم المؤمنون الصادقون لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ای هلاّ انزلت سورة یؤمر فیها بالجهاد. فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ای بطریق الأمر به والمراد بمحکمة مبینة لاتشابه ولا احتمال فیها لوجه آخر سوی وجوب القتال وفسرها الزمحشری بغیر منسوخة الاحکام. وعن قتادة کل سورة فیها القتال فهی محکمة وهو اشد القرآن علی المنافقین وهذا أمر استقرأه قتادة من القرآن لا بخصوصیة هذه الآیة والمتحقق أن آیات القتال غیر منسوخة وحکمها باق الی یوم القیمة. (روح المعانی)

منافقین قتال کے حکم میں تاویل نہیں کر سکتے تھے

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

فَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ

پھر جس وقت کوئی صاف سورۃ نازل ہوتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے۔ یعنی جب ایسی واضح اور پکی سورۃ نازل ہوتی ہے کہ جس میں نہ تو منافق یہ تاویل کر سکتے ہیں کہ اس میں قتال کا معنی مراد نہیں ہے اور نہ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے، اس لیے ہم قتال نہیں کرتے۔

محکمة فيها فائدة زائدة من حيث انهم لا يمكنهم ان يقولوا المراد غير ما يظهر منه او يقولوا هذه آية قد نسخت فلا نقاتل. (تفسیر کبیر)

جہاد کا حکم سنتے ہی منافقوں کا برا حال

انوار البیان میں ہے:

''ان آیات میں اہل ایمان کا ''شوق جہاد'' اور منافقین کا ''حکم جہاد'' سن کر گھبراہٹ اور پریشانی میں پڑنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی نئی سورۃ کیوں نازل نہ ہوئی، یہ احکام جدیدہ کے نازل ہونے اور ان پر عمل کرنے کے اشتیاق میں کہہ دیتے تھے، جب کوئی بھی سورۃ نازل ہوتی تو ایمان والے خوش ہو جاتے تھے لیکن جو منافقین تھے وہ نزول احکام سے ڈرتے تھے، خصوصاً جب کسی سورۃ میں قتال کا حکم نازل ہوتا تو بس ان کا برا حال ہو جاتا تھا۔ ان کے دلوں میں مرض یعنی نفاق تھا، نہ سچے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے تھے، نہ قرآن کو مانتے تھے، نہ وقوع قیامت کا یقین رکھتے تھے، لہٰذا جہاد والی سورۃ کا مضمون سن کر گھبرا اٹھتے تھے اور اس کا اثر ان کے چہروں سے ظاہر ہو جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیانک نظروں سے اس طرح دیکھتے تھے جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو جائے۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ اب رکھ رکھاؤ کے لیے جہاد میں جانا ہی پڑے گا، دل چاہتا نہیں، لیکن شریک ہونا ہی ہے، بددلی کی شرکت تو مستقل عذاب اور اگر میدان جہاد میں مقتول ہوں تو یہ اس سے بڑا عذاب ہو گیا۔ اسی کو فرمایا فَأَوْلَىٰ لَهُمْ کہ عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے۔'' (انوار البیان)

جہاد کا حکم منافقوں پر بھاری ہے

تفسیر عثمانی میں ہے:

''حضرت شاہ صاحبؒ (موضح القرآن میں) لکھتے ہیں:

مسلمان سورۃ مانگتے تھے یعنی کافروں کی ایذاء سے عاجز ہو کر آرزو کرتے کہ اللہ تعالیٰ جہاد کا حکم دے تو جو ہم سے ہو سکے کر گزریں، جب جہاد کا حکم آیا تو منافق اور کچے لوگوں پر بھاری ہوا، خوفزدہ اور بے رونق آنکھوں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنے لگے کہ کاش ہم کو اس حکم سے معاف رکھیں، بے حد خوف میں بھی آنکھ کی رونق نہیں رہتی، جیسے مرتے وقت آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

مسلمان اسلام کے غلبے کی خاطر جہاد کے حریص

امام ابوحیانؒ لکھتے ہیں:

ایمان والے اسلام کے غلبے اور اس کے کلمے کی بلندی کا بہت شوق رکھتے تھے اور اس کی خاطر دشمنوں سے لڑنے کی تمنا رکھتے تھے، وہ وحی سے اُنس رکھتے تھے اور جب وحی میں تاخیر ہوتی تو پریشان ہو جاتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ کے نازل ہونے کے بارے میں ان کی تمنا کی تعریف فرمائی، مطلب یہ ہے کہ مسلمان تمنا رکھتے تھے کہ ان کو دشمنوں سے لڑنے کا حکم دیا جائے اور منافقوں کی رُسوائی ہو۔

کان المؤمنون حریصین علی ظھور الاسلام وعلو کلمته وتمنی قتل العدو، وکانوا یستأنسون بالوحی ویستوحشون اذا ابطأ۔ فمدح تعالیٰ المؤمنین بطلبھم انزال سورۃ، والمعنیٰ تتضمن امرنا بالمجاھدۃ العدو وفضح امر المنافقین۔ (البحر المحیط)

مسلمان جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو رکھتے ہیں

گزشتہ آیات میں سعادتمند اہل ایمان اور ان کی مقبولیت عند اللہ کا ذکر تھا۔ اور یہ کہ مجرمین کا انجام ہلاکت اور دین و دنیا کی ذلت اور رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں، تو اب ان آیات میں یہ ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ مؤمنین مخلصین کا جذبہ کس قدر پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا دین قائم کرنے کے لیے کس طرح سے جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو کرتے ہیں، مگر اس کے برعکس منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہوتا ہے وہ کس کس طرح دین اور احکام دین کی پیروی کرنے سے گریز کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی بداعمالیوں اور فساد فی الارض کو بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کا پھر اعادہ کیا گیا کہ انسانی سعادت اور کامیابی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری میں ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

”اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ اتاری گئی ایک سورۃ خاص طور سے جس میں جہاد کی اجازت دے دی جائے اور احکام جہاد کی تفصیل بیان کر دی جائے“ حضرات صحابہؓ جہاد کی فرضیت سے قبل اس کی تمنا اور طلب میں تھے جس کے لیے سب سے پہلے أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا نازل کی گئی، یہ تو جذبہ اہل ایمان کا تھا لیکن پھر جب نازل کی گئی ایک سورۃ جانچی ہوئی جو اپنے ٹھیک وقت پر اتاری گئی اور جس میں جچے تلے احکام تھے اور اس میں ذکر ہوا قتال کا تو وہ حیرانی اور بدحواسی کے عالم میں آپ کی طرف دیکھتے ہیں اس شخص کی طرح دیکھنا جس پر موت کے وقت کی غشی طاری ہوئی ہو کہ خوفزدہ ہو کر پھٹی پھٹی بے رونق آنکھوں سے دیکھتا ہے، جیسے کہ مرتے وقت انسان کی آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے۔ پس ہلاکت و بربادی ہے ان کے واسطے جو نفاق اور ضعف ایمان کی وجہ سے اسی طرح کی کیفیات میں مبتلا ہیں۔“ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

طلبہ علم کے لیے آسان تفسیر

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فیھا ذکر الجھاد فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فی معنی

الجهاد محكمة مبينة غير متشابهة لا تحتمل وجها الا وجوب القتال وعن قتادة: كل سورة فيها ذكر القتال فهي محكمة لان النسخ لا يرد عليها من قبل ان القتال نسخ ما كان من الصفح والمهادنة وهو غير منسوخ الى يوم القيامة وَّذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ اى امر فيها بالجهاد رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ نفاق اى رأيت المنافقين فيما بينهم يضجرون منها يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ اى تشخص ابصارهم جبنا وجزعا كما ينظر من اصابه الغشية عند الموت فَأَوْلَىٰ لَهُمْ وعيد بمعنى فويل لهم وهو افعل من الولى وهو القرب ومعناه الدعاء عليهم بان يليهم المكروه. (المدارك)

فَأَوْلَىٰ لَهُمْ کا ایک معنیٰ تو اس عبارت سے معلوم ہوگیا۔ جبکہ اصمعیؒ فرماتے ہیں فَأَوْلَىٰ لَهُمْ کے معنیٰ قاربه ما يهلكه یعنی ان کی ہلاکت کے اسباب قریب آچکے ہیں۔ (القرطبی)

آئینہ

اس آیت مبارکہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ

1. اہل ایمان جہاد کا شوق اور جذبہ رکھتے ہیں
2. وہ ان آیتوں سے خوش ہوتے ہیں جن میں جہاد کا حکم ہے
3. منافقین آیات جہاد سن کر بے حد پریشانی اور تکلیف محسوس کرتے ہیں اور یہ تکلیف ان کے چہروں سے ظاہر ہوتی ہے
4. جہاد سے نفرت رکھنے والوں کے لیے ہلاکت اور بربادی کی بددعاء ہے
5. آیت مبارکہ میں لفظ ''القتال'' استعمال ہوا ہے یعنی اس سے فرض جہاد مراد ہے جو قتال کے معنیٰ میں آتا ہے

اب ہر مسلمان اس آیت مبارکہ کو آئینہ بنا کر اس میں اپنا دل اور چہرہ دیکھے۔ اگر جہاد کا شوق ہے، جہاد کی آیتیں سن کر دل خوش ہوتا ہے تو یہ ایمان کی علامت ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر جہاد کا شوق دل میں نہیں ہے اور جہاد کی آیتیں سن کر پریشانی ہوتی ہے تو پھر نفاق کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ اور اپنی حالت پر خوب گریہ وزاری کر کے استغفار کرے۔ کیونکہ نفاق بہت بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نفاق سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سورۃ محمد مدنیۃ آیت ۲۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ

حکم ماننا اور نیک بات کہنا (لازم ہے) پس جب بات قرار پا جائے تو اگر وہ اللہ تعالیٰ سے سچے رہے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾

تو ان کیلئے بہتر ہے۔

خلاصہ

❶ صرف اسلام کا زبانی دعویٰ کرنے سے کام نہیں بنتا بلکہ ان منافقین پر لازم ہے کہ اطاعت کریں اور اچھی بات کریں۔

❷ اور جب جہاد کا تاکیدی حکم آجائے تو جہاد میں نکل کر اپنے ایمان کی سچائی ثابت کریں۔ ان کا فائدہ اور بھلائی اسی میں ہے، نہ کہ جہاد سے بھاگنے میں۔

آسان تفسیر

❶ ’’یعنی ظاہر میں یہ لوگ فرمانبرداری کا اظہار اور زبان سے اسلام اور احکام اسلام کا اقرار کرتے ہیں، مگر کام کی بات یہ ہے کہ عملاً اللہ اور رسول کا حکم مانیں اور بات اچھی اور معقول کہیں، پھر جب جہاد وغیرہ میں کام کی تاکید اور زور آپڑے اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے سچے ثابت ہوں تو یہ صورت ان کی بہتری اور بھلائی کی ہوگی، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

’’یعنی حکم شرع کو نہ ماننے سے کافر ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہر طرح ماننا ہی چاہیے، پھر رسول بھی جانتا ہے کہ نامردوں (یعنی بزدلوں) کو کیوں لڑوائے، ہاں جب بہت ہی تاکید آپڑے، اسی وقت لڑنا ضروری ہوگا، نہیں تو لڑنے والے بہت ہیں‘‘ (عثمانی)

❷ ’’یعنی منافقین کو چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نازل ہو تو تنگ دل ہونے کی بجائے کہیں کہ ہمارا کام فرمانبرداری کرنا اور اچھی بات کہنا ہے، یعنی دل سے اور زبان سے تسلیم کرنا ہے۔

قال صاحب معالم التنزیل ای لو اطاعوا وقالوا قولا معرو فا کان امثل واحسن، ثم قال وقیل ھو متصل بما قبلہ واللام بمعنی الباء فاولیٰ بھم طاعۃ اللہ ورسولہ وقول معروف بالاجابۃ وھذا قول ابن عباس فی روایۃ عطاء (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں یعنی اگر وہ اطاعت

کرتے اور اچھی بات کہتے تو بہت ہی درست اور بہتر ہوتا پھر کہا کہ بعض کے نزدیک یہ جملہ پچھلی آیت میں فَاَوْلٰى لَهُمْ

سے جڑا ہوا ہے۔ یعنی ان کے لائق یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے اور حکم کو قبول کر کے اچھی بات کہتے)

فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ : پھر جب مضبوطی کے ساتھ حکم آ گیا، یعنی جہاد کرنے کا واقعی حکم ہو گیا تو اس وقت یہ لوگ اپنے دعویٰ ایمان اور دعویٰ فرمانبرداری میں سچے ہوتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔'' (انوار البیان)

منافقوں کی چند عادتیں

آیت مبارکہ کی تفسیر سے منافقوں کی چند عادتیں معلوم ہوئیں:

۱ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھیک طرح سے فرمانبرداری نہیں کرتے تھے خصوصاً جہاد کے حکم میں

۲ نافرمانی کرنے کے ساتھ ساتھ الٹی اور غلط باتیں بھی کرتے تھے۔ یہ بے عمل اور بدعمل لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ اپنی صفائی دینے کے لیے عمل کرنے والوں اور عمل کا حکم دینے والوں پر الٹی باتیں بناتے ہیں

۳ جہاد کا تاکیدی معاملہ طے ہو جانے کے بعد بھاگ کھڑے ہوتے تھے، جیسے غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، کئی طرح کے مشورے سامنے آئے مگر طے یہی بات ہوئی کہ باہر نکل کر لڑنا چاہئے تو اس وقت یہ منافق پیچھے ہٹ گئے

۴ نفاق سے حفاظت کا بڑا طریقہ عملی جہاد میں شرکت ہے، اسی لیے فرمایا کہ اگر یہ لوگ جہاد میں نکل کر خود کو سچا ثابت کر دیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا یعنی اس صورت میں ان کے پچھلے گناہ اور نفاق کی معافی کا ذریعہ ہو جائے گا (یہ بات بیان القرآن کے حوالے سے آگے آنے والی ہے)

۵ منافق مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتے تھے مگر ایمان کے اہم تقاضے جہاد فی سبیل اللہ سے بھاگتے تھے

اللّٰهم انا نعوذ بك من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق

جہاد میں صدق دل سے نکلنا توبہ کی علامت ہے

بیان القرآن میں ہے:

''فرصت (یعنی عام حالات) میں یہ بہت باتیں اطاعت اور خوشامد کی بنایا کرتے تھے لیکن ان کی اطاعت اور بات چیت کی حقیقت معلوم ہے جس کا اب نزولِ حکم قتال کے وقت ان کی حالت سے سب ہی پر ظہور ہو گیا پھر جب بعد نزولِ حکمِ جہاد کے جب سارا کام اور سامان لڑائی کا تیار ہی ہو جاتا ہے تو اس وقت بھی اگر یہ لوگ دعویٰ ایمان باللہ میں اللہ تعالیٰ سے سچے رہتے یعنی دعویٰ ایمان کے مقتضاء پر عمل کرتے جس میں تمام احکام شرعیہ عموماً اور حکم جہاد خصوصاً شامل ہے اور صدق دل سے جہاد کرتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا، یعنی ابتداء میں اگر منافق تھے تو اخیر ہی میں نفاق سے تائب ہو جاتے تب بھی ایمان مقبول ہو جاتا''۔ (بیان القرآن)

آیت مبارکہ میں فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے ہونے سے مراد جہاد میں شرکت ہے۔

پس اس آیت سے بھی دیگر کئی آیات کی طرح معلوم ہوا کہ جہاد مؤمن کے صدق یعنی سچا ہونے کی نشانی ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

ایک تفسیری قول

امام ابن کثیرؒ کے نزدیک اس آیت کا تعلق پچھلی آیت کے جملے فَأَوْلَىٰ لَهُمْ سے ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فَأَوْلَىٰ لَهُمْ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ

ای وکان الاولیٰ بھم ان یسمعوا ویطیعوا

یعنی ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ حکم کو سنتے اور عمل کرتے (تفسیر ابن کثیرؒ)

سُوْرَةُ مُحَمَّد مَدَنِيَّة آیت ۲۲،۲۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم ملک کے حاکم ہو جاؤ تو ملک میں فساد مچانے اور قطع رحمی

اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

کرنے لگو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے پھر انہیں بہرہ اور اندھا بھی کردیا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ: ۱ جہاد چھوڑ دو گے تو زمین میں بہت فساد، خون خرابہ اور ظلم عام ہو جائے گا۔

خلاصہ: ۲ اے منافقو! اگر تم جہاد سے اعراض یعنی (روگردانی) کرو گے تو تم سے یہی توقع ہے کہ تم اپنی منافقانہ شرارتوں سے زمین میں خرابی مچاؤ گے اور جن مسلمانوں سے تمہاری قرابت داری ہے اس کی پروانہ کرتے ہوئے کھلم کھلا کافروں کے مددگار بنو گے۔

خلاصہ: ۳ ابھی جہاد کی تمنا کرتے ہو اگر جہاد کی برکت سے تمہیں حکومت اور اقتدار مل جائے تو زمین پر ظلم و فساد برپا نہ کرنا اور قطع رحمی نہ کرنا۔

خلاصہ: ۴ اگر تم جہاد نہیں کرو گے تو تم پر اپنا کوئی حاکم نہیں رہے گا اور دشمنوں کے شر سے حفاظت کی کوئی صورت نہیں رہے گی تو افراتفری کے اس زمانے میں تم آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑو گے، فساد مچاؤ گے اور رشتہ داری اور قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کرو گے۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاد و قتال نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں اجتماعیت اور امارت ختم ہو جاتی ہے تو وہ ہزاروں مصائب اور آفات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ: ۵ اگر تم دین سے اور قرآن سے روگردانی کرو گے تو جیسے زمانہ جاہلیت میں تھے ممکن ہے ویسے ہو جاؤ

خلاصہ

آیت ۲۳ : یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کردی ہے اس لیے یہ بہرے ہو گئے ہیں کہ فوائد جہاد کو نہیں سنتے اور اندھے بھی ہیں کہ خود بھی اس کے فوائد نہیں دیکھتے۔

جہاد نہ ہو تو فساد ہی فساد

آیت مبارکہ کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ جہاد کی برکت سے امن قائم ہوتا ہے اور مسلمانوں میں جوڑ اور اتحاد رہتا ہے، جہاد نہ ہو تو فساد، خون خرابہ اور تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے۔

آج مسلمان اپنے داخلی حالات دیکھ لیں تو منظر بالکل اسی آیت مبارکہ والا نظر آتا ہے۔

منافق حکمران

آیت مبارکہ کے ایک تفسیری قول سے معلوم ہوتا ہے اور امام ابوحیانؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ جہاد سے بھاگنے والے منافقوں کو اگر حکومت اور اقتدار مل جائے تو پھر وہ خوب فساد مچاتے ہیں، قتل وغارت کرتے ہیں، مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی مدد کرتے ہیں۔ آجکل اسلامی دنیا کے حکمران کافروں کیخلاف جہاد سے سخت نفرت رکھتے ہیں جبکہ اپنے مسلمان عوام کو دن رات مارتے اور کاٹتے ہیں۔ قرآن پاک نے کیسا واضح اور صاف نقشہ کھینچ دیا ہے۔

آیت مبارکہ کے ان تمام مطالب کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے یہ چند عبارتیں:

جہاد سے عدل و انصاف اور امن قائم ہوتا ہے

”اس آیت میں جہاد کے حکم کی تاکید ہے اور جہاد چھوڑنے والوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ جہاد چھوڑنے میں ایک ظاہری دنیوی نقصان بھی ہے۔ چنانچہ منافقین کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ تم لوگ جو جہاد سے کراہت کرتے ہو اس میں تمہارا دنیوی نقصان بھی ہے، چنانچہ اگر تم سب جہاد سے کنارہ کش (یعنی دور) رہو تو تمہیں اس بات کا احتمال ہونا چاہئے کہ تم سب آدمی دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کردو۔ یعنی جہاد میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عدل واصلاح اور امن کا نظام قائم ہوتا ہے۔ اس لیے اگر جہاد کو چھوڑ دیا جائے تو فسادی لوگوں کا غلبہ ہوجائے اور کوئی انتظام جس میں تمام لوگوں کے مصالح کی حفاظت ہونہ رہے، پس جب ایسا انتظام نہ ہوگا تو فساد عام ہوگا اور حقوق ضائع کیے جائیں گے۔ اگرچہ کوئی جاہل آدمی جہاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہتا پھرے کہ چونکہ لڑائی نہیں ہے اس لیے امن قائم ہے۔ حالانکہ جس جگہ لوگوں کے اصلی حقوق تلف ہوں وہاں امن تو نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ جہاد میں دنیوی فائدہ بھی ہے تو ایسے مفید عمل کو چھوڑنا اور اس سے پیچھے ہٹنا اور بھی عجیب ہے۔ (مفہوم بیان القرآن)

جہاد میں مسلمانوں کا ساتھ نہ دینا ”فساد“ ہے

امام ابوحیان لکھتے ہیں:

آیت مبارکہ میں منافقین سے جہاد کے بارے میں خطاب ہے کہ اے منافقو! اگر تم اللہ تعالیٰ کا جہاد والا حکم نہیں مانو گے اور اہل اسلام کی مدد نہ کرکے زمین میں فساد پھیلاؤ گے تو تم قطع رحمی کرنے والے بنو گے، کیونکہ تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان قرابت داری کا رشتہ بھی ہے۔

والأظهر أن ذلك خطاب للمنافقين فی امر القتال، وهو الذی سبقت الآيات فيه، ای: ان اعرضتم عن امتثال امر الله فی القتال، وان تفسدوا فی الارض بعدم معونة اهل الاسلام، فاذا لم تعينوهم قطعتم مابينكم وبينهم صلة الرحم (البحر المحيط)

منافقین کافروں کے مددگار

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

”یعنی جان سے تنگ ہو کر جہاد کی آرزو کرتے ہو اور اگر اللہ تعالیٰ تم ہی کو غالب کر دے تو فساد نہ کرنا“ (موضح القرآن)

(یعنی مجاہدین کو نصیحت ہے کہ جہاد کی برکت سے جو قوت اور طاقت اور اقتدار ملے اس کو غلط استعمال نہ کریں، فساد برپا نہ کریں)

”یعنی حکومت واقتدار کے نشہ میں لوگ عموماً اعتدال وانصاف پر قائم نہیں رہا کرتے، دنیا کی حرص اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ پھر جاہ ومال کی کشمکش اور غرض پرستی میں جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں، جن کا آخری نتیجہ ہوتا ہے عام فتنہ وفساد اور ایک دوسرے سے قطع تعلق۔

(**تنبیہ**) حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے تَوَلَّيْتُمْ کا ترجمہ حکومت مل جانے سے کیا ہے، جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے، دوسرے علماء ”تولّی“ کو بمعنی اعراض (یعنی روگردانی) لے کر یوں مطلب لیتے ہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو ظاہر ہے دنیا میں امن وانصاف نہ رہے گا، تو ظاہر ہے فساد، بدامنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہوگا۔ اور بعض نے اس طرح تفسیر کی ہے کہ اگر تم ایمان لانے سے اعراض کرو گے تو زمانہ جاہلیت کی کیفیت عود کر آئے گی، جو خرابیاں اور فساد اس وقت تھے اور ادنیٰ ادنیٰ بات پر رشتے ناتے قطع ہو جاتے تھے، وہ ہی سب نقشہ پھر قائم ہو جائے گا، اور اگر آیت میں خاص منافقین سے خطاب مانا جائے تو ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر جہاد سے اعراض کرو گے تو تم سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں خرابی مچاؤ گے اور جن مسلمانوں سے تمہاری قرابتیں ہیں ان کی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے کھلے کافروں کے مددگار بنو گے۔ (عثمانی، تسہیل)

ایک سخت تنبیہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک قول کے مطابق اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اب تو تم حق کی خاطر اور دین کی خاطر جہاد کرنے سے بھاگتے ہو، روگردانی کرتے ہو اس کے بدلے میں ایسا ہو سکتا ہے کہ تم پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جائیں پھر وہ تم سے فساد کی خاطر لڑائیاں کروائیں گے اور تم اس وقت ظلم، فساد اور قطع رحمی کی خاطر لڑو گے۔

اس تفسیری قول کے مطابق اگر حالات پر غور کیا جائے تو بالکل واضح نقشہ نظر آتا ہے کہ جو لوگ جہاد میں لڑنے کو غلط قرار دیتے ہیں وہی لوگ کافروں اور ظالموں کی خاطر لڑتے ہیں اور اپنی زندگیاں بربادی اور ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

وقیل: المعنیٰ تولاکم ولاۃ غشمۃ خرجتم معھم ومشیتم تحت لواء ھم وافسدتم

بافسادھم۔ (روح المعانی)

جہاد اور امیر سے محرومی ہزاروں مصیبتوں کا سبب ہے

تفسیر حقانی میں امام رازیؒ کی تحقیق کو لیا ہے اور ایک قول مزید بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے یہ سبق آموز عبارت:

"جہاد کے بارے میں منافق ایک عذر یہ بھی کیا کرتے تھے کہ ہم عربوں سے کیسے لڑیں؟ ہماری ان سے قرابت داری ہے اور قرابت داری کو توڑنا اور لڑ بھڑ کر فساد مچانا کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لیے ہم جہاد سے عذر کرتے ہیں۔ ان کی بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا فَهَلْ عَسَيْتُمْ الخ اگر خود تمہیں حکومت مل جائے تو پھر دیکھو تم کس قدر فساد کرتے اور قطع رحمی کرتے ہو تَوَلَّيْتُمْ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ اس کو ولایت سے مأخوذ قرار دیا جائے یعنی تم والی اور مالک ہو جاؤ۔ دوسرے یہ کہ اس کو تولّی بمعنیٰ فرار سے مأخوذ مانا جائے تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم جہاد سے پھر جاؤ گے اور تم پر اپنا کوئی حاکم نہ رہے گا، مخالفوں کے شر سے کوئی امن کی صورت نہ ہوگی تو ایسی ظلمت کے زمانہ میں تم خود سر ہو کر چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں لڑو گے اور فساد مچاؤ گے، رحم اور قرابت کا کچھ لحاظ نہ کرو گے، جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کی عادت تھی، ذرا ذرا باتوں پر تلوار چلتی تھی اور ہزاروں خون ہو جاتے تھے، حقیقت یہ کہ جہاد و قتال نہ ہونے سے مسلمانوں میں امیر (خلیفہ) کا وجود جاتا رہا، پھر ہزاروں مصائب اور آفات میں مبتلا ہو گئے" (حقانی تسہیل)

منافقوں پر لعنت ہوئی وہ جہاد کو نہیں سمجھتے

آیت ۲۳ تفسیر حقانی میں ہے:

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کر دی ہے جس کی وجہ سے یہ بہرے ہو گئے، فوائد جہاد کو نہیں سنتے اور اندھے بھی ہیں خود بھی اس کے فوائد نہیں دیکھتے" (حقانی تسہیل)

ضرور غور فرمائیں

تمام مسلمان ان دو آیتوں میں خاص طور سے غور فرمائیں تا کہ معلوم ہو کہ جہاد سے محرومی کتنی بڑی مصیبت ہے اور دنیا کو امن اور کامیابی کے لیے جہاد کی کس قدر ضرورت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُورَۃُ مُحَمَّدٍ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۲۵،۲۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

پھر کیوں قرآن میں غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔ بیشک جو لوگ

ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدَی لا الشَّیْطٰنُ

پیچھے کی طرف الٹے پھر گئے بعد اس کے کہ ان پر سیدھا راستہ ظاہر ہو چکا شیطان نے ان کے سامنے برے کاموں

سَوَّلَ لَھُمْ ط وَاَمْلٰی لَھُمْ ﴿۲۵﴾

کو بھلا کر دکھایا اور انہیں آرزو دلائی۔

خلاصہ

❶ منافق قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کی شرارتوں کی بدولت دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت کے اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا، اگر قرآن کے سمجھنے کی توفیق ملتی تو بآسانی سمجھ لیتے کہ جہاد میں کس قدر دنیوی واخروی فوائد ہیں۔ (عثمانی)

❷ یعنی منافقین ''اسلام'' کا اقرار کرنے اور اس کی سچائی ظاہر ہونے کے بعد وقت آنے پر اپنے قول و قرار سے پھرے جاتے ہیں اور جہاد میں شرکت نہیں کرتے، شیطان نے ان کو یہ بات سمجھا دی ہے کہ لڑائی میں نہ جائیں گے تو دیر تک زندہ رہیں گے، خواہ مخواہ جا کر مرنے سے کیا فائدہ۔ اور نہ معلوم کیا کچھ سمجھاتا ہے اور دور دراز کے لمبے چوڑے وعدے دیتا ہے۔ (عثمانی)

منافق قرآن پاک کو نہ سمجھنے کی وجہ سے جہاد کو نہیں سمجھتے

حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''یعنی منافق قرآن کو نہیں سمجھتے کہ جہاد میں کتنے فائدے ہیں اور اقرار ایمان سے پھرے جاتے ہیں کہ لڑائی میں نہ جاویں گے تو دیر تک جیویں گے''۔ (موضح القرآن)

یعنی قرآن اور جہاد کا سمجھنا آپس میں لازم و ملزوم ہے جو قرآن پاک کو سمجھتا ہے وہ جہاد کو بھی سمجھتا ہے۔ پس جس کو جہاد کی سمجھ نہیں حقیقت میں اس کو قرآن پاک کی سمجھ نہیں۔

جہاد میں خرابیاں شیطان دکھاتا ہے

تفسیر حقانی میں ہے:

”کاش قرآن میں غور کر کے مصالح جہاد کو سوچتے، ان کے دلوں پر مہر اور قفل ہیں (ان کو) یہ توفیق کہاں؟ ہدایت ظاہر ہونے پر جو منہ پھیرتے ہیں ان کو شیطان نے یہ حیلہ بازی سکھائی کہ جہاد میں یہ خرابی ہے اور اسی نے ان کو امید دلائی ہے کہ مدتوں تک جیو گے، ابھی کیوں لڑ کر مرتے ہو۔“ (حقانی)

جہاد میں ترقی ہے

”جہاد دنیا میں امن وامان کے قیام کا ضامن ہے اور اس کے ذریعے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں، اس کے برخلاف جہاد سے گریز کرنے والوں کے دلوں پر تالے لگ جاتے ہیں اور وہ زنگ آلود ہو جاتے ہیں“ (معالم العرفان)

جہاد میں قرابتوں کا احترام ہے

”اسلام نے تمام رسوم جاہلیت کو مٹایا اور اس کے مٹانے کے لیے ”حکم جہاد“ جاری فرمایا جو اگرچہ ظاہر میں خونریزی ہے مگر در حقیقت اس کا حاصل سڑے ہوئے عضو کو جسم سے الگ کر دینا ہے، تاکہ باقی جسم سالم رہے، جہاد کے ذریعے عدل وانصاف اور قرابتوں اور رشتوں کا احترام قائم ہوتا ہے۔“ (معارف القرآن)

سُوْرَةُ مُحَمَّد مَدَنِيَّة آیت ۲۶

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ

یہ اس لیے کہ وہ ان لوگوں سے کہنے لگے جنہوں نے ناپسند کیا اس کو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے کہ بعض باتوں میں ہم

الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

تمہارا کہا مانیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی رازداری کو جانتا ہے۔

خلاصہ

❶ شیطان کا ان منافقین کو لمبی عمر کے دھوکے میں ڈالنا اس سبب سے ہے کہ ان منافقوں نے کافروں سے کہا کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری اطاعت کریں گے۔ مثلاً:

- مسلمانوں کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف جہاد نہیں کریں گے
- دین اسلام کو کمزور کرنے میں تمہارا ساتھ دیں گے
- مسلمانوں کو جہاد میں شرکت سے روکیں گے
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دل میں دشمنی رکھیں گے وغیرہ

خلاصہ

❷ یہ منافق جو ہدایت آنے کے بعد الٹے پھر گئے اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے وحی یعنی قرآن کے دشمنوں سے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم تمہاری کچھ باتیں مانیں گے اور یہ بات مخفی کہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کی رازداری معلوم ہے۔

کلامِ برکت

''منافقوں نے کافروں سے کہا کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں لیکن تم سے نہ لڑیں گے'' (موضح القرآن)

یہ بعینہ وہی نظریہ ہے جو آج کل خود کو روشن خیال کہنے والے دانشوروں نے اختیار کیا ہوا ہے۔

کافروں سے خفیہ سمجھوتے

❶ ''منافقوں نے یہود وغیرہ سے کہا کہ ہم ظاہر میں مسلمان ہو گئے ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہو کر تم سے نہ لڑیں گے، بلکہ موقع ملا تو تم کو مدد دیں گے اور اس قسم کے کاموں میں تمہاری بات مانیں گے'' (تفسیر عثمانی)

❷ ''شیطان نے ان کے واسطے گمراہی رچا دی ہے ان کے دلوں میں، اور دور کی باتیں سمجھائیں کہ جہاد میں

جانے سے تو ہو سکتا ہے کہ جلد مر جائیں اور اگر نہ گئے تو دیر تک زندہ رہیں گے، خواہ مخواہ جہاد میں جا کر مر جانے سے کیا فائدہ۔ دور دراز کی باتیں اور امیدیں بھی دل میں رچا ئیں اور دھوکا میں ڈالا جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی چیز سے نفرت کرتے تھے کہا (یعنی یہودیوں سے) کہ ہم تمہاری اطاعت کریں گے بعضے کاموں میں اگرچہ ہم نے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کیا ہے لیکن ہم درحقیقت ان کے ساتھ نہیں بلکہ دل سے ہم تمہارے ساتھ ہیں، اور تمہاری موافقت اور اطاعت کریں گے اگر مسلمان حملہ کریں گے تو ہم اس وجہ سے کہ ظاہر میں مسلمان ہیں یہ نہیں ہوگا کہ ان کا ساتھ دیتے ہوئے تم سے لڑیں، بلکہ ایسی صورت میں کہ تم مسلمانوں سے مقابلہ کرو ہم تمہارا ساتھ دیں گے، منافقین یہ باتیں کہہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے یہ خفیہ مشورے جانتا ہے، یہ منافقین ان خفیہ معاہدوں اور رازدارانہ مشوروں کو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی کسی کو خبر نہیں یہ غلط ہے، اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

طلبہ علم کے لیے آسان تفسیر

ذٰلِكَ ای اضلالهم بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ ای المشرکین سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ای المعاونة علی عداوة النبی صلی اللہ علیه وسلم، وتثبیط الناس عن الجهاد معه قالوا ذلك سرا فاظهر الله تعالیٰ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ بفتح الهمزة جمع سرّ وبکسرها: مصدر۔ (جلالین)

کافروں کے ساتھ عسکری تعاون کی نحوست

گمراہ تو یہ لوگ پہلے بھی تھے مگر جب انہوں نے کافروں کے ساتھ خفیہ عسکری سمجھوتے مسلمانوں کے خلاف کیے تو ان کی شقاوت اور بدبختی اپنی انتہاء کو پہنچ گئی۔

انوار البیان میں ہے:

(ان منافقوں نے کافروں سے کہا) جہاد میں شرکت نہ کرنے میں اور دین اسلام کو کمزور کرنے میں ہم تمہاری بات مان لیں گے، تمہاری سب باتوں کی اطاعت کا وعدہ نہیں کرتے، یہ لوگ کافر تو پہلے ہی سے تھے مزید صفات کفریہ کا اظہار اور اعلان بھی کر دیا اس لیے شیطان کو انہیں ڈھیل دینے اور کفر میں آگے بڑھانے کا موقع مل گیا۔ (قرطبی انوار البیان)

☆☆☆

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۷، ۲۸
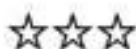
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ

پھر کیا حال ہوگا جب ان کی (روحیں) فرشتے قبض کریں گے ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مار رہے ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ یہ اس

بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ أَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

پر چلے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو برا جانا پھر اس نے بھی ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

خلاصہ

❶ منافق موت اور تکلیف سے بچنے کے لیے جہاد میں نہیں نکلتے۔ مگر ان کا یہ بچاؤ کتنے دن چلے گا بالآخر موت کا وقت آئے گا اور فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے ان کی روحیں قبض کریں گے۔

❷ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناراضی والے راستے کو اختیار کیا اور اللہ پاک کو راضی کرنے والے اعمال سے نفرت کی پس ان کے تمام اعمال بے کار چلے گئے، پس ان کے پاس ایسا کوئی عمل نہیں جو ان پر سے عذاب کو ہلکا کرنے کا ذریعہ بن سکے۔

کلامِ برکت

پھر کیسا ہوگا؟ جبکہ فرشتے جان نکالیں گے ان کی، مارتے جاتے ہیں ان کے منہ پر اور پیٹھ پر۔ یعنی تب موت سے کیوں کر بچیں گے اور تب نفاق کا مزہ چکھ لیں گے۔ (موضح القرآن)

یعنی آج جہاد میں نہیں نکلتے تاکہ موت سے بچ جائیں مگر جب موت کا وقت آ جائے گا تو تب کیسے اس سے بچیں گے، بلکہ تب تو نفاق کی سزا بھی شروع ہو جائے گی۔

بھیانک موت

منافق ہمیشہ جہاد کی موت کو بھیانک موت سمجھتا ہے اور اسی سے ڈرا کر لوگوں کو جہاد سے روکتا ہے تو قرآن پاک نے اس کی اپنی موت کا انتہائی بھیانک نقشہ کھینچا کہ وہ کس قدر ذلت اور سختی کے ساتھ مرتا ہے۔ جہاد میں ہر شخص اپنے چہرے اور پیٹھ کو دشمن سے بچانے کی کوشش کرتا ہے جبکہ یہ منافق مرتے وقت فرشتوں کی مار سے نہیں بچ سکیں گے اور فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر کوڑے اور گرز مار مار کر ان کی جان نکالیں گے۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وهو على ما قيل تصوير لتوفيهم على اهول الوجوه وافظعها وابراز لما يخافون منه

ویجبنون عن القتال لاجله فان ضرب الوجوه والادبار فی القتال والجهاد مما یتقیٰ

یعنی یہ ان کی موت کی ہیبت ناک تصویر کشی ہے اور یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ جس چیز سے بچنے کے لیے وہ جہاد نہیں کرتے وہی چیز انہیں موت کے وقت پیش آجائے گی یعنی چہروں اور پیٹھوں پر مارا جانا۔ (روح المعانی)

اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا عمل

منافقوں کو یہ سزا اس لیے ملتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَآ أَسْخَطَ اللّٰهَ امام نسفیؒ لکھتے ہیں: یہاں اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے عمل سے مراد مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی مدد کرنا ہے۔

اتَّبَعُوا مَآ أَسْخَطَ اللّٰهَ من معاونة الکافرین (المدارک)

اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا عمل

ارشاد فرمایا کہ منافقوں کو یہ سزا اس لیے ملی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا والے عمل کو ناپسند کیا۔ امام نسفیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا والے عمل سے مراد جہاد میں مسلمانوں کی نصرت کرنا ہے۔

وَكَرِهُوا رِضْوَانَهٗ من نصرة المؤمنین۔ (المدارک)

تفسیر مظہری میں ہے:

وَكَرِهُوا اور انہوں نے ایسے کاموں سے نفرت کی جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے موجب ہیں یعنی ایمان، جہاد اور دوسری طاعتوں سے نفرت کی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اکارت کردیا۔ (مظہری)

انوار البیان میں ہے:

”صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دنیا میں یہ لوگ جہاد سے بچ رہے ہیں ان کا یہ بچاؤ کتنے دن چلے گا بالآخر مریں گے اور موت کے وقت سے ان کی پٹائی شروع ہوجائے گی“ (انوار البیان)

بدنصیبی کی انتہاء

آیت مبارکہ میں سمجھایا گیا کہ یہ لوگ صرف برائیاں ہی نہیں کرتے بلکہ نیکیوں سے نفرت بھی رکھتے ہیں۔ یہ صرف باطل کے پجاری ہی نہیں بلکہ حق کے دشمن بھی ہیں۔ یقیناً یہ بدبختی کی انتہاء ہے اور جس انسان پر بھی نفاق کا اثر ہوتا ہے وہ جہاد سمیت اللہ پاک کی رضا والے تمام اعمال سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ العیاذ باللہ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۹،۳۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دبی دشمنی ظاہر نہ کرے گا۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَ

اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو وہ لوگ دکھا دیتے پس آپ اچھی طرح انہیں ان کے نشان سے پہچان لیتے اور آپ انہیں طرز

اللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

کلام سے پہچان لیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔

خلاصہ

❶ منافقین اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو حسد، دشمنی اور کینے رکھتے ہیں کیا ان کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ چھپا رہے گا؟ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہیں فرمائے گا؟ اور مسلمان ان کے مکروفریب پر مطلع نہیں ہوں گے؟ ایسا ہرگز نہیں، ان کا باطنی خبث ضرور ظاہر ہو کر رہے گا اور وہ ایسے امتحان کی بھٹی میں ڈالے جائیں گے جہاں کھوٹا، کھرا بالکل الگ ہو جائے گا۔ (مفہوم عثمانی)

❷ اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام منافقین کو متعین کر کے آپ کو دکھلا دے یا ان کے نام آپ کو بتا دے، مگر اللہ تعالیٰ حکمت والے نے ایسا نہیں کیا، ویسے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فراست عطاء فرمائی ہے اس سے آپ ان کی علامتیں دیکھ کر ان کو پہچان لیتے ہیں اور آئندہ ان کی باتوں اور انداز گفتگو سے آپ ان کو پہچان لیں گے کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے جو زور، شوکت، پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے، منافق کتنی ہی کوشش کرے اپنے کلام میں پیدا نہیں کر سکتا۔ (مفہوم عثمانی)

ربط

”گذشتہ آیات میں جہاد کے حکم پر منافقین کے بیہودہ رویہ اور طرز عمل کا ذکر تھا اب ان آیات میں ان کو مخاطب کرتے ہوئے تنبیہ کی جا رہی ہے اور آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ رب العزت سے ان کی کوئی بھی بات مخفی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کے راز فاش کر سکتا ہے، ان کے نام ان کی علامات اور نشانیوں کے ذریعے سے بھی مسلمانوں کو آگاہ کر سکتا ہے کہ یہ لوگ منافق اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، ساتھ ہی (اگلی آیات میں) اہل ایمان کو اس پر متوجہ کیا جا رہا ہے کہ دشمنان اسلام کے رویہ اور طرز عمل سے نہ گھبرائیں، بلکہ اس کو ایک طرح سے جہاد کا مرحلہ سمجھتے

ہوئے ہمت کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کریں اور صبر و استقامت اختیار کریں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں لگے رہیں اسی میں کامیابی ہے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

منافقین کی گفتگو

ارشاد فرمایا کہ آپ ان کے "لَحۡنِ الۡقَوۡلِ" یعنی گفتگو کے انداز سے ان کو پہچان لیں گے۔ اہل تفسیر فرماتے ہیں "لحن القول" وہ بات ہوتی تھی جس کا ظاہر اچھا اور باطن خراب ہوتا تھا۔ ظاہری الفاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تعریف اور خیر خواہی نظر آتی تھی مگر اصل مقصد اس کے برخلاف ہوتا تھا۔

کانوا یصطلحون فیما بینهم من الفاظ یخاطبون بها الرسول مما ظاهره حسن ویعنون به القبیح (البحر المحیط)

منافقین ہمیشہ اسی طرح مسلمانوں کو ڈستے ہیں ظاہری طور پر دوستی اور خیر خواہی دکھاتے ہیں مگر اصل مقصد کفر کی ترجمانی اور مسلمانوں کو جہاد سے روکنا ہوتا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ "لحن القول" سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے دل کی بات ہمیشہ نہیں چھپا سکتے، اہم مواقع (خصوصاً مواقع جہاد) پر ان کی زبانیں نفاق والے کلمات بولنے لگتی ہیں۔

جیسے اِنَّا كُنَّا مَعَكُمۡ یا لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ الخ یا اِنَّ بُيُوۡتَنَا عَوۡرَةٌ

تو جہاد کے مواقع پر ایسے کلمات ان کی زبانوں سے نکل جاتے تھے جس کی وجہ سے ان کا نفاق کھل جاتا تھا۔ (تفسیر کبیر، البحر المحیط)

ایک خاص آزمائش

ان آیات میں فرمایا گیا کہ منافقین یہ نہ سمجھیں کہ ان کا نفاق ہمیشہ چھپا رہے گا۔ اب اگلی آیت میں اس خاص آزمائش کا ذکر ہے جس میں منافق ناکام رہتے تھے اور ان کا نفاق ظاہر ہو جاتا تھا اور وہ آزمائش تھی جہاد کا حکم۔ ملاحظہ فرمایئے آیت ۳۱

☆☆☆

سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

اور ہم تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنیوالوں کو اور صبر کرنیوالوں کو معلوم کر لیں اور تمہارے حالات کو جانچ لیں

خلاصہ

ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو جہاد کا حکم دے کر آزمایا جاتا ہے، تب سچے اور جھوٹے کا سب کو پتا چل جاتا ہے

آسان تفسیر

”یعنی جہاد وغیرہ کے احکام سے آزمائش مقصود ہے، اسی سخت آزمائش میں کھلتا ہے کہ کون لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنے والے اور شدید ترین امتحانات میں ثابت قدم رہنے والے ہیں اور کون ایسے نہیں وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ یعنی ہر ایک کے ایمان اور اطاعت وانقیاد کا وزن معلوم ہو جائے اور سب کے اندرونی احوال کی خبریں عملاً محقق ہو جائیں“ (عثمانی)

امام رازیؒ کی تقریر دلپذیر

اس آیت پر امام رازیؒ کی تقریر کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

”ہم تمہیں حکم دیں گے اسی چیز کا جس کا کرنا اور نہ کرنا ممکن ہے (یعنی جہاد کا) تاکہ ہم ظاہر کر دیں ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر جہاد کرنے والے ہیں اور جہاد میں پیٹھ پھیرے بغیر ثابت قدمی سے لڑنے والے ہیں اور ہم جانچ لیں تمہاری باتوں کو۔ باتوں سے مراد یا تو ایمان کا دعویٰ ہے کہ مؤمن اور منافق دونوں نے کہا تھا کہ ہم ایمان لائے، اب جہاد کے ذریعہ پتہ چلے گا کہ ان میں سے کس کا دعویٰ سچا تھا۔ یا باتوں سے مراد ان کا یہ کہنا ہے کہ ہم جہاد میں پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ پھر جب جہاد شروع ہوتا ہے تو مؤمن سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹ کر لڑتا ہے اور اپنی بات میں سچا نکلتا ہے جبکہ منافق تھوڑے سے خوف کی آواز سن کر حقیر کچرے کی طرح بکھر جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

منافقین جہاد میں کھوٹے

”جہاں تک منافقین کی پہچان کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی مختلف مواقع پر آزمایا، مثلاً جنگ احد میں منافقین کا گروہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے نکلا مگر وہ سارے عبداللہ بن ابی کی قیادت میں میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے ہی واپس لوٹ گئے، اسی طرح غزوہ تبوک کے موقع پر بھی اسی ۸۰ سے زائد منافقین نے حیلوں بہانوں سے جنگ کے لیے نکلنے سے گریز کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ چاک کیا۔ غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر بھی ان کی آزمائش ہوئی مگر یہ اس میں ناکام ہوئے، انہوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی، یہ اپنے مقصد میں تو کامیاب نہ ہو سکے البتہ ان کی اپنی خباثت ظاہر ہوگئی۔“ (معالم العرفان) ☆☆

سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ

بیشک جنہوں نے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان پر سیدھا

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾

راستہ واضح ہو چکا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور وہ ان کے اعمال کو اکارت کردے گا۔

خلاصہ

دین کے دشمن کافر جو سمجھنے کے باوجود اسلام کو قبول نہیں کرتے یہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی تمام تدبیریں، محنتیں اور کوششیں ضائع ہو جائیں گی۔

شانِ نزول

مفسرین فرماتے ہیں کہ ابتدائی طور پر یہ آیت:

1. غزوہ بدر میں مشرکین کے لشکر کو کھانا کھلانے والے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی۔
2. بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی وہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مال خرچ کرتے تھے۔
3. منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔

يرجع الى المنافقين او الى اليهود وقال ابن عباس هم المطعمون يوم بدر (القرطبی)

نزلت فی المطعمين من اصحاب بدر او فی قريظة والنضير (جلالين)

تفسیر مظہری میں ہے:

”اس جگہ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی اور وہ مکی کافر مراد ہیں جنہوں نے بدر کی لڑائی میں کافروں کے لشکر کو باری باری سے کھانا کھلایا تھا، یہ بارہ سردار تھے، ہر سردار نے اپنی باری کے دن پورے لشکر کو کھانا دیا تھا۔

لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ یعنی اپنے کفر سے وہ اپنے آپ کو ہی ضرر پہنچائیں گے، اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (مظہری)

اہل ایمان کے لیے تسلی

وہ طاقتور کافر جو دوسروں کو بھی دین اسلام سے روک رہے ہیں، یعنی وہ بہت اثر ورسوخ اور اسباب والے کافر ہیں اور ضدی بھی ہیں کہ اسلام کی حقانیت کو پہچاننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں۔ اے مسلمانو! ایسے کافر اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ان کی تمام کوششیں اور تدبیریں ناکام ہو جائیں گی۔ اس لیے طاقتور کافروں کے سامنے جھکنے کی بجائے ان کے خلاف جہاد کرو۔

تفسیر عثمانی میں ہے:

"یعنی (یہ کافر) اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا کیا نقصان ہے، نہ اس کے دین اور پیغمبر کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، وہ قدرت والا ان کے سارے منصوبے غلط اور تمام کام اکارت کر دے گا اور سب کوششیں خاک میں ملا دے گا۔" (عثمانی)

سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

خلاصہ

جہاد یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور کوئی محنت یا ریاضت کرنا اس وقت مقبول ہے جب اللہ و رسول کے حکم کے موافق ہو، محض اپنی طبیعت کے شوق یا نفس کی خواہش پر کام نہ کرو، ورنہ ایسا عمل یونہی بے کار ضائع جائے گا، مسلمان کا کام نہیں کہ جو نیک کام کر چکا یا کر رہا ہے، اس کو کسی صورت ضائع ہونے دے، نیک کام کو نہ بیچ میں چھوڑو، نہ ریاء، نمود، اعجاب اور غرور وغیرہ سے اس کو برباد کرو، ارتداد کا تو تصور بھی نہ کرو جو ایک دم تمام اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ (العیاذ باللہ) (عثمانی تسہیل)

کلامِ برکت

”یعنی جہاد کرنا یا کچھ محنت کرنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جب قبول ہے کہ موافق حکم کے ہوا پنی چاؤ (یعنی خواہش) پر کام نہ کرے“۔ (موضح القرآن)

مسلمان کافروں اور منافقوں سے متاثر نہ ہوں

تفسیر حقانی میں ہے:

”اس کے بعد مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ تم ان (کافروں اور منافقوں) کے کہنے میں نہ آنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرنا، خلاف کرنے میں عمل حبط ہو جاوینگے۔“ (حقانی)

یعنی مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ کافروں اور منافقوں سے متاثر ہو کر ان کی باتوں میں نہ آئیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ڈٹے رہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

نفاق اور ریاکاری سے بچو

ارشاد فرمایا: وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ

امام نسفیؒ لکھتے ہیں: بالنفاق او بالريا

یعنی نفاق سے یاریاکاری سے اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ (المدارک)

امام قرطبیؒ نے اس پر کئی اقوال جمع فرمائے ہیں کہ

اپنے اعمال برباد نہ کرو:

❶ گناہوں کے ذریعے (حسن بصریؒ)

❷ کبیرہ گناہوں کے ذریعے (زہریؒ)

❸ ریاء اور دکھاوے کے ذریعے (ابن جریجؒ)

❹ احسان جتلانے کے ذریعے، تب ان لوگوں کو خطاب ہوگا جو اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتلاتے تھے۔ (مقاتلؒ)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

یہ تمام اقوال آپس میں قریب قریب ہیں اور حسن بصریؒ کا قول ان سب کو جمع کرتا ہے۔

وکله متقارب وقول الحسن يجمعه (القرطبی)

ایمان اور نیکی پر احسان جتلانے والے

ایک قول یہ ہے کہ جب قبیلہ ”بنو اسد“ کے لوگ مسلمان ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے ہم نے آپ کو ترجیح دی ہے اور ہم اپنی جانیں اور اہل وعیال کو لے کر آ گئے ہیں، ان کا انداز احسان جتلانے والا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی (کہ احسان جتلا کر اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو)

قيل ان بني اسد اسلموا وقالوا لرسول الله صلى الله عليه وسلم: قد آثرناك وجئناك بنفوسنا واهلنا كانهم منوا بذلك فنزلت فيهم (روح المعانی)

پس اسلام قبول کرنا ہو یا جہاد وغیرہ کوئی نیکی ہو اس میں عمل کرنے والے کا اپنا ہی فائدہ ہے اور یہ اس کی اپنی ضرورت ہے اس لیے کسی اور پر احسان جتلانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس میں عمل کی بربادی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۴
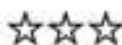
بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

بیشک جنہوں نے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا پھر مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾

سو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

خلاصہ

کافروں کے لیے سخت ترین وعید کہ اگر وہ کفر پر مرے تو ان کی بخشش ہرگز نہیں ہوگی۔

ربط

حضرات مفسرین نے کئی طرح کے ربط بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ایک ملاحظہ فرمائیں:

”اس سے قبل بیان چل رہا تھا کہ منافقین کا نفاق چھپا نہیں رہ سکتا، اور ان کی سازشیں بھی مخفی نہیں رہ سکتیں، نفاق اور ان منافقین کی سازشیں اور مکر و فریب سب کچھ طشت از بام کر دیا جائے گا، اب ان آیات (۳۴ تا ۳۸) میں منکروں اور اسلام دشمنوں کا انجام بد بیان کیا جا رہا ہے کہ ان کے واسطے دنیا میں بھی ہلاکت ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے، اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کو صبر و استقامت کی تلقین فرماتے ہوئے ان کو غلبہ و کامیابی کی بشارت سنائی جا رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمان قوم کی فتح و نصرت کس بنیاد پر قائم ہے ان کو چاہئے کہ دنیا اور دنیا کی زیب و زینت اور دھوکہ میں نہ پڑیں، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد میں مصروف رہیں اور کسی قسم کی بھی جانی اور مالی قربانی سے دریغ نہ کریں، جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں گے لوٹ کر اس کا فائدہ تصور سے بھی بالا و برتر ان ہی کو پہنچے گا اور اگر مال و دولت کی محبت میں بخل کریں گے اس کے نقصانات انہی کو برداشت کرنے پڑیں گے۔“ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

آیت مبارکہ عام ہے

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں بیان فرمایا کہ حالت کفر پر مرنا ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا مستحق بناتا ہے ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق غزوۂ بدر میں ہلاک ہونے والے وہ مشرک ہیں جن کو بدر کے کنویں میں ڈالا گیا تھا مگر آیت کا حکم ہر اس کافر کے لیے عام ہے جو کفر پر مرے۔

بین ان الاعتبار بالوفاة على الكفر يوجب الخلود في النار وقد مضى في البقرة

الکلام فیه وقیل ان المراد بالآیة اصحاب القلیب وحکمها عام" (القرطبی)

سورۃ محمد (ﷺ) کا خاص موضوع

سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاص موضوع کہ کافر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔یہی جہاد کی ایک بڑی بنیاد ہے کہ کافر اللہ تعالیٰ کے دشمن، دین اسلام کے مخالف اور دین کے راستے کی بڑی رکاوٹ ہیں۔اور وہ جس چیز کی طرف بلاتے ہیں اس میں دنیا وآخرت دونوں کا شدید نقصان ہے پس انسانیت کو اس نقصان سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ جہاد کے ذریعہ کافروں کو کمزور کیا جائے تا کہ وہ دنیا میں کفر اور ناکامی نہ پھیلا سکیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

سُوۡرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَلَا تَہِنُوۡا وَ تَدۡعُوۡۤا اِلَی السَّلۡمِ ٭ۖ وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ ٭ۖ وَ اللّٰہُ مَعَکُمۡ وَ لَنۡ

پس تم سست نہ ہو اور نہ صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز

یَّتِرَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۵﴾

تمہارے اعمال میں نقصان نہیں دے گا۔

خلاصہ

❶ اے مسلمانو! قتال فی سبیل اللہ میں کمزوری اور سستی نہ دکھاؤ ❷ کافروں کو (بزدلی دکھا کر) صلح کی طرف نہ بلاؤ ❸ تم ہمیشہ غالب رہو گے ❹ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے، اس کی مدد اور نصرت تمہیں حاصل رہے گی ❺ اللہ تعالیٰ تمہارا کوئی نقصان نہیں فرمائے گا، تمہیں فائدہ ہی فائدہ ملے گا۔

مسلمانو! ہمت سے کام لو

”یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں، ورنہ دشمن شیر ہو کر دباتے چلے جائیں گے اور جماعتِ اسلام کو مغلوب اور رسوا ہونا پڑے گا، ہاں کسی وقت اسلام کی مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے تو اس وقت صلح کر لینے میں مضائقہ نہیں، جیسا کہ آگے سورۂ ”فتح“ میں آتا ہے، بہر حال صلح کی بناء (یعنی وجہ) اپنی کم ہمتی اور نامردی (یعنی بزدلی) نہ ہونی چاہئے۔ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دے گا تم کو تمہارے کاموں میں۔ یعنی گھبرانے کی کچھ بات نہیں، اگر صبر و استقلال دکھاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر ثابت قدم رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے وہ تم کو آخر کار غالب کرے گا اور کسی حالت میں بھی تم کو نقصان اور گھاٹے میں نہ رہنے دے گا“۔ (عثمانی)

مسلمانو! تم کافروں کے غلبے کو تسلیم نہ کرو

”کافر چونکہ اسلام کا دشمن ہے اور دشمن اپنی ہر طاقت اور تدبیر بروئے کار لایا کرتا ہے، غلبہ حاصل کرنے کے لیے۔ تو یقیناً وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑیں گے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کے مقابلہ میں سست، کمزور اور کم ہمت نہ بنیں اس لیے اے مسلمانو تم کمزور اور بودے نہ بنو اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر تم پکارنے لگو صلح کی طرف جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنی کمزوری کی وجہ سے ان کے غلبہ اور تسلط کو مان لو گے اور پھر ایسی صورت میں نہ کبھی تم کافروں سے جہاد کر سکو گے اور نہ کفر کی قوت و شوکت کو توڑ سکو گے اور جب کفر کی قوت و شوکت

نہ ٹوٹ سکے گی تو پھر ایمان وہدایت عالم میں کس طرح پھیلے گی اور اعلاء کلمۃ اللہ اور غلبہ دین اسلام کیونکر (یعنی کیسے) ہو سکے گا۔ تو اے مسلمانو! تم ہرگز نہ گھبراؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اگر تم صبر واستقلال کے ساتھ احکام الٰہی پر ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور ہرگز وہ پروردگار تمہارے کاموں میں کوئی نقصان نہ ہونے دے گا۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

مسلمان اللہ تعالیٰ کے محبوب اور کافر مبغوض

بیان القرآن میں ہے:

”جب معلوم ہوگیا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے محبوب اور کفار مبغوض (ناپسندیدہ) ہیں تو اے مسلمانو! تم کفار کے مقابلہ میں ہمت مت ہارو اور ہمت ہار کر ان کو صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور وہ مغلوب ہوں گے کہ تم محبوب ہو اور وہ مبغوض ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے، یہ تو تم کو دنیا کی کامیابی ہوئی اور آخرت میں یہ کامیابی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کے ثواب میں ہرگز کمی نہ کرے گا“ (بیان القرآن)

مسلمانوں میں ایک خاص فکر کی ترویج

مسلمانوں میں یہ خاص فکر پیدا کی جارہی ہے کہ وہ دنیا میں کافروں کو غالب نہ ہونے دیں اور ہمیشہ جہاد کے لیے تیار رہیں اور اس بات کو یاد رکھیں کہ وہ غالب ہونے کے لیے آئے ہیں مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔ اور ان کے مغلوب ہونے میں پوری انسانیت کا نقصان ہے۔ اس لیے وہ جان لٹانے والے بنیں جان بچانے والے نہیں۔ اس لیے کہ جس قوم کو جان بچانے کی فکر پڑ جائے اسے اس کی بہت مہنگی قیمت ذلت اور مغلوبیت کی صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے۔

روح المعانی میں ہے کہ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سخت ضرورت کے بغیر کافروں سے صلح کرنا جائز نہیں ہے اور بالکل عاجز ہوجانے کے علاوہ کسی بھی صورت میں جہاد کا چھوڑ دینا حرام ہے۔

واستدل الکیا بھذا النھی علی منع مھادنۃ الکفار الا عند الضرورۃ وعلی تحریم ترک الجھاد الا عند العجز (روح المعانی)

امام رازیؒ کی ایمان افروز تقریر

اس آیت مبارکہ پر امام رازیؒ نے ایمان افروز تقریر فرمائی ہے، ملاحظہ کیجئے اس کے کچھ حصہ کا خلاصہ:

پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ

1. کافروں کے وہ کام جو نیکیاں دکھائی دیتے ہیں وہ مقبول نہیں۔
2. اور کافروں کے بدترین جرم یعنی کفر کی بخشش نہیں ہے (اگر کفر پر مریں) پس معلوم ہوا کہ کافر کی نہ دنیا میں کوئی حرمت وقیمت ہے اور نہ آخرت میں۔

❸ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

❹ اور انہیں قتال کا حکم دیا فَلَا تَهِنُوْا یعنی قتال میں کمزوری نہ دکھاؤ۔

❺ پہلے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا تھا تو اس میں بھی جہاد کی تاکید آ گئی تھی۔ کیونکہ جہاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

اب دو باتیں جہاد کے لیے رکاوٹ بن سکتی تھیں ایک تو دینی بات کہ جہاد میں قتل کرنا پڑتا ہے تو اس کا جواب دے دیا کہ کافر کی جان کی کوئی حرمت اور قیمت نہیں اور دوسری بات دنیوی تھی کہ مسلمان خود غفلت اور سستی کریں تو ان کو وَلَا تَهِنُوْا فرما کر تاکید کر دی کہ دنیا کے تقاضوں کی خاطر جہاد میں کمزوری نہ کرو۔ پس اس طرح بہت ہی تاکید کے ساتھ جہاد کا حکم مسلمانوں کو فرما دیا۔ (تفسیر کبیر)

صلح کا حکم

اس آیت میں فرمایا کہ صلح کی طرف نہ بلاؤ جبکہ سورۃ انفال میں ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا کہ اگر وہ صلح کے لیے جھکیں تو مسلمان صلح کر لیں۔ دونوں آیتوں کا حکم اب بھی موجود ہے۔ تفسیر عثمانی کے حوالہ سے اوپر تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

”محنت (یعنی تکلیف، مشقت) سے بھاگ کر صلح نہ چاہیے اور اگر صلح نظر آوے تو درست ہے آگے آوے گا سورۂ فتح میں“ (موضح القرآن)

اہل ایمان کو تنبیہ

”پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی فَلَا تَهِنُوْا دیکھو! کافروں کی ایذاء رسانیوں، افرادی قوت اور ساز و سامان سے مرعوب ہو کر سست نہ پڑ جانا، اور اس قدر ہمت نہ ہار بیٹھنا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ کہ خود ان کو صلح کی دعوت دینے لگو۔ (معالم العرفان)

★★★

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ

بلاشبہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو تمہیں

اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾

تمہارے اجر دے گا اور تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا۔

خلاصہ

- جہاد سے روکنے والی چیز دنیا کی محبت ہے پس یادرکھو کہ دنیا کی زندگی تو عارضی ہے اور وقتی کھیل تماشا ہے۔
- جہاد میں محنت نہ کرکے کافروں کو خود صلح کی طرف بلانا تبھی ہوسکتا ہے جب تمہارے دل میں اس فانی دنیا کی محبت ہو، اس میں جان کی محبت، مال کی محبت اور اہل وعیال کی محبت سب داخل ہیں اس لیے بتلا دیا کہ یہ سب چیزیں بہرحال ختم اور فنا ہونے والی ہیں، اس لیے ان فانی اور عارضی چیزوں کی محبت میں آکر جہاد کے دائمی اجر وثواب سے محرومی اختیار نہ کرو۔
- اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پورا اجر دے گا اور وہ تم سے تمہارے اموال نہیں مانگتا۔

فائدہ

آیت مبارکہ کی تفسیر سمجھنے کے لیے پہلے چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں اور پھر آخری جملے کہ ”اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے اموال نہیں مانگتا“ کا مطلب مستقل طور پر بیان کیا جائے گا۔

جہاد میں خرچ کرنے کا بدلہ

”یعنی آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت کھیل تماشا جیسی ہے، اگر تم ایمان وتقویٰ اختیار کرو گے اور اس کھیل تماشہ سے ذرا بچ کر چلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کا پورا بدلہ دے گا اور تمہارا مال بھی تم سے طلب نہیں کرے گا۔ اسے کیا حاجت ہے؟ وہ تو خود دینے والا ہے۔

کما قال:

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ (الذاریات)

اگر طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہی ہے تمام مال اسی کا ہے، مگر اس کے باوجود دین کے معاملہ میں جب خرچ کرنے کو کہتا ہے تو سارے مال کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے لیے نہیں بلکہ

تمہارے فائدہ کو۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''حق تعالیٰ نے ملک فتح کرادیے، مسلمان کو تھوڑے دن (اپنی گرہ سے) پیسہ خرچ کرنا پڑا، پھر جتنا خرچ کیا تھا اس سے سو گنا ہاتھ لگا۔ اس مطلب سے (قرآن کریم میں کئی جگہ) فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قرض دو۔'' (تفسیر عثمانی)

دنیا کی خاطر جہاد میں سستی نہ کرو

امام ابو حیانؒ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دنیا کی حقارت بیان فرمائی ہے کہ یہاں کے عیش و آرام کی خاطر جہاد میں سستی نہ کرو، دنیا سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دنیا کی خاطر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور آخرت کے لیے کیے گئے کاموں کو لہو ولعب نہیں فرمایا۔

إِنَّمَا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وهو تحقير لأثر الدنيا، اي: فلا تهنوا في الجهاد، واخبر عنها بذلك ما يختص بها من ذلك واما ما فيها من الطاعة وامر الآخرة فليس بذلك (البحر المحيط)

''چونکہ جہاد سے روکنے والی چیز انسان کے لیے دنیا کی محبت ہی ہو سکتی ہے جس میں اپنی جان کی محبت، اہل وعیال کی محبت، مال ودولت کی محبت سب داخل ہیں۔ اس آیت میں یہ بتلا دیا گیا کہ یہ سب چیزیں بہرحال ختم اور فنا ہونے والی ہیں، اس وقت ان کو (بالغرض) بچا بھی لیا تو پھر کیا؟ دوسرے وقت یہ چیزیں ہاتھ سے نکلیں گی، اس لیے ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کی محبت کو آخرت کی دائمی پائیدار نعمتوں کی محبت پر غالب نہ آنے دو۔'' (معارف القرآن)

''ہر مقابلہ اور جہاد کی صورت پیش آنے پر صلح کی پیش کش کرنا اور عملاً جہاد کی کوششوں سے گریز کرنا دنیوی حیات کے مرغوب ہونے کے آثار میں سے معلوم ہوتا ہے، تو اس کے لیے یہ بات ہر وقت قلب (یعنی دل) کی گہرائیوں میں رچی رہنی چاہئے کہ بس دنیا کی زندگی ایک کھیل اور تماشا ہے۔'' (معارف القرآن کاندھلویؒ)

دنیا سے بے رغبت کر کے جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے

''پچھلی آیت میں حوصلہ دلا کر جہاد کی ترغیب تھی جبکہ اس آیت میں دنیا سے بے رغبت کر کے جہاد کی ترغیب اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی تمہید ہے، ارشاد فرمایا: یہ دنیوی زندگی تو محض ایک لہو ولعب ہے اگر اس میں جان ومال سے فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ مزہ کتنے دن کا ہوگا اور اس کا حاصل کیا ہوگا؟ اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو اس میں جان ومال سے جہاد کرنا بھی آ گیا تو اللہ تعالیٰ تم کو اپنے پاس سے نفع پہنچا دے گا اس طرح سے کہ تم کو تمہارے اجر عطاء کرے گا اور تم سے کسی نفع کا طالب نہ ہوگا۔'' (بیان القرآن تسہیل)

جہاد پر مزید ابھارا جا رہا ہے

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

یہ مزید تسلی دی جارہی ہے کہ اے مسلمان! دنیا کی زندگی تمہیں جہاد کے ذریعے آخرت کو پانے سے کیسے روک سکتی ہے؟ حالانکہ اگر تمہیں جہاد میں فتح اور غلبہ ملے تو دنیا کی زندگی بھی تم سے نہیں چھنتی اور اگر تم سے چھن بھی جائے تب بھی پروا نہیں کیونکہ تمہارے اعمال ضائع نہیں ہوتے (اور ان کا بدلہ جاری رہتا ہے) بالفرض اگر کسی سے دنیا کی زندگی بغیر کسی بدلے کے بھی چھن جائے تو پریشانی کی بات نہیں کیونکہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے۔ (جبکہ مجاہد کو اس بے کار زندگی کے بدلے بھی ہمیشہ کی نعمتوں والا بدلہ مل جاتا ہے)

زيادة فى التسلية يعنى كيف تمنعك الدنيا من طلب الآخرة بالجهاد، وهى لا تفوتك لكونك منصورا غالباً، وان فاتتك فعملك غير موثر، فكيف وما يفوتك، فان فات فائت ولم يعوض لا ينبغي لك ان تلتفت اليها لكونها لعبا ولهوا (تفسير كبير

لعب اور لہو میں فرق

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

وہ چیزیں جن میں انسان مشغول ہو جاتا ہے اور ان میں نہ اسے کوئی دنیا کا فائدہ ملتا ہے نہ آخرت کا تو ایسی چیزیں لہو و لعب کہلاتی ہیں۔ پھر اگر یہ مشغولیت اسے اس کے ضروری کاموں سے غافل نہیں کرتی ہے تو یہ لعب ہے اور اگر اسے ضروری کاموں سے بھی غافل اور مدہوش کرتی ہے تو یہ لہو ہے، اس لیے گانے بجانے کے آلات کو ملاہی کہا جاتا ہے“ (تفسیر کبیر)

جہاد میں فائدہ ہی فائدہ ہے

”اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور جنگ کرنے میں کوشش کرو، پھر اس میں فتح پاؤ گے تو یہ مطلوب ہے یا شہید ہو جاؤ گے، دنیا میں کیا رکھا ہے کہ اس پر دھوکہ ہو، دنیا کی زندگی کھیل کود ہے بے کار اور ناپائیدار۔ پھر اس چند روزہ زندگی میں ایمان لاؤ، پرہیزگاری اختیار کر لو، یہی توشہ ہے اسے آخرت میں ساتھ لے چلو اور آخرت میں تمہارے بدلے تم کو دیے جائیں گے اور اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا جس سے کوئی ڈرے اور نیکی سے دور بھاگے، وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ کے یہی معنیٰ ہیں“ (تفسیر حقانی، تسہیل)

اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا مال نہیں مانگتا

آیت مبارکہ کے آخر میں ارشاد فرمایا:

وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ اور اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا مال نہیں مانگتا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں کئی مقامات پر مسلمانوں کو زکوٰۃ کی، جہاد میں خرچ کرنے کی اور دیگر صدقات کی ترغیب دی گئی ہے تو پھر اس جملے کا کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا مال نہیں مانگتا...... حضرات مفسرین نے کئی جوابات ارشاد فرمائے ہیں:

1. اللہ تعالیٰ اپنے نفع کے لیے تم سے کچھ نہیں مانگتا، وہ تو غنی ہے، تمہارا خرچ کرنا خود تمہارے نفع کے لیے ہوتا ہے۔

❷ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا سارا مال نہیں مانگتا، اس کے ایک تھوڑے سے حصے کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے، جبکہ کافر سے تو اس کا تمام مال چھین لیا جاتا ہے اگر وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے اترے۔

❸ تمہارے پاس جو مال ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں سے خرچ کرنے کا حکم فرماتا ہے، یہ مال خود تمہارا تو نہیں ہے کہ تمہیں خرچ کرنے میں تکلیف ہو۔

❹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے تبلیغ کرنے پر کوئی اجرت یا بدلہ نہیں مانگتے۔ (القرطبی، روح المعانی)

اب ملاحظہ فرمایئے اس جملے پر امام رازیؒ کی تقریر کا خلاصہ:

❶ جہاد میں ضرور مال خرچ کرنا پڑتا ہے تو آیت مبارکہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو تمہارا وہ مال خرچ کرنے کا حکم نہیں فرماتا جس کے تم ضرورت مند ہو، بلکہ ضروریات اصلیہ سے زائد مال خرچ کرنے کا حکم فرماتا ہے۔

❷ تمام "مال" اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ تمہارے ہاتھ میں عاریت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا اور اجازت دی کہ تم اپنا مال جہاد میں خرچ کرو پس اس میں تمہارا بخل کرنا غلط ہے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الحدید ۱۰)

ترجمہ: اور تمہیں کیا ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، حالانکہ آسمانوں اور زمین کا ورثہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

❸ اللہ تعالیٰ تم کو سارا مال خرچ کرنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس کا ایک تھوڑا سا حصہ خرچ کرنے کا فرماتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

فائدہ

دنیا کے عارضی عیش و آرام اور مال کی خاطر کافروں کو صلح کا پیغام نہ دیتے پھرو بلکہ جہاد کر کے اپنے ایمان اور تقویٰ کا ثبوت دو اور اپنی آخرت کے لیے اجر بناؤ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ان آیات مبارکہ کا واضح پیغام ہے۔ مگر آج تو اسلامی ممالک کے کئی حکمران کافروں کے ساتھ عسکری تعاون کے معاہدے کر کے اپنے ہی مسلمانوں کو ذبح کر رہے ہیں۔ کیا وہ ان آیات پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں؟...... (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُوْرَةُ مُحَمَّد مَدَنِيَّة آیت ۳۸،۳۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ

اور اگر وہ تم سے وہ (مال) مانگے پھر تمہیں تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو اور تمہارے دلی کینے ظاہر کر دے۔ خبردار تم وہ لوگ

تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ

ہو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو بلائے جاتے ہو تو کوئی تم میں سے وہ ہے جو بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے

فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۤءُ ۚ وَاِنْ

سو وہ اپنی ہی ذات سے بخل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بے پروا ہے اور تم ہی محتاج ہو اور اگر تم نہ

تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

مانو گے تو وہ اور قوم سوائے تمہارے بدل دے گا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔

خلاصہ

- اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا سارا مال مانگ لے اور تم کو مشقت میں ڈال دے تو تم بخل کرنے لگو گے اور تمہارے دلوں کی کھوٹ ظاہر ہو جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رحمت اور ستاری کا معاملہ فرمایا اور تم سے سارا مال طلب نہیں فرمایا اور تم کو اس امتحان میں نہیں ڈالا۔
- اے ایمان والو! تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے راستے جہاد اور دیگر خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کے لیے پکارا جا رہا ہے۔
- پھر تم میں سے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے بلانے کے باوجود بخل سے کام لیتے ہیں، پس جو بخل کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔
- اللہ تعالیٰ غنی ہے، اسے تمہارے جہاد اور تمہارے خرچ کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔
- جبکہ تم محتاج ہو، اللہ رب العزت کے اور اس کے احکامات جہاد اور خرچ کرنے وغیرہ کے۔
- اگر تم اطاعت نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ اور لوگ لے آئے گا جو اس کے احکامات پر عمل کرنے والے ہوں گے۔

کلامِ برکت

”تاکید جو سنتے ہو، مال خرچ کرنے کی یہ نہ جانو کہ اللہ تعالیٰ مانگتا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مانگتے

ہیں) یہ تمہارے بھلے کو فرماتا ہے، پھر ایک ایک کے ہزار ہزار پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کو کیا پروا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو" (موضح القرآن)

یعنی جہاد میں خرچ کرنے میں تمہارا ہی دنیا و آخرت کا فائدہ ہے۔ اس کو سمجھو، صحابہ کرامؓ نے خرچ کیا تو دنیا کے خزانوں کے مالک بنے اور آخرت کی کامیابی بھی ملی جو اصل کامیابی ہے۔ آج مسلمان جہاد چھوڑنے کی وجہ سے معاشی تنگی میں مبتلا ہیں۔

آسان تفسیر

"اگر اللہ تعالیٰ تم سے مانگے اور پھر سب کا سب مال لے لے تو تم بخل کرو گے اور تمہاری بخیلی ظاہر ہو جائے گی، مطلب یہ ہے کہ دین میں مال کا ایسا خرچ نہیں کہ سب دے دیا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ سارا مال مانگے اور تمہارا امتحان لے تو مال کی وجہ سے تم اسلام سے نفرت کرنے لگو۔ ان جملوں میں منافقین پر تعریض ہے جو جہاد میں مال دینے کو بوجھ سمجھتے تھے۔ اس کے بعد صاف صاف بیان فرماتے ہیں کہ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ الخ کہ دیکھو تم کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے یعنی جہاد میں، جس میں سرکشی اور برائی کا کڑوا درخت دنیا سے کاٹنا مقصود ہے۔ پھر بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں یعنی منافقین۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے اپنے ہی لیے بخل کرتا ہے، اس لیے کہ جو کچھ یہاں دو گے وہاں (آخرت میں) پاؤ گے اور جو نہ دو گے اس سے اپنے آپ کو محروم کرو گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو کچھ حاجت نہیں اس میں تمہارا ہی نفع ہے، حاجتمند تو تم خود ہو۔ اور اگر تم نہ مانو گے تو تم کو ہٹا کر تمہاری جگہ ایک اور قوم اسلام میں داخل کرے گا، جو نیک ہوں گے تم جیسے نہ ہوں گے۔ ترمذیؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو لوگوں نے پوچھا یا حضرت! وہ کون ہیں جو ہماری جگہ آئیں گے؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ہاتھ مار کر فرمایا: یہ اور اس کی قوم۔ اگر دین ثریا (ستارے) کے پاس ہوتا تو آلِ فارس میں سے ایک شخص اس کو وہیں سے حاصل کرتا۔ بعض کہتے ہیں اس قوم سے مراد انصار ہیں، بعض کہتے ہیں فارس و روم، بعض کہتے ہیں اہل یمن۔ امام مجاہدؒ کا قول زیادہ ٹھیک ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اسلام کا حامی اور مددگار بنا دے، چنانچہ ایسا ہوا عرب کے بعد ترک کھڑے ہوئے۔" (تفسیر حقانی، تسہیل)

جہاد وغیرہ میں خرچ کرو

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

اے ایمان والو! تمہیں بلایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی جہاد اور خیر کے کاموں میں خرچ کرو۔

هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ ای هٰانتم هؤلآء ایها المؤمنون تدعون لِتُنفِقُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ای فی الجهاد وطریق الخیر۔ (القرطبی)

دشمنوں کو ذلیل کرنے اور مسلمانوں کی مدد کرنے میں خرچ کرو

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

تمہیں پکارا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے جہاد میں یا اپنے مستحق مسلمان بھائیوں پر خرچ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ دشمنوں کو ذلیل کرنے اور اپنے مسلمان دوستوں کی نصرت پر مال خرچ کرو۔

تُدْعَوْنَ ای الی الانفاق اما فی سبیل اللہ تعالیٰ بالجہاد، واما فی صرفہ الی المستحقین من اخوانکم، وبالجملۃ ففی الجہتین تخذیل الاعداء ونصرۃ الاولیاء (تفسیر کبیر)

ہمت سے کام لو

حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں:

”ہاں انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ جہاد وغیرہ میں خرچ کرنے کے لیے توجہ دلائی جاتی ہے، اس میں بھی بعض لوگ بخل کرتے ہیں، ہمت سے کام کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کھڑا کر دے گا۔“ (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

یعنی سورۃ کے شروع میں کافروں سے سخت قتال کا حکم تھا، چونکہ جہاد میں مال خرچ ہوتا ہے تو سورۃ کے آخر میں اس کی طرف بلایا جا رہا ہے۔

فائدہ

حضرات مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں ”انفاق فی سبیل اللہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے فضائل بھی لکھے ہیں ملاحظہ فرمایئے تفسیر مظہری .... اور يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ کی تفسیر میں بھی کئی اقوال لکھے ہیں ملاحظہ فرمایئے قرطبی، روح المعانی وغیرہ۔ نیز بعض مفسرین نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی منقبت اور فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے تفسیر عثمانی، معارف القرآن کاندھلوی، معارف القرآن، مظہری، انوار البیان اور حقانی۔

مسلمانو! تم جہاد کے محتاج ہو

ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ

اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم محتاج ہو۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

”اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے مال کی حاجت نہیں۔ جبکہ تم دنیا و آخرت میں محتاج ہو۔ دنیا میں اس طرح کہ اگر تم جہاد نہیں کرو گے تو مارے جاؤ گے اس لیے کہ اگر کافر سے نہ لڑا جائے تو وہ حملہ آور ہو جاتا ہے اور ضرورتمند مسلمانوں کو نہیں دو گے تو وہ تمہارے مال کو لوٹیں گے اور آخرت میں محتاجی تو بالکل واضح ہے، اس دن انسان کو حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا تب نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے۔“

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ غیر محتاج الی مالکم واتمہ بقولہ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ حتی لاتقولوا انا ایضا اغنیاء عن القتال ودفع حاجۃ الفقراء فانہم لا غنی لہم عن ذلک فی الدنیا والآخرۃ اما فی الدنیا فلأنہ لو لا القتال لقتلوا فان الکافر ان لم یغز یغز والمحتاج الخ۔ (تفسیرکبیر)

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کے پکارنے کو سنو

اللہ تعالیٰ نے جہاد میں مال خرچ کرنے کے لیے پکارا تو حضرات صحابہ کرامؓ کے پاس جو کچھ تھا ٹوٹا پھوٹا وہ لیکر جہاد میں نکل کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بھی عزت دی اور خود ان کو بھی...... اور وہ دنیا میں بھی کفار کے بڑے بڑے خزانوں کے مالک بن گئے اور آخرت کی اصل کامیابی بھی ان کا مقدر رہی۔ مگر آج مسلمانوں نے مال کو اپنے لیے وبال بنالیا ہے۔ ہر طرف مسلمان یا مال کو جمع کر رہے ہیں یا مال کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ آج اسلامی دنیا کے پاس مال بہت ہے مگر نہ عزت ہے نہ غلبہ اور نہ حفاظت۔ اللہ تعالیٰ نے پکارا ہے کہ اپنا مال جہاد میں اور دین کے دوسرے کاموں میں خرچ کرو۔ اللہ غنی تمہیں غنی فرمادے گا۔ یہ پکار آج بھی قرآن پاک میں سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس آیت میں موجود ہے۔ ہم یہ آیت پڑھتے ہیں، سنتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے پکارنے پر توجہ نہیں کرتے جس کی وجہ سے ذلت اور مغلوبیت نے ہمیں رسوا کر رکھا ہے۔ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کے پکارنے کو سنو، سمجھو اور زیادہ سے زیادہ اپنے اموال ''جہاد فی سبیل اللہ'' میں خرچ کر کے دنیا آخرت کی کامیابی حاصل کرو۔ واللہ اعلم بالصواب

تمّ برحمۃ اللہ وفضلہ سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم والحمدللہ رب العالمین الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ خاتم النبیین سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

٤/رجب المرجب ١٤٢٩ ھ بمطابق ٨/ جولائی ٢٠٠٨ء

یوم الثلثاء قبل صلوٰۃ العصر فی دار الھجرۃ

آیاتِ جہاد کی چار فہرستیں

۱ مدنی سورتوں میں آیاتِ جہاد

۲ مدنی سورتوں میں اشاراتِ جہاد

۳ مکّی سورتوں میں اشاراتِ جہاد

۴ مزید اشارات جہاد حضرت لاہوریؒ کے نزدیک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بقرہ ۳۵	ال عمران ۹۲	نساء ۲۲	مائدہ ۲۰	انفال ۷۵	توبہ ۱۲۹	حج ۱۷	نور ۴	احزاب ۲۲	محمد ۳۸
۱۰۹	۱۲	۶۹تا۸۵	۲	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	۱۹تا۲۴	۵۳	۹تا۲۷	مکمل سورۃ
۱۱۴	۱۳	۸۸تا۹۱	۳			۳۸تا۴۱	۵۴	۶۰	
۱۵۳تا۱۵۷	۲۸	۹۳تا۱۰۴	۱۱تا۱۳			۵۵	۵۵	۶۱	
۱۷۷	۱۱۰تا۱۱۲	۱۳۸تا۱۴۷	۲۰تا۲۶			۵۸تا۶۲	۶۲	۶۲	
۱۹۰تا۱۹۵	۱۱۸تا۱۲۹		۳۵			۷۸			
۲۰۷	۱۳۹تا۱۷۵		۵۱تا۵۶						
۲۱۳تا۲۱۸	۱۹۳تا۲۰۰		۸۲						
۲۳۹									
۲۴۳تا۲۵۲									
۲۶۱									
۲۶۲									
۲۷۳									
۲۸۶									

مدنی آیاتِ جہاد

کل آیات ۵۵۸

فتح ۲۹	حجرات ۵	حدید ۴	مجادلہ ۹	حشر ۱۷	ممتحنہ ۱۳	صف ۱۴	منافقون ۱۱	تحریم ۱	عادیات ۸	نصر ۳
مکمل سورۃ	۶	۱۰	۱۴تا۲۲	۱تا۱۷	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	۹	۱تا۸	مکمل سورۃ
	۹	۱۱								
	۱۰	۱۹								
	۱۳	۲۵								
	۱۵									

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مدنی اشاراتِ جہاد

کل آیات ۳۱

بقرہ ۵	ال عمران ۱۸	مائدہ ۸
۳۰	۱۴	۵۷
۳۶	۱۵	۵۸
۵۸	۱۹	۵۹
۵۹	۲۶، ۲۷	۶۰
۸۹	۵۵	۶۱
	۵۶	۶۲
	۸۱	۶۳
	۱۰۰تا۱۰۴	۶۷
	۱۳۰تا۱۳۴	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مکّی قصص واشاراتِ جہاد

کل آیات ۷۰

نحل ۲	بنی اسرائیل ۱	کہف ۱۵	انبیاء ۳	فرقان ۱	نمل ۲۴	قصص ۱	عنکبوت ۵
۱۱۰	۸۱	۸۳تا۹۷	۱۸	۵۲	۲۳تا۴۶	۸۵	۲
۱۲۶			۴۴				۳
			۱۱۲				۵
							۶
							۶۹

روم ۷	سبا ۱	صافات ۳	ص ۱	مؤمن ۱	طور ۱	مزمل ۱	بلد ۱
۱تا۷	۱۱	۱۷۲	۳۱	۵۵	۴۷	۲۰	۲
		۱۷۳					
		۱۷۷					

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

بقرہ ۵	ال عمران ۷	نساء ۳	مائدہ ۱	نور ۱	عنکبوت ۶۹	روم ۶۰	حجرات ۱۸	حدید ۲۹
۱۱۰	۱۴	۸۵	۳۲	۵۷	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ
۱۸۷	۱۵	۱۱۰						
۱۹۶	۱۳۰	۱۵۰						
۲۱۹	۱۳۱							
۲۲۰	۱۳۲							
	۱۳۳							
	۱۳۴							

اشاراتِ جہاد
حضرت لاہوری رحمہ اللہ

کل آیات ۱۹۳

فہرست

سورة التوبة

سورة الحج